مشاہیرِ عالم

حصّۂ اوّل

طبقۂ حکماء

مؤلفہ

مولوی عبد اللہ خاں سابق سیکنڈ ماسٹر
سنٹرل ماڈل سکول لاہور

سنہ ۱۹۱۷ء

منشی رام (سابق نول کشور) پریس لمیٹڈ لاہور میں کاشی رام مینیجر کے اہتمام سے چھپی

قیمت فی جلد ۱۲/ ... م

مولینا مولوی رحیم بخش صاحب سی - آئی - ای
پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست بہاولپور
کی
اعلےٰ علمی لیاقت کا شہرہ زبان زدِ ہر خاص و عام ہے
اور
جو قدردانی اور حوصلہ افزائی جنابِ ممدوح
اہلِ تصنیف و تالیف کی فرماتے ہیں وہ
محتاجِ بیان نہیں
خاکسارِ مؤلّف
اِس ناچیز کتاب کو جناب والا کی خدمت میں
محقر تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہے
گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف
عبد اللہ خاں

دیباچہ

دُنیا کے مشہور اور برگزیدہ آدمیوں کی زندگی کے حالات پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں - یہ لوگ اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ کی زِندہ مثال ہیں - اور جب ان کے حالات ہم غور سے پڑھتے ہیں تو بے اختیار دِل یہی چاہتا ہے کہ کاش ہم میں بھی یہی اوصاف ہوتے - پڑھنے والے کے دل میں اس اُمنگ کا پیدا ہونا - اور ان لوگوں کی تقلید کے لئے دل کا مائل ہونا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ شاہراہِ زندگی کی کٹھن منزل میں ان برگزیدہ اشخاص کی زندگی کے حالات چراغِ ہدایت کا کام دیتے ہیں - اور ڈانواڈول طبیعت کو راہِ راست پر لاتے ہیں ؛

ان فوائد کو مدِ نظر رکھ کر میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر طبقہ کے مشہور اور ممتاز اشخاص کے مختصر مختصر حالات مرتب کرکے شائع کروں - یہ کتاب جو اب شائع کی جاتی ہے اس سلسلہ کی پہلی کتاب ہے - اگر پبلک نے کچھ قدردانی فرمائی تو اس کے اور حصے بھی یکے بعد دیگرے شائع کئے جائینگے ؛

عبد اللہ خاں

فہرستِ مضامین

مشاہیرِ عالم

حصّۂ اوّل - طبقۂ حکماء

فیثا غورث

پیتھاگورباس - اور پیتھاگوریا فیثا غورث کے یونانی نام ہیں - ولادت کا وقت اور مقام ٹھیک طور پر معلوم نہیں - مگر کہتے ہیں کہ وہ ۵۶۶ء اور ۵۷۰ء قبل مسیح کے مابین تھا - کیونکہ وہ حکیم بندقلیس کے کچھ ہی زمانہ بعد پیدا ہُوا ہے ؛

اس نے طلبِ علم کے شوق میں ملکِ مصر کا سفر کیا - اور وہاں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے شاگردوں سے جو ملک شام سے مصر میں آ رہے تھے فنِ حکمت کی تحصیل کی - اور خاص حکمائے مصر سے علم ہندسہ اور علم طبیعیات کی تعلیم پائی - تحصیلِ علم سے فراغت پا کر وہ یونان میں واپس آیا اور اپنے ہموطنوں میں علوم طبیعیات - ہندسہ - اور علمِ دین کی

اشاعت شروع کی - علمِ موسیقی اور راگ فیثا غورث ہی کی ایجاد ہے - معاد اور ما بعد الطبیعۃ کے بارے میں اس کی رائے کچھ بندقلیس کے خیالات سے ملتی جلتی ہے - کیونکہ فیثا غورث مانتا تھا کہ اس عالم طبیعت سے بالاتر ایک اور روشن عالم ہے - جس کے حسن و خوبی کا ادراک مادی عقل کو نہیں ہوتا - بلکہ پاک و صاف نفوس ہی پچھ اس عالم کے مشتاق ہوتے ہیں - اور جو انسان اپنی طبیعت کو غرور، خود پسندی، مکر، حسد، اور دیگر جسمانی خواہشوں سے پاک و صاف بنائے وہ روحانی دنیا میں دخل پانے کے قابل ہوتا ہے - اس کو حکمتِ الٰہیات پر عبور حاصل ہو جاتا ہے - اور پھر اس کو ایسی روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں جیسے کہ با قاعدہ راگ اور سُر سے کان کے پردوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہونے کا مزہ۔

فیثا غورث ایک خاص ترکیب کی غذا تیار کرتا تھا جس کے کھانے سے بھوک پیاس عرصے تک معلوم نہ ہوتی - اس کی طبیعت بیحد لطیف واقع ہوئی تھی - رنج و خوشی دونو حالتوں میں اعتدال کا پابند رہتا تھا - نہ زیادہ غم کو دل میں جگہ دیتا نہ زیادہ خوشی کو - کسی نے اس کو کبھی روتے اور ہنستے نہیں دیکھا اس کا قاعدہ تھا کہ اپنے ہم جنس بھائیوں کے فوائد اپنی ذات کے فائدوں سے مقدّم رکھتا - تندرستوں کے حفظانِ صحت اور بیماروں کے علاج کا بہت خیال

رکھتا تھا۔ اکثر بیماریوں کا علاج مسمریزم کے ذریعے سے کرتا۔ اور بعض حالتوں میں بیماروں کو روحانی راگوں سے تندرست کر دیتا۔ فیثاغورث کا قول تھا کہ "امانت داری کچھ مال ہی پر منحصر نہیں بلکہ بات کے بھی امانت دار رہو اور وعدہ کے سچّے بنو۔"

فیثاغورث کا باپ منیسارخوث شہر صوٗر کا رہنے والا تھا۔ اس کے دو بھائی اور بھی تھے۔ سب سے بڑے کا نام اونوسطوس۔ اور دوسرے کا طورنیوس تھا۔ فیثاغورث کی ماں جزیرۂ ساموس کے ایک معزز باشندہ اجنقابوس کی بیٹی تھی۔ اور اس کا نام بوثایس تھا۔ شہر صور پر یمنون۔ بمقرون۔ اور وسقورون نامی تین قبائل نے قبضہ کرکے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اور اس شہر کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کیا تو فیثاغورث کا باپ بھی وہاں سے ترک وطن کرکے البحیرہ میں جا رہا۔ پھر البحیرہ سے ساموس چلا گیا۔ تاکہ وہاں روزی کمائے۔ ساموس میں اس نے قیام کرکے عزّت اور اقتدار حاصل کیا۔ پھر وہ انطالیا کو گیا اور فیثاغورث کو بھی سیر و تفریح کرانے کے خیال سے اپنے ساتھ لیتا گیا۔ وہ کچھ دن انطالیا میں بسر کرکے پھر ساموس واپس آ گیا۔ ساموس میں فیثاغورث نے خاص عزّت اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ وہ دربار رس بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے ساموس کے

امیر اندروقلوس نے فیثاغورث کو اپنا لے پالک بنا لیا اور اس کی پرورش و پرداخت پر خاص توجہ کی۔ ابتداءً فیثاغورث کو ابتدائی قواعد صرف و نحو۔ اور زباندانی کی۔ پھر ادب۔ لغت۔ اخلاق و آداب اور موسیقی کی تعلیم دی گئی۔ اور اس تعلیم کا تکملہ ہونے کے بعد اندروقلوس نے فیثاغورث کو ہونہار بچہ پاکر مقام میلیطون میں حکیم انکسیماندر کے پاس طلب علم کے لئے بھیج دیا۔ یہاں فیثاغورث نے علم نجوم۔ اور مساحت و ہندسہ کی تکمیل کی۔ اور ان دونو فنوں میں ماہر ہو چکا تو اب علم کا ذوق اُسے مختلف شہروں اور ملکوں میں لے گیا۔ تا ہر جگہ سے اُس نے کچھ نہ کچھ فیض اٹھایا۔ کلدان اور مصر والوں کے کاہنوں سے انکے علوم سیکھے۔ اور یہی سبب تھا کہ فیثاغورث کی حکمت بہت مشہور اور اعلےٰ درجہ کی ہو گئی۔ اس کے بیان میں اثر تھا۔ اور وہ دوسروں کو اپنی جادو اثر تقریر کا مدّاح ہی نہیں بناتا۔ بلکہ اُن سے جو کام لینا چاہتا اپنی تقریر کے ذریعے لے لیتا تھا۔ مخلوق خدا کو اس حکیم کی ہدایت و تلقین سے بڑا فیض پہنچا۔ اس نے بہت سی قوموں اور جماعتوں کے بگڑے ہوئے اخلاق سُدھارے اور گمراہوں کو رہ پر لایا۔ فیثاغورث کو مصر کے کاہنوں کا حال اور کمال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے وطن کے فرمانروا کا خط حکمرانِ مصر کے نام حاصل کیا

اور شاہ مصر کی سفارش سے کاہنوں کے پاس پہنچا۔ پہلے وہ "شہر الشمس" کی ہیکل میں بھیجا گیا۔ (آجکل یہ مقام "عین الشمس" کہلاتا ہے) مصر کے کاہن غیروں کو اپنا علم سکھانے میں سخت بخیل تھے۔ انہوں نے فیثاغورث کو سخت امتحان میں ڈالا۔ مگر واہ رے شوق کہ فیثاغورث بڑی خوشی سے انکی سختیوں کو جھیل کر امتحان میں پورا اُترا۔ عین الشمس کے کاہنوں نے اس کی روش کو کسی پہلو سے قابل اعتراض نہ پایا تو فیثاغورث کو شہر منفس (منفیس یہ قدیم زمانہ میں مصر کا دار السلطنت رہا تھا) کے کاہنوں کی خدمت میں بھیجا۔ اور وہاں بھی اس کا امتحان مزید سختی کے ساتھ لیا گیا جس میں وہ کامیاب نکلا۔ پھر اخیر درجہ اُسے دیوسپولس کی بڑی ہیکل میں بھیجا گیا اور وہاں بھی اس نے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ تین سخت ترین امتحانوں کو جھیل کر فیثاغورث نے اپنے اہل ہونے کا پختہ ثبوت دے دیا۔ اور حُجت پُوری کر دی تو اب مصری کاہنوں کو یہ عذر کرنے کا موقع نہیں رہا کہ وہ نا اہل ہے۔ اور اُنہوں نے فیثاغورث کو تعلیم دینا شروع کر دیا۔ فیثاغورث کی نیک چلنی۔ پاک دامنی۔ اور پارسائی پہلے ہی تمام مصر میں شہرت پا چکی تھی اور کاہنوں کی نظر میں وقعت حاصل کرنے سے اب وہ اور بھی نامور ہو گیا۔ شاہ رمسیس نے اس

بات سے خوش ہو کر کہ کاہنوں نے فیثاغورث پر اعتماد کر لیا ہے۔ اس کو قربانگاہ کا محافظ اور قربانی کا مہتمم مقرر کر دیا۔ حالانکہ یہ عہدہ اور رُتبہ اس سے پہلے کسی پردیسی کو ہرگز نہیں ملا تھا۔

مصر سے کہانت کا علم حاصل کر کے **فیثاغورث** پھر اپنے وطن میں واپس آیا اور ساموس کا دُنیاوی حاکم اور دینی پیشوا بنا۔ لیکن اس کی طبیعت اِس منصب کو پسند نہ کر سکی۔ لہذا کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ سیاحت اور سیر کے لئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ شاگردوں کی جماعت ساتھ تھی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا اور وعظ و نصیحت کیا کرتا۔ شہر سوبرس میں اس کی بہت توقیر ہوئی۔ اہل شہر نے ایک مکان فیثاغورث کے درس دینے کے لئے بنوا دیا۔ حکیم فیثاغورث کی ناصحانہ تقریر نہ صرف شہر سوبرس کے ہی زن و مرد سُنتے بلکہ دور دور کے حکمران اور اُمرا اس کی صحبت سے فیض اُٹھانے کی تمنّا میں آیا کرتے۔ ایک دن **قروطونیا** کا ایک دولتمند **قولون** نامی جو سخت مغرور اور کمینہ طبیعت تھا۔ حکیم فیثاغورث کی مجلس میں آ کر اپنی تعریف خود کرنے لگا۔ حکیم نے اُس کو فہمائش کی کہ یہ بُری بات ہے۔ اپنے مُنہ اپنی ہی تعریف اخلاق و انسانیت کے خلاف ہے **قولون** کو حکیم کی سچی نصیحت سخت ناگوار ہوئی اور وہ کھسیانا ہو کر مجلس

سے چلا گیا - لیکن اپنے دوستوں میں پہنچ کر اُن کو فیثا غورث کے خلاف بھڑکایا اور کہا کہ یہ حکیم کافر ہے اور اس کا قتل واجب - چنانچہ بدمعاشوں کے ایک گروہ کو لے کر حکیم کے مکان پر حملہ آور ہُوا - شہر والوں نے حکیم کو بچانا چاہا اور اس کوشش میں لڑائی ہو پڑی - چالیس آدمی حکیم کے طرفداروں میں سے مقتول ہُوئے - اور رات کو اہل شہر نے حکیم کو خفیہ طور پر شہر سے نکال - اور دُوسری جگہ بھیج دیا - خاص خاص شاگرد حکیم کے ساتھ تھے - لیکن جہاں وہ جاتا قولون کی شرارت کے خوف سے اس کو کوئی پناہ نہ دیتا - آخرکار وہ ایک ہیکل (مندر) میں روپوش ہوا جو نہایت مستحکم عمارت تھی - قولون کے آدمیوں نے اُس کا مُحاصرہ کر لیا - چالیس دن تک حکیم اور اس کے شاگردوں کو غذا نہیں ملی اور ان کی قوتیں بالکل سلب ہو گئیں - محاصرہ کرنے والوں نے دیکھا کہ حکیم پر یُوں قابو نہیں چل سکتا تو اُن سنگ دل اور بے رحم ظالموں نے مندر کے گرد لکڑی کے انبار لگا کر آگ دے دی اور مکان جلنے لگا - جاں نثار شاگر حکیم کو حلقہ میں لے کر بیٹھ گئے - تاکہ اپنی جانیں فدا کریں اور استاد حکیم کو آنچ نہ لگنے دیں - مگر آگ کی تیزی اور دُھوئیں کی شدت نے اُن سب کو بیہوش کر دیا اور حکیم بھی غش کھا کر گرا اور گرتے ہی

جان بحق تسلیم ہو گیا - قدرت میں آگ پوری طرح اثر کر چکی تھی وہ ہر جگہ پھیل گئی اور حکیم کے باقی ماندہ شاگرد جو چالیس کے قریب تھے اس کی لپٹ میں جل کر خاک ہو گئے ؛

حکیم فیثا غورث نے ۲۸۰ کتابیں تصنیف کیں اور بہت سے طالب علم اپنی یادگار چھوڑے - اس کے حکمت آمیز اقوال بکثرت ہیں - اُن میں سے دو چار یہاں لکھے جاتے ہیں - (۱) "جس طرح اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے ویسے ہی یہ پھر خدا تعالےٰ ہی کی طرف لوٹ کر بھی جائیگا" (۲) "مال حاصل کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ حلال طریقہ سے کماؤ اور جائز طور پر خرچ کرو" (۳) "اپنی تندرستی کا خیال رکھو - اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ کھانے، پینے، اور صحبت کرنے، میں اعتدال کی پابندی کرو اور ورزش جسمانی سے غافل نہ ہو" (۴) "دوست کا مال دوست کے لئے حلال ہے" (۵) "خدا تعالےٰ حکماء کے فعل دیکھتا ہے اُن کے قول کو معتبر نہیں مانتا" (۶) "اچھی چیزیں جو خدا تعالےٰ کو پسند ہیں وہ عمل سے ہاتھ آتی ہیں نہ کہ باتیں بنانے سے" ؛

فیثاغورث کی تصانیف جو اِس وقت موجود ہیں حسب ذیل ہیں :- (۱) کتاب ارتھمیٹک (۲) کتاب الالواح (۳) کتاب در بیان نوم و یقظہ

(خواب و بیداری) (۴) "کتاب در بیان کیفیت نفس و جسم" (۵) سسلی کے سرکش کے نام ایک رسالہ۔
(۶) "رسالہ ذہبیہ" (سُنہرا) اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حکیم جالینوس اس رسالہ کو سُنہری حروف میں لکھا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اس رسالہ کی بہت کچھ عزت و عظمت کرتا اور ہمیشہ اس کو پڑھتا۔ اور پڑھاتا رہتا۔ (۷) "رسالۃ الیٰ سقائش در بیان استخراج معانی"۔
(۸) "رسالہ در بیان سیاست عقلی" اور (۸) ایک رسالہ بنام "سمیدو سیوس" *

جغرافیہ اور علم الارض میں اس کا مسلک و مذہب اَوروں سے بالکل جُدا ہے۔ بلکہ وہ فیثاغوری حکما کا لیڈر مانا جاتا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک مانا۔ البتہ یہ نہیں بتایا کہ وہ آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے۔ فیثاغورث ہی نے بتایا کہ صبح و شام کا ستارہ ایک ہی چیز ہے *

اس نے جا بجا زمین کے اندر اور خشکی میں سمندر کے گھونگھے دیکھکر یہ رائے قائم کی کہ جن مقامات میں یہ گھونگھے ملتے ہیں وہاں کسی زمانہ میں سمندر رہا ہوگا۔ چونکہ وہ مصر میں رہا تھا۔ لہذا ممکن ہے کہ دریائے نیل کے دہانہ پر پانی کے ساتھ بہ کر آنے والی مٹی کے ذریعے اس دریا میں "ڈولٹا" یعنی مثلث نما زمین بنتی دیکھی ہوگی۔ اور سمندر کے سواحل پر چٹانوں کو کٹ کٹ کر دریا

میں غائب ہوتے معائنہ کیا ہوگا - اس بات سے خود اس نے اور اس کے پیرو شاگردوں نے یہ خیال کیا - کہ :- (۱) زمین سمندر کی شکل میں بدل جاتی ہے - (۲) سمندر زمین کی شکل میں بدل جاتا ہے اس لئے زمین کے اندر اور سمندر سے فاصلے پر سمندر کے گھونگھے نکلتے ہیں - (۳) پانی کی روانی اور سیلاب کے بہاؤ سے وادیاں گہری بنتی جاتی ہیں اور ان میں غار پڑ جاتے ہیں - پہاڑیاں بھی اُسی سیلاب کے ساتھ بہ جاتی ہیں اور پھر اُن کی جگہ سمندر آ جاتا ہے - (۴) ڈلٹاؤں یا نئی مٹی کے اکٹھا ہونے سے جزیروں کی بجائے برِّ اعظم بن گیا ہوگا - اور (۵) جزیرہ نما زمینیں سمندر کی کاٹ کے ذریعے برِّ اعظموں سے الگ ہو کر جزیرے بن گئے ہونگے - (۶) بہت سے آباد ملک زلزلوں کی وجہ سے پانی میں غرق ہو گئے - جیسے کہ یونان کے شہر ہیلس اور بورس دونو تہِ آب ہو گئے ہیں اور اُن کی شہر پناہ کی دیواریں اب تک سمندر میں نظر آتی ہیں (۷) زمین پر ایسے دریا اور چشمے بھی ہیں جن کا پانی اور چیزوں کو پتھر بنا دیتا ہے - اور (۸) آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں کا مقام اور اُن کی شکل بدلتی رہتی ہے - غرضیکہ اِن خیالات اور آراء سے پتا چلتا ہے کہ فیثا غورث اور اس کے ہم خیال لوگوں نے قدرت کے انقلاب اور اسرار خلقت کا

پتا لگانے میں بہت کچھ دماغی قوت صرف کی تھی۔ اور گو آج علمی دُنیا کی ترقی کے دَور میں اس پر بہت کچھ اضافہ ہو چکا ہے۔ لیکن اُن بے مثال دماغوں کی محنت ضرور قدر اور شکریہ کی نظر سے دیکھنے کے لائق ہے جو ان خیالات کے موجد تھے؀

سُقراط

سقراط کا یونانی نام ساکریٹیز۔ باپ کا نام سپرونسکس ہے۔ شہر ایتھنز میں ۴۶۹ قبل مسیح پیدا ہوا۔ بچپن میں باپ سے بُت تراشی کا ہنر سیکھا اور ہوش سنبھالنے پر اہل علم کی صحبت کا چسکا پڑا۔ اس لئے فلسفہ و حکمت کی تحصیل پر محنت کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ذہن کی صفائی اور عقل خدا داد کی رسائی سے ایسی لیاقت بہم پہنچائی کہ یونان میں مشہور ہو گیا؀

پاکبازی۔ انصاف پسندی۔ ریاضت۔ نیکدلی۔ خدا پرستی۔ سچائی۔ دُنیا سے کنارہ کشی۔ اور حلم و بردباری میں بے مثل تھا۔ علم و حکمت کی خدمت بُت پرستی سے نفرت۔ اور دوسروں کو بھی بتوں کی پرستش سے منع کیا کرتا۔ اِسی علت میں اس کی جان گئی۔ کیونکہ وہ اپنے ہموطنوں سے جو

بُت پرستی میں غرق تھے ایک بے مثل اور ان دیکھے خدا کی عبادت کرنے کی تاکید کیا کرتا تھا۔ بڑے بڑے معزز یونانی سرداروں اور اُن کے مذہبی پیشواؤں سے اس بارہ میں مناظرہ اور مباحثہ کرتا۔ اور اپنے دلائل سے اُن کو لاجواب کر دیتا۔ جب یونان کے بت پرست کاہن سقراط سے بحث و دلیل میں ہار جاتے تو وہ کھسیانے ہو کر عام جاہل اور بے عقل لوگوں کو سقراط کے خلاف جوش دلا کر اُسے دق کرتے اور اذیت پہنچاتے ✣

مقدونیہ کا بادشاہ آرکلاس اسی آرزو میں رہا کہ سقراط اُس سے کبھی کوئی فرمایش کرے۔ سقراط نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔ مزاج میں صبر اور استقلال اس درجہ کا تھا کہ خواہ کیسا ہی حادثہ پیش آئے وہ اُس کا خیال بھی نہ کرتا تھا۔ ریاضت و نفس کشی کر کے اُس نے اپنی طبیعت کو ایسا بنا لیا تھا کہ عام جاہلوں کی بد سلوکی سے آزردہ نہ ہوتا۔ بلکہ جب اس کے شاگردوں نے بہت زور دیا کہ وہ شادی کر لے تا کہ اس کی نسل باقی رہے تو بمشکل ان کی بات مانی اور یہ شرط لگائی کہ جو عورت حد درجہ کی بد صورت و بد مزاج ہو اُس سے عقد کرونگا۔ تا کہ اس کے ظلم و جبر پر صبر کرنے سے عام مخلوق کی بد سلوکیاں برداشت کرنے کی مشق حاصل ہو ✣

سقراط کا مقصد اور دلی منشاء یہ تھا کہ کسی طرح

اپنے اہل ملک کے دل پر خوش اخلاقی کا پرتو ڈالے اور ان کو وہم پرستی اور گمراہی کے گڑھے سے باہر نکالے۔ سقراط کے وعظ کی کوئی جگہ مقرر نہیں تھی۔ جہاں دیکھتا کہ بہت سے آدمی جمع ہیں وہیں پند و نصیحت کا دفتر کھول دیتا اور اُن کو اچھی عادتیں رکھنے اور عمدہ کام کرنے کی ہدایت اور بُری باتوں اور خراب کاموں سے دُور رہنے کی نصیحت کرتا ؛

علم حکمت کی عظمت اس درجہ کرتا تھا کہ بعد کے حکما اس کے تتبع سے قاصر رہے۔ کبھی کسی شاگرد کو علمی مسائل لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ ایک مرتبہ کسی طالب علم نے کہا بھی کہ اگر آپ کی تقریروں اور لکچروں کو قلمبند کر لیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ سقراط نے بگڑ کر اُسے جواب دیا ”علم کو زندہ [illegible] میں رکھنا بہتر ہے یا مُردہ جانوروں کی کھالوں میں“۔ مقصد یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ اپنا سینہ علم و حکمت کا خزانہ بنائے نہ یہ کہ کتابوں کو علم کا دفینہ کر دے۔ سقراط کے اس قول سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں چمڑے کو کاغذ کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس طالب علم سے اس نے یہ بھی کہا ”اگر راستہ میں جہاں کتاب وغیرہ پاس نہ ہو کوئی شخص تم سے کسی مسئلہ کو دریافت کر بیٹھے تو کیا تم کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوگا کہ گھر چل کر کتاب میں دیکھونگا۔ اگر یہ بات پسند ہو تو

علمی مسائل کو لکھ لو ورنہ یہ خیال جانے دو"۔
یہی وجہ تھی کہ سقراط نے معدودے چند کتابیں تصنیف کیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شاگردوں کو علم کی تدوین کا موقع کم ملا۔ سقراط نے اپنے استادوں سے بھی جو کچھ حاصل کیا وہ اسی طرح حاصل کیا تھا۔ اور اس کا سینہ جواہرات علم کا گنجینہ تھا۔ علم و حکمت میں جو درجہ سقراط کو نصیب ہوا وہ اس سے قبل و بعد کے حکماء نے نہ پایا۔ وہ دنیا کے آرائشی سامانوں پر علم کو افضل مانتا۔ پرتکلف مکانوں کی رہایش اور حسین و نازنین عورتوں کی صحبت چھوڑ کر ٹوٹے پھوٹے گھر میں رہتا اور ایک سخت بدشکل اور زباں دراز عورت کے ساتھ زندگی بسر کرتا۔
یونان میں دستور تھا کہ جب وہاں کے بادشاہوں کو کوئی مہم پیش آتی تو وہ اپنے ملک کے حکیموں کو برکت اور کامیابی کے خیال سے ساتھ لے جاتے۔ سقراط بھی اسی اصول کے مطابق کسی مہم پر اپنے فرمانروائے وقت کے ساتھ گیا۔ شاہی کمپ میں اس کے واسطے خیمہ ڈیرہ اور ہر طرح کا سامان موجود تھا۔ مگر اس نے فوجی پڑاؤ کے قریب ایک کونے کے کومب میں رہنا اختیار کیا۔ رات کے وقت کومے میں چلا جاتا اور صبح کو باہر نکل کو دھوپ سینکتا۔
ایک دن بادشاہ اس کے پاس سے گزرا۔ یہ دھوپ سینک رہا تھا۔ بادشاہ نے حکیم کو اس طرح پر

دیکھا تو اس نے سواری روک لی اور پوچھا "مزاج کیسا ہے"؟ سقراط نے کہا "جہاں پناہ کی جان و مال کو دعا دیتا ہوں"۔ بادشاہ نے کہا۔ "لشکر میں تمہارے لئے ہر طرح کا سامان راحت موجود ہے۔ پھر تم اس حالت میں کیوں بسر کر رہے ہو۔ میرے ساتھ چلو"۔ سقراط نے کہا "حضرتِ عالم! اگر میں سمجھتا کہ آپ کی صحبت سے میرا نفع ہے تو میں آپ سے دور کیوں بھاگتا۔ ہر وقت خدمتِ والا میں حاضر رہتا"۔ بادشاہ نے کہا "میں نے سنا ہے کہ تم بتوں کو برا کہتے ہو"؟ سقراط نے کہا "ہاں آپ نے سنا ہوگا۔ مگر میں بتوں کو برا بھلا نہیں کہتا۔ میرا قول تو یہ ہے کہ بادشاہ کو بت پرستی سے دنیاوی فائدہ ہے۔ اس طرح وہ رعایا پر رعب جماتا اور انہیں اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن میرے عقیدہ میں پرستش اس خدا کی کرنی چاہیئے جو تمام عالم کا پیدا کرنے والا اور سب کا روزی رساں ہے۔ وہ نیکوں کو نیکی کا بدلہ۔ اور بدوں کو بدی کی سزا دیتا ہے"۔

بادشاہ نے کہا۔ "اچھا اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ پوری کی جائیگی"۔ سقراط نے سخت بے پروائی سے جواب دیا "آپ نے اور آپ کے ساتھ والوں نے دھوپ روک لی ہے۔ مجھے سردی لگتی ہے۔ مہربانی فرما کر دھوپ چھوڑ دیجئے اور

کو بہکاتا اور اُن کی رسمیں خراب کرتا ہے - اُس کے واسطے موت کا فتوئے طلب کیا - جس وقت یہ سازش حکیم سقراط کے برخلاف ہوئی - اس کے دوست اس کے بچانے کے لئے مستعد ہوئے خاص ایک دوست نے جو اپنے زمانے کا بڑا فصیح تھا - اس کے بچاؤ میں بہت کچھ کہا - مگر کوئی تدبیر پیش نہ گئی - اور آخرکار جواب دہی کے لئے وہ کچہری میں طلب ہوا - جس وقت حکیم سقراط حکام عدالت کے روبرو گیا - اُس وقت بڑے استقلال اور دلیری اور فصاحت کے ساتھ جواب و سوال کئے - اور جو بات سچ تھی - اس کی حقیقت سب بے کم و کاست بیان کر دی - اس زمانے میں دستور تھا - کہ مجرم اپنے اہل وعیال کو ترحم کی اُمید پر منصفوں کے سامنے کچہری میں لاتے تھے - مگر اس جوانمرد نے اس سے بھی احتراز کیا - جس طرح اس مُقدمے میں اس نے عدالت میں گفتگو کی - اور حکّام کے روبرو اظہار دِئیے - افلاطون نے اُنہیں قلمبند کیا ہے - اور عذر سقراط اُن کا نام رکھا ہے - اس عمدہ تقریر میں سے کچھ ہم بھی نقل کرتے ہیں :-

سقراط کے اظہار حُکّامِ عدالت کے سامنے

مجھ پر یہ الزام لگایا گیا ہے - کہ مَیں اس شہر کے باشندوں اور جوانوں کے اخلاق بگاڑتا ہُوں -

اور مذہب میں بدعتیں نکالتا ہوں - ایتھنز میں میں
نے معلمی کا پیشہ کب اختیار کیا تھا - اور کب کچھ
لے کر تم کو پڑھایا تھا؟ کہ آج اس گناہ میں پکڑا
جاتا ہوں - میری مفلسی میری بے گناہی کی گواہ ہے -
اور میرا شاہد میرا حال تباہ - جیسا میری رائے میں
آیا - ہر ایک امیر و غریب کو سمجھایا - جو چاہے مجھ
سے بحث کر لے - اور میری بات کا جواب دے -
میری غرض نصیحت سے صرف نیکی کا راستہ بتانا تھا -
ہر ایک پیر و جوان کو میری نصیحت یہ تھی - کہ
بیحد تن آسانی کو چھوڑو - اور اس دُنیائے فانی کی
بے انداز خوشیوں سے مُنہ موڑو - دُنیا غدّار ہے اور
دولت ناپائدار + نیکی سے دولت مل سکتی ہے - نہ کہ
دولت سے نیکی - پس اے ایتھنز کے رہنے والو!
اگر یہی میری خطا ہے - تو جو تمہارے جی میں آئے
مجھ پر فتوے لگاؤ - میں اپنی طبیعت بدل نہیں سکتا -
میں اپنے قول پر قائم ہوں - مجھ کو خدا نے ہدایت
کی ہے - کہ میں اپنے ہموطنوں کو راہ راست بتاؤں -
میں ہرگز اس ارادے کو نہ چھوڑونگا اور تحصیل علم
اور مطالعۂ کتب اور تربیتِ عوام سے ہرگز مُنہ نہ
موڑونگا - تمہارے حکم کی نسبت خدا کے حکم کا میں
زیادہ فرماں بردار ہوں - جب تم میرے سامنے
آؤ گے - میں تمہیں یہی نصیحت کرونگا - اور سمجھاؤنگا -
کہ اے میرے دوستو! ایتھنز کے باشندو! آج عقل

و دانائی میں کسی شہر کے رہنے والے تم سے ہمسری نہیں کر سکتے ۔ تم کو لازم ہے ۔کہ ناپائدار خوشیوں سے کنارہ کرو ۔ اور دانائی و راستی کے رستے پر آؤ ۔ میں بہت عاجزی سے التماس کرتا ہوں ۔کہ یہ میرا کلام جو بسبب اپنی راستی کے میں بہت صفائی سے بیان کر رہا ہوں ۔ تم پر گراں نہ گزرے ۔ اے میرے ہموطنو ! ہر چند میں نہایت بیکسی کی حالت میں ہوں ۔ لیکن اس پر بھی اُن لوگوں کی پیروی نہ کرونگا ۔ جو اپنے دوستوں ۔ اور رشتہ داروں اور بچوں کو رحم دلانے کے لئے منصفوں کے روبرو عدالت میں لاتے ہیں ۔ اور اُن کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں ۔ یہ کچھ شیخی اور غرور کی راہ سے نہیں ۔ بلکہ میرے ایسا ہونے میں تمہاری اور تمہارے مُلک کی شان ہے ۔ مجھے یہ بات منظور نہیں کہ منصف کی منت کر کے گناہ بخشوا لوں ۔کیوں کہ منصف انصاف کے لئے اجلاس کرتا ہے ۔ نہ انصاف کے توڑنے کے لئے ۔ منصف اپنے عہدے پر مقرر ہونے کے وقت اس بات کی قسم نہیں کھاتے ۔کہ ہم گنہگار کو یا جسے ہمارا دل چاہیگا بے سزا چھوڑ دینگے ۔ بلکہ اس بات کا حلف اُٹھاتے ہیں ۔کہ ہم اِنصاف کو ہاتھ سے نہ دینگے ۔ اب چونکہ تم نے مجھ کو اپنی دانست میں گنہگار ثابت کر لیا ہے ۔ تم کو اختیار ہے ۔کہ بے تامل مجھ کو سزا دو ۔ اے حاکمو ! مجھ سے اس بات

کی توقع مت رکھنا۔ کہ میں الزام کے خوف سے
اس نیک بات کو جسے میں دل سے اچھا جانتا
ہوں۔ بُرا کہنے لگوں اور پشیمان ہو کر تم سے رجوع
کروں۔ اس وقت تم سے التجا کرنا۔ اور یہ کہنا کہ
مجھ سے درگزر کرو۔ گویا تمہاری منصفی کے حلف
کو تُڑوانا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ میں
بے ایمان ہوں۔ اور خدا کا مجھے یقین نہیں۔ مجھے
خدا کے ہونے کا یقین ہے۔ اور اُس حاکم حقیقی
کے انصاف پر بھروسا رکھتا ہوں۔ پس جو سزا
تمہارے دل میں آئے میرے واسطے تجویز کرو"۔

حکیم سقراط جیسا صاف اور بے گناہ تھا۔ ویسے
ہی صفائی کے ساتھ نڈر اور بے دھڑک حکام کے
سامنے اس نے گفتگو کی۔ ایسی بے لگاؤ گفتگو سے
منصفوں کے دل میں خفگی پیدا ہوئی۔ کیونکہ اکثر
لوگ چاپلوسی اور خوشامد کو پسند کرتے ہیں ع

خوش آمد ہر کہ را گفتی خوش آمد

اگر یہ بھی اس کمینہ پن کو اختیار کرتا تو شاید
بچ جاتا۔ اس کے اظہار کے وقت پانچ سو منصفوں
کا اجلاس تھا۔ اوّل تو اُنہوں نے بالاتفاق اس کی قید
کا فتوے دیا۔ لیکن سقراط نے اس خیال سے کہ اگر
میں قید ہونگا تو لوگ مجھ کو حقیقت میں مجرم جانینگے۔
اسے قبول نہ کیا۔ اس انکار نے ان کو اور بر افروختہ
کیا۔ اور انہوں نے یہ حکم دیا۔ کہ اس کو زہر سے

ہلاک کیا جائے ✦

اِس پر سقراط نے یہ کہا۔ بہت بہتر ہیں جاتا ہوں۔ اور تمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ کیونکہ روزِ ازل سے میرے مقدر میں یہی لکھا تھا۔ اسے کون مٹا سکتا ہے؟ مجھ سے یہ امید کبھی نہ رکھنا۔ کہ میں تمہاری خوشامد کروں۔ کیونکہ گنہگار کو آزمایش کے وقت اور بہادر کو لڑائی کے وقت کمینے حیلوں سے اپنی جان بچانی سزاوار نہیں ہے۔ اس کے ایک شاگرد کو اس امر سے بڑا رنج ہوا۔ اُس وقت سقراط نے اُسے سمجھایا۔ کہ اے عزیز صبر کر میں گنہگار نہیں مرتا۔ جو تو میرے واسطے ماتم کرتا ہے۔ میرے دشمن میرا مال۔ اور میری تندرستی اور زندگی مجھ سے چھین سکتے ہیں۔ لیکن میری نیکی۔ اور بے گناہی اور اولوالعزمی اور دل کی بزرگیوں کا خزانہ جس کا عوض مجھے میرا پروردگار دیگا۔ کون مجھ سے لے سکتا ہے۔ سقراط ایک مہینے تک اس حکم کے بعد قید رہا۔ مگر اس کے دِل پر ذرا ملال اور موت کا کچھ ڈر نہ تھا۔ ان مصیبت کے دنوں میں بھی اپنے دوستوں اور شاگردوں کو ہمیشہ نصیحتیں کئے گیا۔ اور ستائش ایزدی میں ہر وقت تر زبان رہا ✦

کریٹو[۱] لکھتا ہے۔ کہ جس صبح سقراط کو زہر دیا جائیگا۔ اس کی رات کو وہ اپنی عادت کے موافق بہت

---

[۱] یہ شخص سقراط کا شاگرد اور اس کا بڑا رفیق تھا ✦

دلجمعی اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ سویا۔ اور اُس کے
چہرے سے کوئی علامت رنج کی ظاہر نہ ہوئی۔ یہاں
تک کہ جب صبح کو قید خانہ کے داروغہ اور کریٹو
نے اُسے فہمائش کی۔ کہ آپ یہاں سے بھاگ جائیں۔
اُس وقت یہ ہنسا۔ اور بولا "اے احمقو! کوئی ایسی
جگہ ہے جہاں موت سے میں بالکل بچا رہوں؟ اگر
کوئی ایسی جگہ تمہاری نظر میں ہو۔ تو چھپا کر مجھے
لے چلو" ہر چند اُس کے شفیقوں نے اُسے سمجھایا
کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ لیکن اُس نے ہرگز نہ مانا۔
اور یہ کلمات کہے "اے میرے نہایت پیارے کریٹو!
تُو جانتا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ اور انسان
کا کوئی فعل اُس سے پوشیدہ نہیں۔ پھر مجھ سے
کیوں کہتا ہے۔ کہ یہاں سے بھاگ جا؟ میری تقدیر
میں خدا نے یہی موت لکھی ہے۔ پھر میں کیونکر
اس سے بھاگ سکتا ہوں۔ انسان کو ایسی بات
کا دل میں خیال بھی نہ لانا چاہیئے۔ جو خدا کی
مرضی کے برخلاف ہو۔ تو خوب جانتا ہے۔ کہ
انسان کے قہر سے ہر کوئی بھاگ سکتا ہے۔ لیکن
جس بے نصیب پر خدا کی نظر قہر ہو۔ وہ بھاگ
کر کہاں جائے؟ اب ایسا گوشہ کوئی مجھے بتا
جہاں اُس سے چھپ کر میں جاؤں"؟

یہ سُن کر کریٹو چپ ہو گیا۔ اور وہاں سے
چلا آیا۔ جب صبح کو اُس کے تمام دوست اور شاگرد

حکیم افلاطون کے سوا جو بہت بیمار تھا۔ اُس سے ملنے کے لئے قید خانے میں آئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیڑیاں کٹ چکی ہیں۔ اور سقراط کے پاس اُس کی بیوی اپنے بچّوں کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ بے اختیار اُن کا دل بھر آیا۔ اور اس کی بی بی چلاّئی اور رو کر اپنے خاوند سے کہنے لگی "اے میرے پیارے اے میری جان سقراط! تیرے دوست اِس آخری وقت میں تجھے دیکھنے اور تیری قدمبوسی حاصل کرنے آئے ہیں" سقراط کے حال میں اس وقت بھی کچھ تغیّر نہ تھا۔ نہایت استقلال اور اطمیناں کے ساتھ اپنے دوستوں سے ہمکلام ہُوا۔ اور ان کو نصیحتیں کیں۔ اور رُوح کے غیر فانی ہونے کے باب میں ایسی معقول دلیلیں پیش کیں۔ کہ زمانۂ حال اور سلف کے بڑے بڑے فاضل بھی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ اس نے اُنہیں سمجھایا۔ کہ انسان کی روح مرنے کے بعد فنا نہ ہوگی۔ اور احکم الحاکمین بدوں کو سزا اور نیکوں کو جزا دیگا۔ اگر اِنسان کی روح کو فنا ہو۔ تو گنہگاروں کو جنھوں نے ہر طرح کی بدی کی ہے۔ اور خدا کے حکموں کو توڑا ہے۔ کیونکہ سزا ملیگی۔ اور اُن لوگوں کو جنھوں نے زندگی بھر نفس مارا۔ اور لذتوں کو چھوڑا۔ اور خدا کی بندگی کرتے رہے۔ اُن کی محنتوں کا اجر کِس طرح ملیگا؟ اگر اِنسان کی روح کو فنا ہو تو پھر نیکی سے کیا فائدہ؟ تُم قطعاً یقین

کرو۔ کہ انسان کی روح کو فنا نہیں۔ بد آدمی اپنی بدی کی سزا پائینگے۔ اور جو گنہگار قابل بخشنے کے ہیں۔ بخشے جائینگے۔ اور جو نیک اور خدا پرست ہیں۔ اُن کو اُن کی محنتوں کا اجر ملیگا۔ تم کو لازم ہے کہ نیکی کرو۔ اور انعام کے اُمید وار رہو۔ دیکھو نیکوں کو کیسی خوشی۔ اور اُن کو کیا کیا اُمیدیں ہیں۔ ہر وقت اُن کا دل مطمئن رہتا ہے۔ اور دُنیا کی تکلیفیں اور زمانے کے حادثے اُن کے عزم اور استقلال میں خلل انداز نہیں ہوتے۔

اس کے بعد کریٹو نے پوچھا۔ کہ آپ کے بال بچوں کی ہم کس طرح پرورش کریں؟ اُس نے کہا خدا ان کا نگہبان ہے۔ جس طرح وہ چاہیگا انہیں پالیگا۔ پھر کریٹو نے پُوچھا۔ کہ ہم لوگ آپ کو دفن کس طور سے کریں؟ کہا کہ "میری روح خدا کی بارگاہ میں تقرّب کا درجہ پائیگی۔ یہ جسم جس کی اصل خاک ہے۔ جس طرح چاہو۔ خاک میں ملا دینا۔" اُس کے تینوں لڑکوں کو جن میں سے دو بہت چھوٹے تھے لوگ اس کے سامنے لائے دو چار باتیں کر کے اُس نے انہیں رخصت کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد خدمتگاروں نے آ کر خبر دی۔ کہ زہر پینے کا وقت آ پہنچا ہے۔ فرمایا کہ زہر کا پیالہ لے آؤ اور خوشی خوشی سب پی لیا۔ یہ حال دیکھ کر داروغۂ محبس کے آنسو نکل پڑے اور جب وہ سب پی چکا۔

تو اُس کے تمام دوست اور رشتہ دار جو دیر سے اپنے رنج کو ضبط کئے بیٹھے تھے۔ دِل پر قابو نہ رکھ سکے۔ اور بے اختیار نالہ و فریاد کرنے لگے۔ اور کریٹو نے اتنا غُل مچایا۔ کہ تمام حاضرین بے تاب ہو گئے۔

اب تو دل کھول کے روتے ہیں کہ آئی سر پر
وہ مصیبت کہ بہت تھا ہمیں جس کا دھڑکا

تب سقراط نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ "اے عزیزو! یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ اور تمہاری ثابت قدمی کہاں گئی؟ میں نے عورتوں کو اسی واسطے یہاں سے رخصت کیا ہے۔ کہ وہ ایسے وقت میں صبر نہیں کر سکتیں۔ خدا کے لئے تم ذرا صبر کرو۔ اور اپنے دل میں ضبط کو جگہ دو" اس کہنے سے وہ چپ ہوئے۔ اور سقراط اِدھر اُدھر ٹہلا کیا۔ آخر کو جب زہر کا اثر بڑھا۔ اور اس کی ٹانگیں چلنے سے رہ گئیں۔ تو وہ بچھونے پر لیٹ گیا۔ پھر زہر کا اثر لحظہ بلحظہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ اور اس کے طائرِ روح نے قفسِ عنصری سے پرواز کی۔ جب دم نکل چکا۔ کریٹو نے اس کا منہ اور آنکھیں جو کھلی رہ گئی تھیں بند کر دیں ۞

افلاطون نے جو اس کی وفات کا حال لکھا ہے ایسا پُر تاثیر ہے کہ جو اسے پڑھتا ہے بے روئے اُس سے رہا نہیں جاتا۔ اس واقعہ کے

بعد افلاطون اور سقراط کے دوسرے شاگرد اپنی جان کے خوف سے ایتھنز کو چھوڑ کر اقلیدس[۵۱] کے ہاں چلے گئے - یوری پڈیز[۵۲] نے اس کے مرنے کے بعد ماتم کیا - اور ایتھنز کے باشندوں کو ایسے بے نظیر شخص کے مار ڈالنے پر نہایت لعنت ملامت کی +

تھوڑے دِنوں کے بعد جب ایتھنز والوں کے دِلوں سے توہماتِ باطل دُور ہُوئے - تو اُنہوں نے سقراط کی موت کا بڑا رنج کیا - اور چند روز تک تمام مدرسوں اور بازاروں اور کوچوں میں یہی چرچا رہا - آخر لوگ قائل ہُوئے - کہ سقراط نے ہمارے بچوں کو خوب تربیت کی - اور حب الوطنی اور نیکی اِنہیں سکھائی - مگر افسوس ! ہم نے اُن نیک خِدمتوں کا کیا بُرا عوض دِیا - اب اہل ایتھنز نے اس کے خون کا بدلہ لینے پر کمر باندھی - اور سقراط کے مُدعی اس بے گناہ کے خون کی جواب دہی کے لئے طلب ہوئے - مدرسے بند ہو گئے - اور چند روز تک تمام دُنیوی کار و بار مُعطّل رہے - آخر کو ملٹس جس نے سقراط کو ملزم ٹھیرایا تھا - قتل ہُوا - اور

[۵۱] یہ اقلیدس سقراط کا ایک شاگرد تھا - اور وہ اقلیدس جس کی کتاب تحریر اقلیدس مشہور ہے - سقراط کی وفات کے ۵ برس بعد پیدا ہوا تھا +

[۵۲] یہ سقراط کا ایک دوست اور یونان کا بڑا نامی گرامی شاعر گزرا ہے +

تمام منصفانِ عدالت جنہوں نے اس کے قتل کا فتوے دیا تھا ۔ جلا وطن کئے گئے ۔ مؤرّخ پلوٹارک کہتا ہے ۔ کہ جو لوگ ان میں سے بچ کر رہ بھی گئے ۔ اُن کا یہ حال ہُوا ۔ کہ لوگوں نے ان سے بولنا چھوڑ دیا ۔ اور انہیں ناپاک شمار کرنے لگے ۔ جس حمام میں وہ نہاتے جب تک وہ صاف نہ ہو لیتا ۔ کوئی اُس میں نہ نہاتا ۔ اسی طرح یہ لوگ زندگی سے ایسے تنگ ہُوئے ۔ کہ اُنھوں نے اپنے تئیں آپ مار ڈالا ۔ اہل ایتھنز نے صرف عوض لینے ہی پر قناعت نہیں کی ۔ بلکہ ایک مکان تعمیر کیا ۔ اور اس میں سقراط کی شکل کا ایک بُت بنا کر رکھا ۔ کہ یادگار رہے ؂

سقراط کی عمر کے بارے میں کئی قول ہیں ۔ کوئی ایک سو سال سے زاید بتاتا ہے ۔ اور کسی نے کم کہا ہے ۔ افلاطون نے اپنی ایک کتاب میں سقراط کی وہ آخری تقریر درج کی ہے جو اس نے قطع حجت کے طور پر اہل ایتھنز کو مخاطب بنا کر کی تھی ۔ اس تقریر میں خود سقراط نے کہا تھا ۔ کہ "میری عمر ستّر سال کی ہو گئی ہے" چونکہ یہ تقریر اس کی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے کی ہے ۔ لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ اور "حنین بن اسحٰق" کہتا ہے کہ سقراط اور افلاطون دونو کی عمر

تقریباً برابر ہوئی اور افلاطون اسّی سال زندہ رہا تھا۔
سقراط کی انگوٹھی پر کندہ تھا۔" جس کی نفسانی خواہش اس کی عقل کو مغلوب بنا لیگی وہ رسوا ہوگا۔" سقراط کی حکمت آمیز باتیں بے شمار ہیں کہتا ہے:-
"جس کو یہ معلوم ہو جائے کہ دُنیا فانی ہے۔ اگر اس پر بھی وہ دُنیا میں پھنس کر غیر فانی عالم (یعنی آخرت) کو بھول جائے۔ تو سخت حیرت کی جگہ ہے۔"
"چھ آدمی ہمیشہ مغموم اور متردّد رہتے ہیں۔ کینہ ور۔ حاسد۔ نیا دولتمند۔ فقر و محتاجی سے ڈرنے والا مالدار۔ طالب رُتبہ جو اپنی آرزو میں ناکام رہے اور ادب والوں کا بے ادب ہمنشین۔"
"عقل خدا کی دین سے اور علم و ہنر اپنی محنت سے حاصل ہوتا ہے۔"
"عقلمند کو لازم ہے کہ جاہل سے یوں کلام کرے جیسے کہ طبیب مریضوں سے باتیں کرتا ہے۔"
"آدمی کا کمال یہ ہے کہ دشمن تک اس پر بھروسا کرے۔ لیکن جبکہ دوست کو بھی اس پر اعتماد نہ ہو تو کمال کہاں۔"
"خوش اخلاق ہمیشہ خوش و خرّم اور قیدِ مصیبت سے آزاد رہتا ہے۔"

عورتوں کے بارے میں سقراط کی رائے دریافت کی گئی تو کہا۔ "اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کنیر کا درخت۔ دیکھنے میں خوشنما اور دلفریب۔ مگر کھاؤ تو زہر قاتل"؎

سقراط نے محض گنتی کی چند کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں۔ ایک رسالہ فلسفہ اور قانون قدرت کی تطبیق میں۔ یہ اپنے بھائیوں کے لئے لکھا تھا۔ کتاب معاقبۃ النّفس اور مقالہ دربارۂ سیاست۔ اور اخلاق و تہذیب نفس کے متعلق بھی اس نے ایک رسالہ لکھا تھا؎



افلاطُون

فلاطون اور فلاطُن بھی اس کے نام ہیں۔ رومانی قوم کا فرد۔ اور شہر ایتھنز (یونان) کا رہنے والا تھا۔ یہ طبِ یُونانی کا موجد مانا جاتا ہے علم ہندسہ کا بھی بڑا ماہر تھا۔ فن طب میں اس کی صِرف ایک کِتاب مِلتی ہے جو اس نے اپنے شاگرد "طیماوس" کے لئے تحریر کی تھی۔ فلسفہ و حِکمت کی کثیر تصانیف اس کی یادگار ہیں؎

باپ کا نام ارسطن تھا۔ جو یونان کے مشہور شریف خاندان اولادِ اسقلیبیوس سے تھا۔ افلاطون

کی ماں یونان کے نامور قانون ساز سولن کے خاندان کی لڑکی تھی *

افلاطون نے بچپن سے ابتدائے جوانی تک زباندانی اور شاعری کی تحصیل و تکمیل کی - اور ان علوم میں کمال اور شہرت حاصل کی - جوانی کے زمانہ میں دلپذیر نظم کہا کرتا اور اہل فن سے داد سخن لیتا رہتا - علم و کمال کا مذاق اس کو حکما اور علماء کی صحبت میں بھی لے جاتا تھا - حکیم سقراط کی مجلس میں اکثر حاضر ہوتا - ایک دن سقراط سے شعر و شاعری کی مذمت سنی - سقراط نے بیان کیا کہ شاعر فضول دماغ سوزی اور وقت ضایع کر کے نفسانی کمال نہیں حاصل کرتے اور اس نعمت سے محروم رہ جاتے ہیں - حکیم کی بات افلاطون کے دل میں جم گئی - اسی وقت سے شعر و سخن کے مشغلہ کو ترک کیا اور سقراط کی خدمت میں علوم حکمت کا درس لینے لگا *

افلاطون نے برابر پانچ سال سقراط کی صحبت سے فیض اٹھایا - اور جب سقراط فوت ہو گیا تو اس نے ملک مصر کا سفر کر کے وہاں فیثاغورث کے شاگردوں سے درس لیا - اس طرح علوم حکمت و ہندسہ اور ریاضی وغیرہ میں کامل ہو کر اپنے اصلی وطن شہر ایتھنز میں آیا جس کو عرب مؤرخین مدینۃ الحکماء کہتے ہیں - افلاطون نے ایتھنز میں

ایک مدرسے کی بِنا ڈالی اور علم و ہنر کے شائقین کو فیض پہنچانے میں مصروف ہُوا ؎

ایتھنز میں کچھ دن مُقیم رہ کر افلاطون نے جزیرہ سِسلی کا سفر کیا۔ مگر سِسلی کا حاکم "دیونیوسیوس" کسی وجہ سے افلاطون کے خلاف ہو گیا۔ اُس نے اس خدا پرست حکیم کو بہت اذیت پہنچائی۔ حکیم افلاطون بڑی مُشکلوں سے ظالم دیونیوسیوس کے پنجہ سے رہائی پا کر اپنے وطن شہر ایتھنز میں واپس آیا۔ اس مرتبہ افلاطون کی طبیعت کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ وہ خوش خلق، ہمدرد خلائق، مُخیّر اور رقیق القلب ہو گیا تھا۔ ہر وقت اہلِ حاجت اس کو گھیرے رہتے۔ غربا اور مساکین کی مدد کرنا اس کا سب سے محبوب کام تھا۔ دوستوں سے اچھا سلوک کیا کرتا۔ اور امیر و غریب سب سے باخلاق و تواضع مِلتا ؎

ایتھنز والوں نے ارادہ کیا کہ افلاطون کو اپنا مدار المہام سلطنت مقرر کریں۔ وہ اس کے پیچھے پڑے کہ عہدۂ امارت قبول کرے۔ لیکن افلاطون نے انکار کیا اور معافی چاہی۔ سبب یہ تھا کہ افلاطون کی رائے میں ایتھنز والے ناقابل اصلاح تھے۔ ان کی عادتیں مُدّت کی بگڑی ہونے کے باعث پختہ ہو گئی تھیں۔ اور افلاطون اُن فضول رسُوم کا مخالف تھا جو اُس کے ہموطنوں کے نزدیک ضروری

اور رکن مذہب بن گئی تھیں۔ لہذا یقینی تھا کہ افلاطون انتظام ملک کی باگ ہاتھ میں لے کر اُن کے عادات و خصائل کی اصلاح کرنا چاہتا۔ اور سب اہل وطن اس کے دشمن ہو جاتے اور جیسے اُس کے اُستاد حکیم سقراط کو قتل کیا تھا ویسے ہی افلاطون کی جان کے بھی گاہک بنتے*

افلاطون نے اکیاسی برس کی عُمر پائی۔ وُہ خوش خلق۔ نیک چلن۔ رقیق القلب۔ متحمّل مزاج۔ اور سہولیت پسند تھا۔ اس کی نصیحتیں۔ اور حکمت آمیز مقولے نہایت اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ وہ خلوت پسند تھا۔ اکثر جنگل اور میدان میں نکل جاتا۔ اکیلا بیٹھ کر مُناجات پڑھا کرتا۔ کبھی خوف خدا اور یاد اعمال سے دھاڑ مار کر روتا اور گاہے چپکے چپکے آنسو بہا کر گریبان و دامن بھگوتا۔ جب چلّا کر گریہ و زاری کرتا تو دو میل تک آواز جاتی۔ اور لوگ اسی کو سُن کر معلوم کر لیتے کہ افلاطون فلاں مقام پر ہے۔ اُس کی انگشتری کے نگین پر کندہ تھا۔ "متحرک کو ساکن بنانے کی نسبت ساکن کا متحرک کر دینا بہت سہل ہے"*

اس کا حلیہ یہ تھا۔ گندم رنگ میانہ اندام خوبصورت۔ خط بھرا ہُوا۔ ڈاڑھی خوشنما۔ گالوں پر بہت کم بال تھے۔ مزاج ٹھیرا ہُوا تھا۔ باتیں بہت آہستہ اور سنبھل سنبھل کر کیا کرتا۔ آنکھیں چمکدار سفید تھیں جن پر سُرخ ڈوروں کی پھبن بھلی معلوم دیتی۔ تھوڑی

پر ایک کالا تِل تھا۔ اور سینہ کشادہ تھا۔ افلاطون کی گفتگو کمال دلچسپ ہوتی۔ اس کی تقریر سُن کر لوگ محو ہو جایا کرتے۔ اکثر نصیحت و ہدایت اس طریقہ سے کیا کرتا کہ بات ڈھال کر کہتا۔ مثلاً اگر زید کو نصیحت کرنا منظور ہے تو عمر۔ بکر۔ خالد میں سے کسی کو مخاطب بناکر ایسی باتیں کرتا جن سے زید کی سمجھ میں آ جاتا کہ در پردہ اُسے فہمایش کی جاتی ہے +

افلاطون کے شاگرد کثیر تھے۔ مگر اُن میں سے دو آدمی اس کے جانشین ہوئے۔ ایک "کساتوقراطیس" اور یہ ایتھنز کی اکاڈیمیا (اکیڈمی) میں درس دیا کرتا۔ اور دوسرا "اُرسطو" طالیس تھا جو کہ شہر ایتھنز کے مضافات میں ایک گاؤں "ٹوقین" کے اندر ایک مدرسہ میں بیٹھ کر شائقین علم و حِکمت کو مستفید کیا کرتا تھا۔ خود افلاطون نے سقراط اور طیماوس سے علمِ حِکمت و فلسفہ حاصل کیا تھا اور اس کے خیالات اور رائیں انہی دونو حکیموں کی رایوں سے ماخوذ تھیں +

افلاطون نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ اس کی تصانیف میں خاص بات یہ پائی جاتی ہے کہ چار چار کتابیں ایک ہی علم کے سلسلہ میں لکھی گئی۔ اور اسی واسطے ہر چار کتابوں کا نام "رابوع" ہے۔ اور ان میں سے ہر اک رابوع کا سلسلہ دوسرے رابوع کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کتاب میں ایک

خاص موضوع بیان کیا گیا ہے لیکن وہ خاص موضوع بھی کسی عام موضوع کے نیچے داخل ہے ۔

اس کی حکمتیں اور نصیحتیں بہت سی ہیں ۔ ان میں سے دو چار مقولے بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔ کہتا ہے :۔

"اگر حکیم آدمیوں سے دُور بھاگتا ہے تو اس کا طلب کرنا ضروری سمجھو ۔ لیکن جبکہ وہ اور لوگوں کی تلاش میں پایا جائے تو خود اس سے دُور بھاگو" ۔

"جو شخص عزت و دولت رکھنے کی حالت میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کی مدد اور اُن کی حاجت روائی نہیں کیا کرتا ۔ تنگی اور مفلسی کے وقت میں دوست اور رشتہ دار بھی اُس کے کام نہیں آتے" ۔

"جن کی طبیعتیں بد ہیں وہ لوگوں کی بُرائیاں ہی اختیار کرتے ہیں اور ان کی خوبیوں کی پابندی سے دُور بھاگتے ہیں" ۔



ارسطو

نام و نسب :۔ ارسطاطالیس نام ۔ نقوماخس ۔ یا ۔ نیکوماخس کا فرزند تھا ۔ ارسطو اس کا معروف نام ہے ۔ اس کا باپ شاہ "امنطس" کا طبیب تھا ۔ اور امنطس اسکندر اعظم کا دادا ہے ۔ نیکوماخس کا سلسلہ

نسب حکیم اسقلیبوس سے ملتا تھا اور اس کی بی بی یعنی ارسطو کی والدہ افسطیا بھی اسی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس طرح حکیم ارسطو نہایت نجیب الطرفین ہے۔

ولادت و تربیت:۔ ملک یونان کے علاقۂ تھریس میں ایک بستی "اسطاغیرا" ہے۔ وہیں ۳۸۴ء قبل مسیح ارسطو کی ولادت ہوئی۔ اور سات سال کی عمر تک ماں باپ کے آغوش مرحمت میں پلتا رہا۔

ابتدائی تعلیم:۔ آٹھویں سال میں قدم رکھتے ہی نیکو ماخس کو ہونہار بیٹے کی تعلیم کا خیال ہوا۔ اس وقت ملک یونان میں مدینۃ الحکماء ایتھنز ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں صاحب کمال عالموں اور حکیموں کا جمگھٹ رہا کرتا تھا۔ نیکوماخس وہاں آ رہا اور ارسطو کو زباندانی۔ فصاحت و بلاغت اور نظم و نثر ادب کی تعلیم مختلف نامور اُستادوں سے دلوائی۔ نو سال کے قلیل عرصہ میں ارسطو نے ان فنوں میں پوری مہارت بہم پہنچالی۔ اور اب فلسفہ و حکمت کا قدرتی شوق اسے حکیم افلاطون الٰہی کی خدمت میں لے گیا۔ جس وقت وہ افلاطون کے حلقۂ درس میں شامل ہوا ہے اُس وقت اس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اور بیس سال کامل اس نے افلاطون کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ خدا داد طبیعت اور ذہن رسا نے استاد کی نظر عنایت اس کے حال پر مبذول کر دی۔ حکیم افلاطون بڑی توجہ سے ارسطو کو حکمت کے مسائل اور اسرار طبیعیات

بتایا کرتا تھا۔ اِس مُدّت میں ارسطو نے علوم اخلاق۔ تہذیبِ نفس۔ سیاست مدن۔ طبیعیات۔ اِلہیات۔ اور ریاضیات کی تحصیل پُوری کرلی۔ حکیم افلاطون کا معمول تھا کہ وہ بغیر ارسطو کی موجودگی کے کبھی باریک علمی مسائل پر تقریر نہ کیا کرتا۔ وہ حاضر نہ ہوتا تو بُلوا بھیجتا۔ افلاطون دوسری مرتبہ جزیرۂ سِسلی کو گیا تو اس کی جگہ اکاڈیمی میں ارسطو ہی درس دیا کرتا تھا +

افلاطون کی سِسلی سے واپسی پر ارسطو نے اپنا دُوسرا مدرسہ مقام لوقیون میں قائم کیا۔ اور یہ مدرسہ مشائی حکماء کا مرکز بنا۔ افلاطون کی زندگی تک ارسطو نے اس کی صحبت نہیں چھوڑی۔ مگر جس وقت افلاطون کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ارسطو نے امیر ارمیاس کی ملازمت کرلی۔ یہ امیر مقام اترنوس کا فرمانروا اور پہلے ایک معمولی غلام تھا۔ ذاتی جوہر اور لیاقت کے ذریعہ سے مرتبۂ حکومت پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی زندگی تک حکیم ارسطو کو نہیں چھوڑا اور اس کی ہر طرح خاطر و مدارات کی۔ لیکن جب آرمیاس فوت ہو گیا تو ارسطو ایتھنز میں واپس چلا آیا +

چونکہ ارسطو کی دانائی اور حکمت کا شہرہ یونان کے ہر گوشہ میں پھیل گیا تھا۔ اس لئے مقدونیہ کے فرماں روا شاہ فلپس نے اس کو بڑے اکرام سے طلب فرما کر اپنے ہونہار فرزند اسکندر اعظم کا اُستاد و اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے شاگرد کو

ذہین اور طبّاع پایا - اس لئے بڑی محنت سے اسے علوم فلسفہ و طبیعیات و ریاضیات میں ماہر بنایا - سیاست مدن کی عمدہ تعلیم دی - تہذیب و اخلاق کا درس دیا - اور اُس کو ایسا ذی لیاقت بنا دیا - کہ شاہ فلپس نے فرزند کی دانائی اور علمی استعداد کا تکملہ ہونے پر حکیم ارسطو کو انعام و اکرام سے مالامال کر دیا - خود سکندر اعظم اپنے بزرگ استاد کی بہت کچھ خاطرداری کیا کرتا تھا - وہ اس کو اپنے پاس سے جُدا نہ ہونے دیتا - تمام سلطنت و حکومت کے اہم معاملات میں اسی کے مشورہ پر چلتا اور اسی وجہ سے اس نے اپنی مختصر سلطنت کو بہت جلد ایک زبردست طاقت بنا لیا - مالی و مُلکی انتظامات درست کئے - فوجی قوت بڑھائی - اور جب باپ کے بعد اسکندر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو فتح و تسخیرِ عالم ترنگ اُسے مشرقی مُلکوں پر حملہ آور ہونے کی محرّک ہوئی +

ارسطو اسکندر کے مصر و شام کی طرف جانے پر اپنے وطن چلا آیا - مقدونیا میں اس نے جو درسگاہ قائم کر رکھی تھی وہاں اپنے ایک لائق شاگرد تھلستانس کو خلیفہ مقرر کر دیا - ایتھنز واپس آ کر ارسطو دس سال لوقیون میں مقیم رہا - لیکن وہ بتوں کی تعظیم اور پوجا نہیں کرتا تھا - ایک یونانی کاہن "اوروماذن" نامی ارسطو کا دشمن تھا - اس نے ایتھنز کے بُت پرستوں کو ارسطو کے خلاف بھڑکایا - ان سے

کہا کہ یہ حکیم کافر و ملحد ہے۔ دیوتاؤں کی عزت اور پرستش نہیں کرتا۔ بلکہ اسے بُرا بتاتا ہے۔ یہ بات ارسطو کو بھی معلوم ہو گئی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اسی الزام میں ایتھنز کے ظالم کفار اور مشرک سقراط جیسے نامور حکیم کی جان لے چکے ہیں اس لئے وہ اپنے انجام سے ڈرا اور ایتھنز کا قیام ترک کر کے اپنے اصلی وطن استاغیرا میں چلا گیا۔ اہل ایتھنز میں سے کسی کو ہمّت نہ ہوئی کہ اسے روکتے یا اس سے بد سلوکی کرتے +

علمی کارنامے:۔ ارسطو کے علمی کارنامے بہت ہیں۔ وہ فن منطق کا بانی اور موجد ہے۔ معلّمِ اوّل کا ممتاز لقب اسی اعتبار سے اس کو ملا تھا۔ اسکندر اعظم سے اس نے یہ تحریک کی کہ یورپ اور ایشیا کے بر اعظموں سے مختلف اقسام حیوانات کے نمونے جمع کرائے۔ اس حکم کی تعمیل ہو چکی تو ارسطو نے وہ سب جانور ایتھنز میں منگا لئے اور ان کو اچھّی طرح جانچا۔ ان کے جسمانی اعضاء کی بناوٹ۔ اور افعال کی تحقیق کر کے ان کی قسمیں اور درجے قرار دیئے۔ اس کو علم حیوانات کا موجد کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ یورپ میں آج تک اس کی تحقیقات کے اکثر مسائل بدستور رائج ہیں۔ ارسطو نے یہ بات بھی دریافت کی کہ ادنٰے درجہ کے نباتات سے اعلٰے درجہ کے حیوانات تک سب میں

ایک طرح کا تعلق اور سلسلہ پایا جاتا ہے - اور ان کی انواع میں ایک دوسرے کی نسبت جو اختلاف ہے وہ بہت خفیف ہے +

نباتات - اور حیوانات کی ابتداء اور انتہا معلوم کرنا مشکل ہے - کیونکہ بعض نباتات ایسی پائی جاتی ہیں - جو حیوانات کی ہم شکل اور ان سے رلتی مجلتی ہیں - اور ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کو نباتات کی حد میں رکھیں یا حیوانات کے طبقہ میں داخل کر دیں - اس لئے دونو انواع کے مابین ایک برزخ ماننا پڑتا ہے - یعنی کچھ چیزوں کا ایک الگ طبقہ بنایا جاتا ہے جو حیوانات اور نباتات دونو طبقوں کی بعض بعض حالتیں رکھتی ہیں +

ارسطو نے یہ بھی دریافت کیا کہ نباتات کی زندگی حیوانات کی زندگی سے نسبتاً ادنےٰ درجہ کی کمزور اور سادہ ہے - اگر ایک پودے کو کاٹ کر اسے بیچ سے دو ٹکڑے کر دیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ اس کے متفرق ٹکڑے پھر بڑھنے لگتے ہیں - اور یہ بات صاف طور پر بتاتی ہے کہ پودے کے اجزاء اور اعضاء بہت سادہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی اعانت کے زیادہ محتاج نہیں - لیکن حیوانات کی حالت اس کے خلاف ہے - کیونکہ کسی جانور کو لیکر اس کے بیچ سے دو ٹکڑے کر دو - یا کئی حصے کر ڈالو تو اس کا تمام جسم بیجان اور فنا ہو جاتا ہے -

اور اُس کے جسم کا کوئی کٹا ہوا عضو بدن سے علیحدگی کے بعد ہی مُردار و بیجان ہو کر خراب ہو جاتا ہے ۔

ارسطو نے اپنے پیشرو ہیئت دانوں کے اقوال کا باہم موازنہ اور مقابلہ کیا ۔ اور ان کی تحقیقات جانچ کر سب سے پہلے زمین کا گول ہونا دریافت کر لیا ۔ اس نے ستارۂ مریخ کا ایک گرہن بھی دیکھا جو چاند کے ذریعے سے لگا تھا ۔ وہ علم سیاست مدن میں بڑا ماہر تھا ۔ اس کی کتاب "السیاست" بڑی اعلےٰ پایہ کی کتاب ہے ۔ یہ کتاب اس نے اپنے لائق شاگرد اسکندر اعظم کے لئے تحریر کی تھی۔ اسکندر کو مشرقی ممالک فتح کرنے کے دوران میں بعض پولیٹکل پیچیدگیوں کا سامنا ہُوا ۔ اس نے ایسے موقع پر ارسطو کے مشورہ کی ضرورت محسوس کی اور اسے ایک خط لکھا کہ وہ اس کے پاس چلا آئے ۔ ارسطو نے جواب میں بڑھاپے کی کمزوری کے باعث سفر کی تکلیف نہ اُٹھا سکنے کا عذر لکھا ۔ اور یہ کتاب بھیج دی ۔ مطلب یہ تھا کہ جہاں میرے مشورہ کی ضرورت پڑے وہاں اس کتاب سے مدد لینا ۔ مشکل آسان ہو جائیگی ۔

اس کتاب میں عدل و انصاف اور رعایا پر مہربانی کی بیحد تاکید کی گئی ہے ۔ عہد شکنی سے منع کیا ہے ۔ رعایا کی تعلیم میں سعی کرنے پر آمادہ

بنایا ہے۔ علماء کی قدر و منزلت کو باعث فروغ حکومت قرار دیا ہے۔ غیر معتبر آدمی کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانے کی ممانعت ہے۔ اور تمام باتوں کا نچوڑ اس مثمن دائرہ میں جمع کیا ہے :-

دُنیا ایک باغ ہے اور اسکی چار دیواری ہے حکومت
حکومت ایک طاقت ہے جس کا محافظ قانون ہے
عدل الفت ہے اور اسی کے ذریعہ سے دنیا کی اصلاح ہوتی ہے

ارسطو کے حکمت آمیز اقوال بے شمار ہیں۔ ان میں سے دو ایک نمونہ کے طور پر اس مختصر میں درج کئے جاتے ہیں۔ کہتا ہے :-

"ہر شخص میں کچھ نہ کچھ بُرائیاں اور خوبیاں

ضرور ہوتی ہیں۔ کسی شخص کی بُرائی تم کو اُس کی خوبیوں سے فائدہ حاصل کرنے میں مانع نہ ہونی چاہیئے۔ اور کسی شخص کی خوبیاں تم کو اس سے اس طرح کی باتوں میں مدد لینے کی رغبت نہ دِلائیں جن میں وہ تُمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتا"+

"اپنے نفس کی خود اصلاح کرو۔ لوگ تمہاری آپ ہی پیروی کرینگے"+

"حق کے پیرو کو صدمہ اور دین کے پابند کو ضرر نہیں پہنچتا"+

"قانون کی پابندی اعلےٰ درجہ کی راستبازی ہے"+

"غفلت کا نتیجہ ندامت ہے"+

"اپنے ساتھیوں پر جبر کرنا موجب ذِلّت ہے"+

"جو دُنیا کی محبّت میں حد سے بڑھا وہ فقیر مریگا اور قانع آدمی غنی ہو کر مریگا"+

"جاہل خود اپنا دشمن ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کا دوست کیونکر بن سکیگا"+

اخلاق و عادات:۔ ارسطو نہایت خوش خُلق۔ ہنس مُکھ۔ متواضع۔ اور نیک دِل تھا۔ بڑوں کا ادب کرتا۔ چھوٹوں سے بمحبّت پیش آتا۔ دوستوں سے اچھا سلوک کیا کرتا۔ مُصیبت کے وقت ان کی مخلصانہ مدد کرنا اس کا معمول تھا۔ غریبوں اور محتاج مسکینوں کی خبر گیری اور اعانت۔ یتیموں کی پرورش۔ غریب کنواری لڑکیوں کے نکاح کی فکر اور اس کا سامان

کیا کرتا ۔ ملک یونان کے تمام بادشاہ اور امیر اس کی عزت کرتے اور تحائف اور زر نقد اس کے لئے بھیجتے رہتے تھے ۔ اس واسطے وہ بڑی فراخی اور فیاضی کے ساتھ اپنی گزر اوقات کیا کرتا اور نہایت امیرانہ شان و شکوہ سے رہتا تھا ۔ وہ اپنے اہل وطن میں بیحد ہر دل عزیز تھا ۔ اس کی دولت عام رفاہ کے کاموں اور خیرات کے نیک مصرف میں خرچ ہوتی تھی ۔ تمام ملک اس کے احسان سے حصہ پاتا تھا +

اہل ایتھنز نے اس کی ممنونیت کے اظہار اور شکر گزاری کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک پتھر کی لاٹ پر اس کی تعریف اور احسانات کا حال لکھکر شہر کے وسط میں منظر عام پر وہ لاٹ نصب کر دی ۔ یہ لاٹ ایک اونچے برج پر قائم تھی ۔ جس کو تمام شہر دیکھ سکتا تھا ۔ مگر اچھوں میں بُرے لوگ بھی ضرور ہی ہوتے ہیں ۔ اس لئے ایک شریر شخص جس کا نام "ایاراوس" تھا قوم کی اس کارروائی سے جل گیا اور اس نے موقع پاکر وہ لاٹ برج پر سے اُکھاڑ کے نیچے گرا دی اور توڑ ڈالی ۔ ایتھنز والے "ایاراوس" کی اس بیجا حرکت پر سخت برہم ہوئے اور ایک آدمی "انطینیوس" نامی اُس کے درپے قتل بن گیا ۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر اسے مار بھی ڈالا ۔ اس کے بعد ایتھنز کا ایک رہنے والا "اصطفانوس" نامی بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال

بنا کر ارسطو کی یادگار قائم کرنے میں کوشاں ہوا۔ اور اس نے پہلے کی طرح ایک پتھر کی لاٹ پر وہی سابقہ عبارت مع "ایاراوس" کی شرارت کے حال کے لکھی۔ اور اس پر تمام اہل ایتھنز کی لعنت ڈالی۔ یہ لاٹ بھی اُسی برج پر قائم کی گئی۔ جس پر پہلی لاٹ نصب ہوئی تھی +

ارسطو نے ۸۶ برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ اس کے شاگردوں میں بڑے بڑے شہزادے اور امیروں کے بیٹے شامل تھے۔ ارسطو کے نامور شاگرد جنھوں نے استاد کا نام روشن کیا یہ تھے "ثاوفرسطس" "اوزیموس" "اسکندر اعظم فاتح عالم" "ارمینوس" اور "اسخولوس" یہ سب شریف النسب اور عالی خاندان تھے۔ ارسطو کے بعد اُس کے علوم کا وارث اور اس کی مسند درس کا جانشین "ثاوفرسطس" قرار پایا۔ یہ ارسطو کا خالہ زاد بھائی تھا۔ "ارمینوس" اور "اسخولوس" دونو زبردست حکیم اور "ثاوفرسطس" کے دست و بازو تھے۔ ان لوگوں نے منطق و حکمت میں کئی کتابیں خود تصنیف کیں اور اپنے استاد کا نام زندہ کیا +

ارسطو نے ایک خُرد سال لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام "نیقوماخس" تھا۔ وہ بہت کچھ مال و دولت زمین و جائداد۔ لونڈی غلام۔ اور سامان خانہ داری اپنے ترکہ میں چھوڑ گیا تھا+ ارسطو دراز قامت تھا۔ رنگت سفید تھی۔ ڈاڑھی

گھنی۔ اور خوبصورت ۔ آنکھیں چمکدار سیاہ مگر کسی قدر چھوٹی تھیں ۔ دہانہ تنگ ۔ اور سینہ چوڑا ۔ تھا ۔ اکیلا ہوتا تو بہت تیزی کے ساتھ چلتا ۔ اور دوستوں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا کرتا ۔ مطالعہ اور علمی بحث سے کوئی وقت خالی نہ چھوڑتا ۔ اس کو دریا اور باغ کی سیر کا بہت شوق تھا ۔ خوش آوازی کو بھی پسند کرتا ۔ علمی بحث اور عام گفتگو میں اصول انصاف کا پابند رہتا ۔ اپنی غلطی بہت خوشی سے مان لیا کرتا ۔ اور کھانے پینے میں اعتدال کا بہت لحاظ رکھتا تھا +

ابو نصر فارابی

نام و نسب :۔ ابو نصر کنیت ۔ محمدؐ بن محمدؐ "اوزلغ" بن طرخان نام ۔ ملک بخارا کے شہر "فاراب" کا باشندہ اور نسل کے اعتبار سے فارسی تھا ۔ فاراب میں ترکوں کی آبادی زاید تھی اسی لئے وہ ترکوں کی بستی شمار ہوتا تھا ۔ محمدؐ بن اوزلغ ابو نصر کا باپ فوج میں افسر تھا +

ولادت :۔ ابو نصر کی ولادت کا ٹھیک زمانہ اور اس کی عمر کا کسی تاریخ سے پتا نہیں ملتا ۔ اندازہ یہ ہے کہ نویں صدی عیسوی اور تیسری

صدی ہجری کے آخری حصہ میں پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ
اس کا سال وفات ۳۳۹ ہجری مطابق ۹۵۰ء معلوم
ہُوا ہے اور قیاس ہے کہ اس نے ساٹھ ستّر
سال سے کم عمر نہ پائی ہوگی۔ چونکہ جس زمانہ
میں یہ عالی مرتبہ حکیم پیدا ہوا اُس وقت فن تاریخ
نویسی اپنے ابتدائی دور میں تھا لہذا نہ صرف ابونصر
کے بلکہ اکثر زبردست عالموں اور حکیموں کے ابتدائی
حالات قطعاً معلوم نہیں ہو سکتے ﴿

تعلیم و تربیت :- ایک سپاہی کا لڑکا جس قسم
کی تعلیم پا سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اور پھر ایسے
زمانہ میں جبکہ سپہگری اور شمشیر زنی بہت کچھ عزت
یا حرمت کی موجب تھی۔ مگر قیاس یہ ہے کہ بچپن
میں اس کو لکھنے پڑھنے کی ابتدائی تعلیم اچھی رہی
تھی۔ خواہ ماں باپ نے عمدہ تعلیم و تربیت دلائی
ہو یا نہ دلائی ہو۔ قدرتاً اسے علم کا شوق تھا۔
اور خدا نے دماغ صحیح کے ساتھ ذہن و حافظہ کی
بھی خاص طاقت اسے مرحمت کی تھی۔ اور وہ اپنی
مادری زبان کے علاوہ کئی دیگر زبانیں جانتا تھا۔
ہاں عربی سے جو اس عہد کی درسی اور علمی
زبان تھی ناواقف تھا۔ اور اسی بنا پر ہم کہ سکتے
ہیں کہ والدین نے جو تعلیم اس کو دلائی وہ اعلےٰ
تعلیم کی بنیاد نہ تھی ﴿

بہرحال طبعی شوق کا جذبہ اس کو گھر سے نکال

کر طلب علم کے لئے سفر پر لے چلا - ابو نصر مختلف شہروں میں گھومتا پھرتا - دار السلام بغداد میں وارد ہوا - جو اُس وقت ایشیا میں سب سے بڑا علمی مرکز اور قبلۂ علوم تھا - یہاں اس نے عربی زبان سیکھنی شروع کی - اور فکر معاش کے لئے ایک ادنےٰ ملازمت کر لی - وہ شہر بغداد میں کسی شاہی باغ کے اندر کام کیا کرتا تھا - کسی نے محافظ کی خدمت پر مامور بتایا ہے - اور کوئی باغبان کہتا ہے خیر کچھ بھی رہا ہو - وہ اس زمانہ میں راتوں کو عربی علم ادب اور زباندانی کی کتابیں دیکھا کرتا تھا - اور باغ کے چوکیداروں کی لالٹینیں اس کا شوق مطالعہ پُورا کرنے میں بہت کچھ مدد دیا کرتی تھیں - رفتہ رفتہ اس نے عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی - اور ابی بشر متی بن یونان سے علم منطق کی تحصیل آغاز کی - ابی بشر کے حلقۂ درس میں بڑے بڑے نامی گرامی فاضل طالب علم شریک ہُوا کرتے تھے - اس کی علمی تقریر حد درجہ کی برجستہ اور شُستہ ہوتی تھی - باریک سے باریک اور کٹھن علمی مسائل وہ ایسے سہل الفاظ کے ذریعے طالب علم کے دل و دماغ میں اُتار دیتا تھا کہ باید و شاید - ابو نصر کی تصانیف میں جو دلنشین عبارت اور سلیس طرز بیان پایا جاتا ہے وہ اسی استاد کے فیض کا کرشمہ ہے - کچھ عرصہ تک ابی بشر سے تعلیم حاصل

کر کے ابو نصر نے خراسان کا سفر کیا اور وہاں حکیم ارسطو کی کتاب "البرہان" یوحنّا بن جیلان سے پڑھی اور پوری پڑھی +

ابو نصر نے فلسفہ کی جو تاریخ بیان کی ہے بلحاظ افادہ اور دلچسپی کے ہم اُس کا اقتباس ذیل میں کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ اُس کا قول ہے کہ "فلسفہ در اصل یونانی لفظ "فلاسفی" کا معرب ہے۔ کلمۂ "فلاسفی" "فیلا" اور "سوفیا" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ "فیلا" کے معنے ہیں زیادتی۔ اور "سوفیا" کے معنے حکمت۔ لفظ "فیلسوف" اِسی "فلاسفی" سے مشتق ہے۔ اس کا اصل یونانی تلفظ "فیلسوفوس" تھا۔ عربی لب و لہجہ نے اس کی صورت بدل کر "فیلسوف" بنا لیا۔ اور اس کے معنے ہیں بہت زیادہ صاحبِ حکمت۔ یہ لقب محض اسی شخص کو ملتا ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد علم و حکمت کی خدمت اور اس کی ترقی کی کوشش ٹھیرا لیا ہو +

حکیم ارسطو کی وفات کے بعد فلسفہ کی ترقی اور تعلیم ملک مصر کے شہر اسکندریہ میں قائم ہوئی۔ عرصۂ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس زمانہ میں وہاں حکمت و فلسفہ کے بارہ نامور معلم پیدا ہوئے۔ جن میں آخری معلم "اندرونیقوس" بہت مشہور و معروف آدمی ہوا۔ "اندرونیقوس" کے وقت

ہیں اسکندریہ کی فرمانروا ایک ملکہ تھی جسے روما کے نامور قیصر "آگسٹس" نے مغلوب اور قتل کیا۔ اور شہر اسکندریہ پر تسلط کر کے قیصر نے وہاں کے بے مثل کتب خانہ کا معائنہ فرمایا۔ اس نے وہاں حکیم ارسطو کی چند کتابیں دیکھیں جو خاص اسی حکیم کے زمانے میں لکھی گئی تھیں۔ یا۔ ان میں سے بعض کتابوں کے لکھنے اور نقل کرنے کا زمانہ شہنشاہ "ثاوفرسطس" کا عہد حکومت تھا۔ دوسرے حکیموں اور فیلسوفوں کی بھی بہت سی کتابیں حکیم ارسطو ہی کے موضوع حکمت پر اس کی نظر سے گزریں۔ اور اُن کتابوں کو دیکھ کر قیصر "آگسٹس" نے حکم صادر کیا کہ "جس قدر کتابیں خاص حکیم ارسطو یا اُس کے شاگردوں کے وقت کی لکھی ہوئی ہیں اُن کی نئی نقلیں تیار ہوں" قیصر مذکور کے حکم کی تعمیل ہو چکی تو وہ نقل شدہ کتابوں میں سے بعض نسخے اپنے ساتھ شہر رُومتہ الکبریٰ کو لے گیا اور چند باقی نسخہ جات اسکندریہ کے دار العلوم میں رکھے گئے۔ ان کتابوں میں سے جو دار العلوم اسکندریہ میں رہیں۔ علم و حکمت کے شائقین اُن سے نفع اُٹھاتے رہے اور یہ دار العلم عرصۂ دراز تک رونق پر رہا۔ کتابوں کی نقل کا کام "اندرونیقوس" کی نگرانی میں ہوا تھا۔ اور جب اس کام سے فراغت ہو چکی تو "آگسٹس" قیصر نے "اندرونیقوس" کو ہدایت کی

کہ وہ دار العلم اسکندریہ میں اپنے کسی لائق شاگرد کو مدرس مقرر کر دے اور خود اس کے ساتھ رومتہ الکبرےٰ چلے اور وہاں درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کرے ۔

آگسٹس قیصر کی قدردانی اور علم دوستی کے باعث شہر رومتہ الکبرےٰ بھی طالبانِ علوم کا قبلۂ مقصود بن گیا ۔ اور جس وقت تک سلطنت رومانی کے تخت پر بت پرست قیصر جلوس کرتے رہے ۔ اس وقت تک یہ چشمۂ فیض خوب جاری رہا ۔ لیکن قیاصرۂ روم کے عیسوی مذہب قبول کرتے ہی اساقفہ اور رُوحانی پیشوایانِ دین نے فلسفہ کی تعلیم خلافِ شرع قرار دے کر رومتہ الکبرےٰ کا دار العلم بند کرا دیا ۔ اب صرف اسکندریہ میں فلسفہ کی تعلیم جاری رہی ۔ لیکن وہ بھی ایک خاص حد تک محدود کر دی گئی ۔ یعنی مقدس حضرات کے حسب الحکم صرف "اشکالِ وجودیہ" تک منطق کی تعلیم رہ گئی ۔ اور اس سے آگے کچھ پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار پایا ۔ اور یہ حصّہ علم منطق کا درس میں اس لئے رکھا گیا کہ وہ اشاعت دین میں مدد دیتا تھا ۔

الغرض مذکورہ بالا زمانہ سے ظہور اسلام کے وقت تک منطق کا اتنا ہی حصہ پڑھا اور پڑھایا جاتا رہا ۔ اور اسلام کے وجود کے بعد منطق و فلسفہ کی تعلیم کا مرکز اسکندریہ سے ملک فلسطین کے شہر انطاکیہ میں منتقل ہو آیا ۔ انطاکیہ مشرقی رومی شہنشاہوں کا

پایہ تخت اور علم و ہنر کا گھر بنا۔ اور عرصہ تک علم و فن کی وہاں گرم بازاری رہی۔ مگر آخر کار وہاں بھی صرف ایک معلم رہ گیا جس سے دو شخصوں نے یہ علم حاصل کیا۔ اور وہ دونو تحصیل علم کے بعد کتابوں کا ذخیرہ ساتھ لے کر "انطاکیہ" سے اپنے اصلی ملکوں کو چلے گئے۔ ان میں سے ایک ملک شام کے مقام "حران" کا رہنے والا تھا۔ اور دوسرا خراسان کے صدر مقام شہر "مرو" کا باشندہ تھا۔ "مرو" کے فیلسوف سے دو آدمی "ابراہیم مروزی" اور "یوحنا بن جیلان" مستفید ہوئے۔ اور "حران" کے فلاسفر سے "سرائیل اسقف" اور "قویری" نامی دو آدمیوں نے فلسفہ و حکمت کی تحصیل کی۔ فیلسوف "مرو" کے دونو شاگردوں میں سے "یوحنا بن جیلان" منطق و فلسفہ کی خدمت چھوڑ کر دینی خدمت ادا کرنے میں مصروف ہوا۔ اور "ابراہیم مروزی" نے شہر بغداد میں حلقۂ درس قائم کیا۔ جس سے "متی بن یونان" ایک لائق عالم اور فیلسوف نکلا ٭

مگر ان سب علماء کے زمانہ میں منطق کی تعلیم "اشکال وجودیہ" ہی تک جاری رہی۔ اس کے بعد کے مسائل درس سے خارج اور ما بعد الاشکال الوجودیہ" کے نام سے موسوم رہے۔ البتہ جب منطق و فلسفہ کی تعلیم کا سررشتہ مسلمان علماء اور حکماء کے ہاتھ میں آیا وہ اس متروک حصہ کو بھی پڑھنے اور پڑھانے

لگے - مگر یہ بات طالب علم کی استعداد پر منحصر رہی کہ وہ کل حصّہ پڑھے یا اپنی خواہش اور فہم کے مطابق اس کا کوئی جُزء - چنانچہ ابو نصر نے وہ کل حصّہ منطق و فلسفہ کا پڑھا تھا جو مُدت ہائے دراز سے خارج از درس قرار دے دیا گیا تھا ؂

ابو نصر فارابی کی طالب علمی کا زمانہ خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کے عہد حکومت سے مطابق تھا - وہ اپنے وقت میں تمام مسلمان حکیموں اور فیلسوفوں پر سبقت لے گیا - اور اپنے زمانے کا یکتا اور بے مثل محقق ہوا - اس نے علم منطق کے پیچیدہ اور مشکل مسائل بڑی عمدگی کے ساتھ حل کئے اور اس فن کو عام لوگوں کی سمجھ کے قابل بنانے میں پوری کوشش سے کام لیا - اس نے منطق کے مسائل سلیس عبارت کے قالب میں ڈھالے اور "کندی" وغیرہ عہد اسلام کے حکیموں سے جو باتیں چھوٹ گئی تھیں ان کا تکملہ کیا - چنانچہ اس کی تصنیف کی ہوئی کتابیں نہایت صحیح اور صاف طور سے سمجھ میں آتی ہیں - یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ حکیم ارسطو کے فلسفہ کو اصلی مفہوم میں سب سے پہلے ابو نصر ہی نے سمجھا اور پھر اس کو اس قابل بنا دیا کہ دوسرے لوگ بھی اسے سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھا سکیں - اسی وجہ سے اہل منطق اسے معلم ثانی کہتے ہیں اور اِس کی

تحقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں *

طالب علمی کا زمانہ ختم کر کے ابو نصر نے خود درس کا مشغلہ شروع کیا - طلبا کا اس کی طرف رجوع ہوا - اور تصنیفات کا سلسلہ چلا - تو اُس کی شہرت نے بھی پر پرواز کھولے - اور اب اس کی رسائی دربار شاہی تک ہوئی - جس وقت وہ دار الخلافہ بغداد سے شہر "حلب" کو گیا ہے - اس کے نام کی کافی شہرت ہو چکی تھی - "امیر سیف الدولہ حمدانی" نے فارابی کی بہت کچھ قدر و منزلت کی اور معقول وظیفہ مقرر کر کے اپنے دربار میں رکھا - لیکن فارابی کو دُنیاوی شان و شوکت سے دلی نفرت تھی - اپنی ضرورتوں کے لئے چار درم روزانہ وظیفہ کی رقم سے لے لیتا اور اسی میں اپنی گزر کرتا - گھر اور سامان خانہ داری سے اس کو کچھ بھی سروکار نہ تھا - نہ یہ خیال تھا کہ لباس عمدہ اور صاف ہو - میلے کچیلے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے علم و کمال کی دُھن میں لگا رہتا - اور اسی میں دِلی مسرت پاتا - سیر و سیاحت سے بہت ذوق تھا گویا یہ شعر اسی کے حسب حال ہے ؎

درویش رواں رہے تو بہتر
آب دریا بہے تو بہتر

اور علمی مسائل پر غور و خوض - یا تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھنے کے لئے کنارۂ آب رواں پر یا

کسی دلکش و پُر فضا باغ و مرغزار میں رہنا اس کو بہت پسند خاطر تھا ۔

فنِ موسیقی میں بھی صاحب کمال تھا۔ "تاریخ الحکماء" کے مؤلف نے اس کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "صاحب بن عباد" ایک علم دوست امیر "ابو نصر" سے ملنے کا نہایت مشتاق تھا۔ اس نے سینکڑوں تدبیریں کیں کہ کسی طرح ابو نصر اس کے پاس آ جائے۔ ایک دن وہ مجلس عیش میں بیٹھا تھا۔ ابو نصر بھی وہاں آیا۔ مگر اس طرح کہ نہایت شکستہ حالت میں میلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے۔ سر پر چیتھڑے لپیٹے۔ اور صورت عجیب و غریب۔ اہل محفل دربانوں پر برہم ہوئے کہ اس شخص کو یہاں کیوں داخل ہونے دیا۔ اور ابو نصر سے چھیڑ خانی کرنے اور اسے بنانے لگے۔ ابو نصر نے ایک باجا اپنی بغل سے نکال کر بجانا شروع کیا۔ سب محفل والے اس ساز کی صدا سُن کر ہنس پڑے۔ پھر ابو نصر نے پردہ بدل کر بجایا تو وہ رونے لگے۔ اور تیسرا پردہ بدلنے کے بعد تمام مجلس غافل و مدہوش ہو گئی۔ ابو نصر نے ایک باجے پر اپنا نام لکھا اور تحریر کیا کہ "تم کو ابو نصر کا اشتیاق تھا۔ وہ آیا تو تم نے اُس کی ہنسی اڑائی۔ اب ابو نصر تم کو ہنسا، رُلا، اور سُلا کر جاتا ہے" پھر مجلس سے نکل اور لباس تبدیل کر کے سیدھا بغداد کی طرف روانہ ہو گیا ۔

اہل محفل دیر تک بے ہوش پڑے رہے۔ اور ہوش میں آئے تو صاحب کمال بربط نواز کو نہ دیکھا۔ اس کا ہنر یاد کرکے غمگین ہوئے۔ مطرب سے کچھ گانے بجانے کی فرمائش کی تاکہ یونہی غم غلط ہو۔ گانے والے نے ساز اُٹھایا تو اُس پر کچھ لکھا ہوا پایا۔ پڑھنے سے اصلی راز کھلا "صاحب بن عبادہ" نے سر پیٹ لیا اور اپنی بدنصیبی پر سخت نادم ہوا۔ اسی وقت حکیم کی تلاش میں آدمی دوڑائے۔ مگر وہ کہاں ملتا تھا ؛

ابونصر کی تصانیف سوا سو کے قریب ہیں۔ ان میں ضخیم اور کئی کئی جلدوں کی کتابوں سے لے کر چھوٹے رسائل تک سب شامل ہیں۔ مگر اکثر کتابیں نایاب اور گم ہو گئیں۔ چند گنتی کی کچھ اصل عربی زبان میں، اور بعض کا عبرانی ترجمہ، پایا جاتا ہے۔ اس کو حکیم ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ کرنے اور سمجھنے میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ ارسطو کی کتاب "اور غانون" یعنی "تنظیم المنطق" کا اس نے اتنا پیارا ترجمہ کیا ہے کہ وہ کتاب بالکل حل کر کے رکھ دی ہے ؛

اس کا قاعدہ تھا کہ ترجمہ لفظی نہیں کرتا تھا۔ بلکہ معنوی۔ یعنی اصل کتاب کے صحیح مفہوم کو اپنے لفظوں میں اس خوبی کے ساتھ ادا کر دیتا کہ گویا خود اپنا ہی خیال ظاہر کر رہا ہے۔ منطق اور فلسفۂ عقلی میں فارابی کو حجت اور امام فن مانا جاتا ہے ؛

اس کی ایک نادر کتاب جس میں علموں کا شمار

دیا اور اُن کی تعریف اور موضوع کا ذکر کیا ہے ۔ نہایت مُفید اور قابل قدر ہے ۔ اس قسم کی تصنیف کا وہی موجد ہے ۔ اس سے پہلے کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی تھی ۔ اب اس کتاب کا صرف ایک نسخہ اسکیوریال (واقع اسپین) کے کتب خانہ میں ہے اور کہیں نہیں ؞

کتاب "آراء المدینۃ الفاضلہ" سیاست مدن اور آداب معاشرت و اخلاق وغیرہ میں اس کی بے نظیر تصنیف ہے ۔ ۱۸۹۵ء میں یہ کتاب بمقام شہر "لیڈن" (ہالینڈ) میں طبع ہوئی ۔ اور اب مصر میں بھی چھپ گئی ہے ۔ اس کے رسالۂ فن موسیقی کے چند حصّے بھی ہالینڈ کے کسی مستشرق عالم نے چھاپے ہیں ؞

ابو نصر فارابی نے آخر عمر میں سلطان سیف الدولہ کے ہمراہ حلب سے دمشق کا سفر کیا اور وہیں ۳۳۹ھ مطابق ۹۵۰ء میں فوت ہوا ۔ حکیم ارسطاطالیس عرف ارسطو کے مسائل کی سمجھ بوجھ میں فارابی کو سند مانا گیا ہے ۔ وہ مسلمان فیلسوفوں میں بے نظیر اور سب سے اعلےٰ پایہ کا شخص ہوا ہے ۔ کسی نے فارابی سے دریافت کیا تھا کہ "فلسفہ کے تم زیادہ عالم ہو ۔ یا ارسطو اس کا زیادہ ماہر تھا"؟ فارابی نے جواب دیا ۔ "اگر ارسطو زندہ ہوتا تو میں اس کی شاگردی پر فخر کرتا اور وہ اس بات پر نازاں ہوتا کہ مجھ جیسا شخص اس کا شاگرد ہے"؞

ابو ریحان بیرونی

نام و نسب:۔ محمدؐ۔ نام ۔ ابو الریحان ۔کنیت۔ احمد خوارزمی کا بیٹا تھا ؛

ولادت:۔ ۳۶۲ھ میں بمقام شہر خوارزم پیدا ہوا ۔ اور وہیں تربیت و تعلیم پائی ۔ علوم قدیمہ اور فلسفۂ یونانی میں بڑی دستگاہ حاصل کی اور ریاضی علوم میں بھی نہایت کمال بہم پہنچایا ۔ شیخ بوعلی سینا کا ہم عصر تھا اور دونو میں بہت چشمک تھی ۔ اکثر تحریری مباحثے ہوتے رہتے جن کا کچھ حصہ برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے ؛

ابو الریحان خوارزم اور دوسرے اسلامی شہروں میں فلسفہ و حکمت کے علوم کی تکمیل کر چکا تو یونان کے عہد قدیم کے حکیموں کا فلسفہ سیکھا اور شوق علم میں ہندوستان پہنچ کر وہاں کے حکماء کا فلسفہ اور ان کے علوم بھی حاصل کرنے کا خیال دل کو بے چین بنانے لگا ۔ مگر اس کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آتا تھا ۔ اس وجہ سے ایک زمانہ تک دربار خوارزم شاہی میں عزت کے ساتھ حاضر رہا ۔ اور جب سلطان محمود غزنوی نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ اپنے درباری فضلا کو ہماری خدمت میں ارسال کردو ۔ تو ابی ریحان البیرونی اور ابو الخیر خمار دونو دربار

غزنی میں حاضر ہوئے ؂

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان محمود کی فتوحات اور حملہ آوریوں کا سلسلہ حدود ہند پر آغاز ہو گیا تھا۔ سرزمین ہند اس کی سطوت سے لرز رہی تھی لیکن اصل یہ ہے کہ محمود کے حملے صرف ہندوستان کے جسم پر ہوتے تھے جو چنداں سود مند نہ تھے۔ اس کے دربار میں پہنچ کر ابی ریحان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا اچھا موقع ملا۔ اور جس طرح اس کا قدرشناس اور زبردست آقا سلطان محمود تیغ و سنان کی مدد سے ہندوستان کے جسم پر حملے کیا کرتا تھا۔ ویسے ہی اس میدان علم کے شہسوار نے تیغ خامہ کی مدد سے ہندی علماء و حکماء کے علوم و فنون کا خزانہ ہاتھ میں لانے کی خواہش سے ہندوستان کے دل و دماغ یعنی یہاں کی حکمت و دانش کے ذخائر پر فاتحانہ یورش شروع کر دی ؂

یہ مخفی نہیں کہ ہندوستان کی پوتر دھرتی پر بیرونی ملیچھ (ملکش) ترکوں کے قدم آ جانے کے بعد جو کہ یہاں فاتحانہ عزم و ارادوں سے آتے اور صرف مال غنیمت لے کر واپس چلے جاتے تھے۔ اس زمانہ کے ہندوؤں میں مسلمانوں کی طرف سے سخت عناد پیدا ہو گیا تھا۔ اور ایسے وقت میں کسی ملیچھ مسلمان کا تن تنہا یا چند غیر مسلح ساتھیوں

سمیت ارض ہند میں آنا بڑی ہمّت اور دلیری کا کام تھا۔ سرزمین ہند کا ذرّہ ذرّہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اور اس پر طُرّہ یہ کہ یہاں کے علماء اپنوں کو بھی عام طور پر اپنے علوم و حکمت کے بتانے میں دریغ رکھتے تھے۔ چہ جائیکہ کسی ملیچھ اجنبی کو بتائیں۔ مگر شوق اور طلب صادق نے یہ سب مشکلیں آسان کر دیں اور ابو ریحان تمام رُکاوٹوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہو کر زبان سنسکرت میں مہارت بہم پہنچا سکا۔

ایک عجمی شخص جس کی مادری زبان فارسی اور علمی زبان عربی تھی۔ سنسکرت سیکھنے میں کامیاب ہو جائے اور پھر ایسے عہد میں جبکہ غیروں کا اس دیو بانی کے علم سے مشرف بنانا قومی خیانت تصوّر کی جاتی ہو۔ ایک حیرت افزا بات ہے۔ ابو ریحان اس مرحلہ کو طے کر کے ہندوستان کے قلب میں گھُسا اور اس نے یہاں کے بڑے بڑے مقدس علمی مقامات کی سیر کی۔ نہ صرف سیاح کے طریقے پر بلکہ شائق علم و فن کے طور پر۔ یہاں کے تمام علمی خزانوں پر اس نے ہاتھ ڈالا اور ان میں جو بیش بہا جواہر ملے سب چُن لئے۔ ہندوں کے رسم و رواج اور عام خیالات پر اُس نے ایک غیر طرفدار تماشائی کے مانند نظر ڈالی۔ اور بے تعلق نکتہ چین کے طرز پر اُن کے اُس زمانہ کے

تمدّن اور شایستگی کا مکمّل حال قلمبند کر لیا ٭

غرض، ایک ہی وقت میں دو مسلمان اولو العزم فاتح ہندوستان پر حملہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک فوج و سپاہ و طبل و علم کے ساتھ مادّی فوائد کے حصول میں کوشاں تھا۔ اس کا مدِّ نظر ہندوؤں کے ایک زبردست راجہ کی اُن حملہ آوریوں کا انتقام تھا جو اس نے اسلامی ممالک پر کی تھیں اور حقوق ہمجواری کی پروا نہ کر کے محمودی حدود کو اپنا جولانگاہ بنایا تھا۔ اور دوسرا فاتح سنان قلم لے کر ہندوستان کے قدیم فلسفہ و تہذیب اور یہاں کے اخلاق و عادات کی معلومات کا قیمتی خزانہ لوٹنا چاہتا تھا۔ اس کا عمل خاموشی کے ساتھ ہوتا رہا۔ بیرونی نے پنجاب و سندھ کی خوب سیر کی۔ بنارس و کشمیر تک تو اس کی رسائی کا پتا نہیں لگتا۔ لیکن مالوہ اور راجپوتانہ کے اہم مقامات اس نے ضرور دیکھے۔ چنانچہ وہ اجمیر تک گیا اور وہاں کے مندر میں پجاری بن کر مقیم رہا ٭

ابی ریحان ہندوؤں کا صرف شاگرد ہی نہیں بنا بلکہ اس نے ان کو اپنا شاگرد بھی بنا کر اُستادی کا حق ادا کیا۔ حیرت اور سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایسے پُرشور زمانہ میں جیسا کہ بیرونی کا عہد تھا۔ اسے ہندوستان میں یہ کامیابی کیونکر نصیب ہوئی۔ مگر جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبردست

فیلسوف اور علم و حکمت کا متلاشی تعصب اور تنگدلی کی قید سے بالکل آزاد تھا - تو یہ حیرت دفع ہو جاتی اور عقل اس کی کامیابی کو خود ہی جائز تسلیم کر لیتی ہے - بہر حال ابو ریحان یادداشتیں مرتّب کرتا رہا - اور عرصۂ دراز کے چشم دید حالات اور تحقیقاتِ علمی کا ذخیرہ ہمراہ لے کر بالآخر غزنی کو واپس گیا - جہاں اپنے قدردان آقا سلطان محمود کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد اس نے "کتاب الہند" لکھی - اور یہ عربی زبان میں ہندوستان کے جغرافیہ تاریخ - علوم و فنون - اور مذاہب وغیرہ کے متعلق پہلی تصنیف تھی - جس کو موجودہ زمانہ کے محققان یورپ بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس مسلمان عالم کی محنتوں کی داد دیتے ہیں +

سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹوں مسعود اور محمد میں ملک و سلطنت کے حصول پر نزاع ہوا - اور جنگ و جدل کی نوبت آئی - محمد اپنی فوج کی نمکحرامی کے باعث گرفتار ہو کر بھائی کے سامنے پیش ہوا اور اندھا کر دیا گیا - بیرونی نے یہ پُر آشوب زمانہ گوشہ نشینی اور تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں بسر کیا - اور جب سلطان مسعود بن محمود تخت حکومت پر بے غل و غش قابض ہو بیٹھا تو ابو ریحان البیرونی بھی اس کے زیر سایہ آ گیا - اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا +

ابو ریحان نے ۴۴۰ھ میں ۷۹ سال کی عمر پا کر بمقام شہر غزنی دُنیا سے عالم آخرت کی طرف سفر کیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون ؛

تصانیف :- ابو الریحان بیرونی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

علوم ریاضیات اور ہیئت میں کئی ایک قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ علوم ہیئت، نجوم، اور جغرافیہ میں اس کی کتاب "القانون المسعودی" بڑے اعلےٰ پایہ کی تصنیف ہے۔ ابو الریحان نے یہ کتاب خاندان حکومت غزنی کے چوتھے تاجدار سلطان مسعود بن محمود بن سبکتگین کے نام سے معنون کر کے ۴۲۱ھ میں لکھی تھی۔ یہ کتاب ۱۸۷۸ء میں ایک جرمن اورینٹلسٹ کی توجہ سے طبع ہوئی۔ اس جرمن عالم نے کتاب مذکور کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی کیا تھا جو لندن میں چھپا ہے۔ اس کتاب سے مشہور مسلمان جغرافیہ نویس "اسمٰعیل ابو الفدا" نے اپنی کتاب "تقویم البلدان" میں بہت کچھ مدد لی ہے ؛

ابو الریحان کی ایک اور کتاب "الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" علم نجوم و تواریخ میں نادر المثال ہے۔ "الارشاد فی احکام النجوم" نجوم میں۔ "الجواہر فی الجواہر" "العجائب الطبیعۃ و الغرائب" فن طبیعیات میں۔ کتاب "الصیدلۃ" طب میں "مقالید الہیئت" علم فلکیات میں۔ اور ایک کتاب "دائرہ کے خط منحنی

کے خواص اور اس سے وتروں کے "استخراج" میں
یہ سب اس کی دماغی محنتوں کے نتائج اور اس کے علم و کمال کی یادگاریں ہیں *

اس نے ہندوستان قدیم کے جغرافیہ میں ایک کتاب "عجائب الہند" نامی لکھی ہے۔ اس میں جغرافیہ ریاضی کے متعلق علوم ہندسہ اور فلکیات کی بہ کثرت معلومات فراہم کر دی ہیں۔ جرمن پروفیسر "ساخاؤ" کی توجہ سے یہ کتاب ۱۸۸۵ء میں بمقام لندن طبع ہوئی تھی۔ پروفیسر "ساخاؤ" نے اس پر ایک دیباچہ لکھا ہے۔ جس کا اہم اور دلچسپ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس اقتباس میں صرف ضروری جملے اور فقرے لئے گئے ہیں اور زواید کو حذف کر دیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

"برہمنی ہندوستان پر عربی زبان میں کسی کتاب کا پایا جانا۔ شاذ و نادر بلکہ خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز امر اور کیا ہوگا کہ ایک قرآن کی زبان کا عالم اور مصنّف ایسا وسیع النظر ہو کہ ہندوؤں کے خیالات کی تحقیقات اپنا مدِّنظر بنائے اور اس کے لئے ان کے ملک میں پہنچ کر ان کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھ کر ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرے اور ایک مستقل کتاب تصنیف کر دے۔ عہدِ اوّل کے مسلمان عرب محض تلوار لے کر اشاعت مذہب کو بخوبی جانتے تھے۔

اور علومِ قدیمہ کے شوق جستجو سے بے بہرہ تھے۔ نہ مفتوحہ ممالک کی تاریخ قدیم کے متلاشی ہوتے تھے[لہ] ان میں کوئی ایسا شخص بھی پیدا ہوا جیسا کہ کتاب الہند کا مصنّف ہے۔

"اگرچہ اس کو اسلام کی فوقیت کا یقین کامل تھا۔ تاہم ہندوؤں کی بیدار مغزی اور ان کے علوم کا مدّاح تھا۔ اس کا عمل اس اصول پر تھا کہ جو لوگ ہندوؤں سے میدان علم میں زور آزمائی کرنا اور ان سے انصاف و مساوات کا سلوک فرمانا چاہیں۔ وہ پہلے ہندوؤں کے رسم و رواج اور عام حالات و خیالات سے واقفیت حاصل کریں۔"

"اس کتاب کا مضمون اس وقت کے مسلمانوں کے لئے بالکل نہیں تو بہت کچھ ضرور نیا تھا۔ ہمارا مسلمان مصنّف کسی ملک کا بچپن نہیں بیان کرتا۔ وہ بالکل متعصّب نہ تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے مضمون پر بڑے شوق سے محنت کی ہے۔ اور کبھی حصول علم کے موقع پر محنت، صرفِ وقت، یا سچی بات کا پتا لگانے میں، کمی نہیں کی۔ اور

لہ مسلمانوں کو اس اعتراض اور خیال سے بھڑکنا نہ چاہئے۔ یورپین علماء کا مبلغ علم اسلام اور پیروان اسلام کی نسبت نہایت محدود اور مغربی متعصب مصنّفین کی تصانیف تک ہی منحصر ہے اس لئے وہ ایسا لکھنے اور کہنے میں معذور سمجھے جائیں تو بہتر ہے۔ مولف

اگرچہ مسلمان تھا۔ تاہم غیر مذہب ہندو فیلسوفوں کے ساتھ ہمدردی، اور اُن کے مسائل کو پسند کرتا تھا۔ اُس کا انصاف اتنا بڑھا ہوا ہے کہ پڑھنے والا کتاب کے بہت سے صفحے پڑھکر پر بھی یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ اس کا مصنّف کوئی مسلمان ہے۔ اگر مسلمان سچے غرور سے اس کتاب کو اپنے عربی علم ادب کے آسمان کا ستارہ سمجھیں۔ تو ہندوؤں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ ایک سچے اور لائق آدمی کے ان کے آبا و اجداد کی دُرست تصویر کھینچنے پر فخر کریں۔ گو بعض بیانات سے اُن کو اتفاق نہ ہوگا۔ چند اعتراضات انھیں چبھیں چبھیں بنا دینگے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ فوراً یہ بھی اقرار کر لینگے کہ مصنّف کا اصلی مقصد سچائی حاصل کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور یہ بھی ضرور خیال کرینگے کہ اُس نے ان کی تہذیب کی از حد تعریف بھی کی ہے“۔

ابو الریحان بیرونی اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ ”بیرون“ ملک سندھ کا ایک شہر تھا۔ اور ابو الریحان وہاں عرصہ تک سکونت رکھنے کی وجہ سے اسی کی طرف منسوب ہو گیا۔ تصنیف و تالیف کے سوا کوئی کام دل کو پسند نہ آتا۔ صرف دو دن سال بھر معاش کی فکر کے لئے خاص تھے۔ باقی تمام اوقات مطالعہ۔ تصنیف اور تالیف میں بسر

ہوتے - ہر وقت قلم ہاتھ میں - آنکھیں کتاب پر اور دل فکر میں رہا کرتا ہ

اس کا قول ہے کہ:- "جیسے آج کی ضرورت آج پوری ہو جاتی ہے ویسے ہی کل کی ضرورت کل پوری ہو رہیگی"۔ جس وقت وہ اپنی کتاب "القانون المسعودی" لکھ رہا تھا۔ سلطان نے ایک ہاتھی پر روپیوں کے توڑے لدوا کر بطور انعام اس کے پاس بھیجے - ابو الریحان نے اس روپیہ میں سے صرف ایک دن کا خرچ خوراک رکھ لیا اور باقی تمام روپیہ واپس کر دیا۔ اللہ رے استغنا !!

ابو ریحان کا ایک عجیب و غریب قصہ کسی مورخ نے یہ لکھا ہے کہ ایک دن سلطان محمود غزنوی شاہی محل سرا میں کسی ایوان کے اندر بیٹھا تھا - اس ایوان میں چار دروازے تھے - سلطان کو نہیں معلوم کیا خیال آیا کہ اس نے ابو ریحان سے سوال کیا - بتاؤ میں کس راستے سے ایوان کے باہر جاؤنگا؟" ابو ریحان نے ارتفاع طالع پر غور کر کے نجوم کا حساب لگایا اور ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھ کر وہ پرچہ سلطان کے تکیہ کے نیچے رکھ دیا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ "آپ جس دروازہ سے مرضی ہو اُدھر سے باہر جائیے - یہ بالکل آپ کی خوشی پر منحصر ہے"۔ سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ ایوان کی مشرقی رویہ دیوار توڑ کر راستہ بنایا جائے

اور جب سلطان اسی راہ سے باہر چلا گیا تو اس نے ابو ریحان کا لکھا ہوا پرچہ دیکھا اس میں بجنسہٖ وہی حکم درج تھا جو کہ وقوع میں آیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے حکم دیا کہ ابو ریحان کو دیوار قلعہ پر سے خندق میں پھینک دیا جائے۔ شاہی خادموں نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ لیکن حکیم نے وہاں پہلے سے ایسا حکمت کا جال بچھا رکھا تھا کہ باوجود اس قدر زور سے گرنے کے اسے کوئی صدمہ نہیں آیا۔ اور نہ زمین پر گرنے سے اسے چوٹ لگی۔ سلطان کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ سخت متحیر ہوا اور اس نے ابو الریحان سے اس کی نسبت دریافت کیا کہ "کیا وہ پہلے ہی اس بات کا علم رکھتا تھا؟" حکیم نے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ ذرا اس کی تقویم (جنتری) اٹھا لائے اور کتاب آ جانے پر اس دن کی تحویل سلطان کے ملاحظہ میں گزران دی۔ سلطان نے دیکھا کہ تمام واقعہ جو اس وقت پیش آیا بجنسہٖ تقویم میں لکھا ہے۔ اور یہ دیکھ کر وہ مع تمام ارکان دولت کے حیرت و استعجاب میں مبتلا ہو گیا۔



بُو علی سینا

ابو علی الحسین نام ۔ عبد اللہ بن حسن بن علی بن سینا کا فرزند ۔ حکمائے اسلام میں بے مثل فاضل گزرا ہے ۔ باعتبار علم و تبحرُ معلم اوّل و ثانی کے بعد تیسرے مرتبہ پر تھا ۔ اپنے زمانے کا شیخ اور امام فن تسلیم کیا گیا ۔ اور شیخ الرئیس کے لقب سے ملقب ہوا ۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم :- شیخ کا باپ "عبد اللہ" بخارا کے ایک گاؤں "خرمیشن" میں تحصیلدار تھا ۔ سلطان نوح بن منصور فرمانروائے بخارا کی سرکار سے اس کا تعلق تھا ۔ اور اسی گاؤں کے پاس "افشنہ" نامی دوسرے گاؤں میں عبداللہ نے اپنی شادی کی ۔ شیخ کی ماں کا نام "ستارہ" تھا ۔ اس بیدار بخت عورت کے شکم سے عبداللہ کے دو بیٹے حسین اور محمود پیدا ہوئے ۔ حسین بن عبد اللہ تو حکیم الاسلام شیخ الرئیس بو علی الحسین بن سینا بنا ۔ اور محمود نے کوئی نام و نمود نہ پایا ۔ شیخ کی ولادت ۳ صفر ۳۷۵ھ کو ہوئی تھی ۔ جب اس کی عمر تعلیم پانے کے قابل یعنی پانچ سال کی ہوئی ۔ باپ نے گاؤں کا رہنا ترک کر کے شہر بخارا میں سکونت اختیار کی ۔

تاکہ ہونہار بیٹے کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکے ۔

سب سے پہلے قرآن اور عربی زبان کی تعلیم کا استاد حسین کے لئے مقرر ہوا ۔ پانچ سال کے عرصہ میں ہونہار لڑکا قرآن شریف ۔ صرف و نحو وغیرہ زباندانی کے علوم میں خوب ماہر اور طاق ہو گیا ۔ شیخ کا باپ عبد اللہ ۔ اسمٰعیلیہ فرقہ کا پیرو تھا ۔ اور اسی طرح شیخ کا بڑا بھائی محمود بھی ۔ ان دونو باپ بیٹوں میں اکثر مذہبی گفتگو ہوا کرتی تھی ۔ جس کو شیخ بھی سنتا اور سمجھتا ۔ لیکن اس کا دل باپ اور بڑے بھائی کے عقائد کو قبول نہیں کرتا تھا ۔ اگرچہ باپ اور بڑے بھائی نے حسین کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا ۔ مگر وہ کسی طرح بھی ان کی بات نہ مان سکا ۔

حسین اپنے باپ سے گاہے ماہے فلسفہ ۔ حساب ۔ اور مساحت وغیرہ علوم کا ذکر سن کر ان کا شوق اپنے دل میں پاتا ۔ "عبد اللہ" نے فرزند ارجمند کا میلان معلوم کر کے اس کو ایک سبزی فروش کے پاس بھیجنا شروع کیا ۔ جس کو "محمود مساح" کہا جاتا تھا اور وہ ریاضی اور مساحت کا خوب ماہر تھا ۔ حسین نے چند روز محمود مساح کی شاگردی کر کے علوم ریاضیہ اور مساحت کے اصول معلوم کر لئے اور اپنی طبیعت کی تیزی سے جو باتیں دوسرے آدمی برس اور مہینوں میں بمشکل سیکھ سکتے وہ دنوں اور گھنٹوں میں سمجھ لیں ۔ آخر

استاد کو معلوم ہوا کہ شاگرد اس کی مدد کا محتاج نہیں رہا بلکہ وہ اسی کو اور تعلیم دے سکتا ہے۔ ابھی حسین اس استاد کے پاس پڑھتا ہی تھا کہ بخارا میں ایک لائق عالم اور فیلسوف "ابو عبد اللہ ناتلی" آگیا۔ حسین کے باپ عبد اللہ نے ہونہار بیٹے کی تعلیم کی خواہش سے ابو عبد اللہ کو خاص اپنا مہمان بنایا اور نہایت عزت و احترام سے اس کی خدمت میں مشغول ہوا۔

اعلٰے تعلیم:۔ اس سے پہلے کہ حسین۔ ابو عبد اللہ ناتلی کے زیر تعلیم آئے وہ بخارا کے ایک مشہور فقیہ "اسمٰعیل زاہد" علم فقہ پڑھتا تھا۔ جیسا کہ اس وقت دستور تھا حسین نے اس علم میں اچھا کمال حاصل کر لیا تھا۔ ناتلی کے پاس اس نے منطق و فلسفہ کا درس لینا شروع کیا اور سب سے پہلے منطق کی کتاب **ایساغوجی** آغاز کی۔ حسین نے پہلے ہی سبق میں استاد کے سامنے ایسی لاجواب تقریر کی کہ استاد دنگ رہ گیا۔ ناتلی نے حسین کے باپ اور اپنے ہنر شناس میزبان عبد اللہ سے کہا کہ تمہارا یہ فرزند یگانۂ دہر ہوگا۔ اس کو علم کے سوا کسی اور کام میں نہ ڈالنا۔ پھر اس نے بڑی توجہ سے حسین کو تعلیم دی۔ حسین نے تھوڑے ہی زمانے میں منطق کے ظاہری مسئلے اور ابتدائی نکتے ناتلی سے پڑھ لئے۔ اس علم کی اندرونی باریکیاں خود استاد کو بھی معلوم نہ تھیں۔ اور حسین کا دل حقیقت

کی تلاش کا دیوانہ تھا لہذا اس نے اپنے طور پر فن منطق کی متن کی کتابیں اور ان کی شرحیں دیکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا +

اقلیدس کے پڑھنے میں بھی حسین کا یہی طریقہ رہا۔ پہلے مقالہ کی پانچ پہلی شکلیں تو اس نے استاد سے پڑھیں۔ اور باقی تمام کتاب خود حل کر ڈالی۔ پھر کتاب مجسطی کی نوبت آئی اور اس میں بھی شاگرد ہی استادی کا حق ادا کرتا رہا۔ حسین کی اعلےٰ تعلیم یہیں تک پہنچی تھی کہ ناتلی بخارا سے چلا گیا۔ اس کے بعد حسین نے آپ ہی علوم طبیعیات اور الٰہیات کا مطالعہ کیا۔ اور رفتہ رفتہ فلسفہ میں کامل استعداد ہو جانے پر علم طب کا شوق دل میں گدگدی پیدا کرنے لگا +

امیر نوح بن منصور سامانی فرمانروائے بخارا کا درباری طبیب "حسن بن نوح القمری" اس وقت بخارا میں سرآمد اطبا مانا جاتا تھا وہ جالینوس اسلام "محمد بن زکریا رازی" کا ہمعصر تھا۔ حسین اس کے مطب میں حاضری دینے اور معالجات کا معاینہ کرنے لگا۔ اکثر درس میں بھی شریک ہوتا اور نہایت غور سے طبی مسائل کو سنا کرتا۔ خدا داد ذہن و طبیعت کی مدد سے بہت جلد حسین کو اس فن میں وہ کمال حاصل ہو گیا کہ بڑے بڑے فاضل طبیب اس کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرنے لگے۔ اب اس نے معالجہ بھی شروع کیا۔ اور پیچیدہ سے پیچیدہ امراض

میں نہایت کامیاب علاج کرتا رہا ؛
علم فقہ کا شوق اور مناظرہ کا چسکا اب تک حسین کی طبیعت میں باقی تھا۔ وہ دوسرے علوم میں مشغول ہو کر ادھر سے غافل نہیں ہوا بلکہ روز بروز اس کو اور جلا دیتا گیا۔ غرضیکہ سولہ سال کی عمر میں تمام مروّجہ علوم و فنون میں اس کو کمال حاصل ہو گیا ؛

شوق مطالعہ :- مطالعہ کا وہ شوق تھا کہ راتوں کو جاگ کر بسر کر دیتا۔ نیند ستاتی تو پانی پی کر تازہ دم ہو جاتا۔ اور پھر کتاب پر جھک پڑتا۔ اگر کچھ نیند کی جھپکی آ بھی جاتی تو وہی مسائل جن پر بیداری میں غور کر رہا تھا خواب میں خود بخود حل ہو جایا کرتے۔ حسین نے اسی طرح مطالعہ اور شوق کی مدد سے جملہ علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور پھر بجز اس کے کہ آخر عمر تک مشق اور تجربہ سے علم میں پختگی تو ضرور آتی گئی اور کوئی نیا اضافہ اس کی کتابی معلومات میں نہیں ہوا ؛

ایک مرتبہ حسین نے علم الٰہیات میں کتاب مابعد الطبیعۃ کا مطالعہ کیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ مصنف کیا کہتا ہے۔ دوبارہ پڑھا۔ پھر نہ سمجھا۔ آخر چالیس مرتبہ ساری کتاب پڑھی کہ وہ بالکل حفظ ہو گئی۔ مگر سمجھ میں کچھ بھی

نہ آیا تو مایوس ہو کر اُسے رکھ دیا۔ چند روز بعد اتفاق سے کتب فروشوں کے بازار میں جا نکلا۔ ایک دلال نے ایک کتاب دکھائی۔ وہ بھی علم الٰہیات کے متعلق تھی۔ شیخ کا دل اس علم کی طرف سے سرد ہو چکا تھا۔ اس نے خریداری سے انکار کر دیا۔ دلال نے کہا۔ "کتاب کا مالک غرض مند ہے سستی ملیگی۔ لے لو! صرف تین درہم قیمت ہے۔ حسین نے خرید لی اور گھر لاکر دیکھا تو وہ علم مابعد الطبیعۃ کے بارہ میں ابونصر فارابی کی کتاب تھی۔ اس کے پڑھنے سے سابقہ کتاب کا مطلب بھی حل ہو گیا۔ اور شیخ کو اس کامیابی پر اتنی خوشی ہوئی کہ بہت سا روپیہ غربا و مساکین کو خیرات میں بانٹا۔

دربار میں رسائی:۔ حسین بن عبداللہ بن سینا کے مطالعہ سے گہری دلچسپی رکھنے اور علوم و فنون میں طاق ہونے کا ذکر عام و خاص کی زبانوں پر جاری تھا۔ اور بخارا میں بہت کم لوگ اس سے ناواقف رہ گئے تھے۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں سلطان نوح بن منصور سخت بیمار ہوا۔ دربار اور ملک کے نامور طبیب علاج کر تھکے۔ بیماری کسی طرح کم نہ ہوئی اور صحت حاصل نہ ہو سکی۔ آخرکار درباری اطباء نے سلطان سے شیخ کا بھی تذکرہ کیا۔ اور وہ معالجہ کے واسطے بلوایا گیا۔ شاید کارکنان قضا و قدر نے شیخ کو عزّت و نعمت دُنیوی بخشنے

کا یہی ذریعہ مقرر کیا تھا۔ اس کے علاج سے سلطان کو چند دن میں کامل شفا ہوگئی۔ پھر تو خلعت و انعام کا مینہ برس پڑا اور شیخ مالا مال ہوکر عزت و حرمت کی زندگی بسر کرنے لگا۔ شاہی نظرعنایت اس کے حال پر مبذول تھی۔ جیسے جیسے اس کے علمی جوہر کھلتے جاتے تھے یہ دربار میں سب اہل علم پر سبقت پاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ علما اور حکما میں سب پر فایق اور سلطان کا خاص الخاص مقرب بن گیا۔ شاہی کتب خانہ کی کنجیاں اس کے سپرد کر دی گئیں اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی عام اجازت ملی۔ شیخ نے نادر و نایاب کتابوں کے مطالعہ سے اپنی وسعت نظر بڑھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ جن کتابوں کے متعدد نسخے تھے ان میں سے ایک ایک اپنے کتب خانہ کے لئے لے لیا اور جن کا ایک ہی نسخہ ملا ان کی نقلیں لے کر اپنے کتب خانہ میں داخل کیں۔ اور دو سال کے قلیل عرصہ میں وہ بہت کچھ فائدہ اس کتب خانہ سے اُٹھا سکا۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں شاہی کتب خانہ میں آگ لگ گئی اور وہ تمام قیمتی کتابوں کا ذخیرہ برباد ہو گیا۔ قاعدہ ہے کہ شاہی درباروں میں جن کو زیادہ تقرب ہو ان کے دشمن بھی بہت ہو جاتے ہیں۔ شیخ کے بدخواہوں نے اس واقعہ

کے بعد سلطان سے چغلی کھائی کہ شیخ نے کتابوں کے لالچ میں یہ کتب خانہ ضائع کیا ہے اور عمدہ عمدہ کتابیں اس حیلہ سے اپنے گھر لے گیا ہے۔ لیکن سلطان نوح بن منصور ایک ذی علم اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے ان چغل خوروں کی خوب خبر لی۔ اور شیخ کا مرتبہ پہلے سے دو چند بڑھا دیا +

باپ کی رحلت اور گرفتاری مصائب :-

سلطان نوح بن منصور کے دربار میں رسائی پانے کے چند روز بعد شیخ کا باپ عبد اللہ ہونہار فرزند کی ترقی و عظمت اور علمی شہرت کا معائنہ کرکے عالم آخرت کو سدھار گیا۔ اور شیخ کے لئے دنیا کے دھندوں کا جھگڑا چھوڑ گیا۔ اب شیخ کی زندگی اس قدر مطمئن نہیں رہ گئی تھی کہ علمی مشاغل کے سوا کوئی اور کام اس کا وقت نہ لے سکے۔ دربار داری کا کام۔ اور گھر کے تفکرات۔ یہ دو باتیں اس کو کھینچ تان کر کچھ دیر کے واسطے علمی دنیا کے باہر لے آیا کرتی تھیں۔ تاہم علم اور عزت و وجاہت کی زندگی میں فرق نہ آیا تھا۔ کیونکہ سلطان نوح بن منصور کی قدردانی۔ اور وطن کی سکونت نے اسے مصیبت اور آوارہ گردی سے بچا رکھا تھا۔ لیکن یہ مطمئن حالت بہت جلد بدلنے والی تھی۔ اور زمانہ اس کی سوانح عمری میں ایک افسوسناک باب اضافہ کرنے والا تھا۔ جو یوں شروع ہوا کہ سلطان نوح ابن منصور کی وفات کے بعد ہی اُس

کے خاندان حکومت پر تباہی آئی - اگرچہ اس کا بیٹا منصور بن نوح کچھ روز تخت حکومت پر متمکن رہا۔ مگر ملک میں غدر برپا ہو گیا تھا - اور امارت کی حالت ابتر تھی - اس لئے غزنی کے غنیم ملک پر قابض ہو گئے اور شیخ کو کسی اور مقام کی تلاش ہوئی جہاں وہ اپنی زندگی حسب دلخواہ آرام سے بسر کر سکے۔

شیخ نے بخارا کو خیرباد کہا اور "گرگانج" کی طرف چلا جہاں خوارزم شاہ کی حکومت تھی اور اس کا فاضل وزیر ابو الحسین السہلی علما و فقہا کی سرپرستی کے لئے مشہور زمانہ ہو رہا تھا - ابو الحسین خود ایک زبردست فقیہ تھا اور اس کی مجلس میں علم فقہ کے مسائل پر اکثر بحث ہوا کرتی تھی - شیخ ابو علی الحسین بن سینا اس وقت تک فقہا کی وضع میں رہتا اور اس علم سے ذوق رکھتا تھا - وہ وزیر مذکور سے ملنے گیا اور علماء کا معمولی لباس پہن کر اس کی مجلس میں داخل ہوا - شیخ کی عمر اس وقت اکیس بائیس سال سے زاید نہ تھی - اس کی ظاہری حالت پر کسی کو یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ ایسا بے مثل فاضل اور یگانۂ وقت ہے - وزیر کی مجلس میں ایک گوشہ میں بیٹھا رہا - وزیر نے اس کی حسب حیثیت تعظیم و تکریم بھی نہ کی - شیخ پہلے تو چپ رہا - مگر جب مجلس میں سناٹا چھا گیا اور سب لوگ چلے گئے تو اس نے وزیر کے روبرو آ کر فقہ کے باریک مسائل چھیڑ دئے اور ایسی لاجواب

تقریریں کیں کہ وزیر اس کا مُنہ دیکھتا رہ گیا - پھر تو وزیر نادم ہوکر مسند سے اُتر آیا اور شیخ کو کمال عزت کے ساتھ اپنے برابر بٹھاکر نام و نشان دریافت کرنے لگا - شیخ نے نام و مقام کا پتہ دیا تو وزیر خوشی سے اُچھل پڑا اور اپنی قسمت پر نازاں ہوا کہ ایسا بےنظیر زمانہ عالم اس کے زیر سایہ آیا ہے - وزیر ابوالحسین نے خوارزم شاہ سے کہکر شیخ کا معقول وظیفہ مقرر کرا دیا - اور دربار میں حاضر رہنے کی خدمت سپرد ہوئی ؛

خوارزم شاہ کا دربار اس وقت بڑے بڑے کاملان زمانہ کا مرجع تھا - ابوالخیر خمّار - ابو سہل مسیحی - اور ابو ریحان البیرونی وغیرہ یکتائے دہر عالم وہاں موجود تھے - شیخ کے داخل دربار ہونے سے اور بھی رونق دربار بڑھی اور کچھ زمانہ بعد شیخ کا مرتبہ تمام درباری حکما سے بڑھ گیا - شیخ تو سمجھا تھا کہ اب یہاں آرام سے رہیگا - لیکن زمانہ کہتا تھا کہ آرام کہاں - تجھکو بہت خاک چھاننی اور مصیبتیں جھیلنی پڑینگی ؛

سلطان محمود غزنوی کا نیر اقبال وسط ایشیا کی سرزمین پر تاباں تھا - اس کے فتوحات نے تمام امرا اور سلاطین کے کانوں میں اس کا حلقہ اطاعت ڈال دیا تھا - سلطان محمود سے لوگوں نے شیخ بوعلی سینا کے عقاید مذہبی کے متعلق کچھ شکایت کی اور سلطان نے اس کو اپنے دربار میں بلواکر راہِ راست

پر لانے یا سزا دینے کا ارادہ کیا - خوارزم شاہ سے ایک معزز افسر کی معرفت اُس کے درباری حکما کو طلب کیا - خوارزم شاہ کو سلطانی قاصد کے آنے کی خبر اور اس کی غرض آمد پہلے سے معلوم ہو گئی تھی - چونکہ اُس میں سلطانی حکم سے انکار کی تاب نہ تھی اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ بے نظیر علما و حکما کی جان جائے یا انہیں اذیت پہنچے لہذا اس نے شیخ اور دیگر حکما کو خبر کر دی - اور ان سے کہا کہ تم لوگ اپنی جان بچاؤ میں تمہاری کوئی حمایت نہ کر سکونگا +

شیخ بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی اپنے دل میں سمجھ گئے کہ یہ سب آفت انہی کے سر آئیگی - دونو روپوش ہو کر بھاگے - راستہ میں طوفانِ باد آیا - گرم لُو چلی - پیاس کی وہ شدّت ہوئی کہ ابوسہل تو فوت ہو گیا - مگر شیخ افتاں و خیزاں بھاگتا ہوا کئی جگہ گیا - جہاں پہنچتا اپنی گرفتاری کے اعلان کا حال سُنتا اور پھر بھاگتا - اخیر میں ارادہ کیا کہ جرجان جائے - وہاں کا حاکم قابوس بڑا علم دوست تھا - شیخ بشکل تمام بے سرو سامانی کی حالت میں جرجان پہنچ گیا - اور گزر بسر کے لئے مطب کرنا شروع کیا - تھوڑے ہی دنوں میں اس کے علاج کا شہرہ سارے شہر میں ہو گیا - اور شیخ کو اس قدر آمدنی ہونے لگی کہ وہ اچھا مالدار بن گیا - لیکن اب تک دربار میں اس کی رسائی نہیں ہو سکی تھی اور نہ کسی کو اس کا حال معلوم تھا کہ

یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے *

اتفاق سے امیر قابوس کا بھانجا کچھ عرصہ سے سخت بیمار تھا۔ کسی طبیب کے علاج سے صحت ہونا تو کیا مرض میں افاقہ کی بھی صورت نہیں نظر آئی تھی۔ شیخ کا تذکرہ بھی اُڑتے اُڑتے دربار تک پہنچ گیا اور قابوس نے اُس کو بُلوایا۔ شیخ نے مریض کو دیکھا۔ ایک خوش رو نوجوان جس کی عمر بیس سال سے زاید نہ تھی بالکل زار و نزار بستر پر پڑا تھا۔ نبض وغیرہ سے معلوم ہوا کہ جسمانی بیماری کوئی نہیں۔ خیال آیا کہ ضرور اس کو قلبی اور روحانی مرض ہوگا۔ سوچ کر شیخ نے کہا "کوئی آدمی بلوایا جائے جو اس شہر سے خوب واقف ہو"۔ وہاں تو حکم کی دیر تھی۔ فوراً اسی طرح کا ایک آدمی حاضر کیا گیا۔ حکیم (شیخ) نے مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا اور اس شخص سے کہا کہ شہر کے محلوں اور گلی کوچوں کے نام بیان کرے۔ ایک محلہ کے نام پر مریض کی نبض میں عجیب عجیب حرکتیں پیدا ہوئیں۔ اس وقت حکیم نے اس شخص سے کہا کہ "اس محلہ کے تمام گھروں کا بھی نشان بتاؤ اور اُن کے مالکوں کے نام لو"۔ اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی اور ایک خاص مکان کے نام پر مریض کی نبض نے پھر رنگ بدلا۔ اور شیخ نے اس بیان کرنے والے کو روک کر اس گھر کے رہنے والوں کے نام دریافت کئے۔ چنانچہ ایک لڑکی کا نام آتے ہی مریض کی نبض میں وہ

کیفیت پیدا ہو گئی جس کا شیخ کو خیال تھا- اور اس نے فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے :-

دلبراں نہما خرد و بزرگ   دیده را بوسف اندر دل راگرگ
ہنگہ در بتاں کہ آخرکار   نگرستن رگرستن آرد بار

پھر اس نے مریض کے عزیزوں کو بتایا کہ فلاں محلہ کے فلاں شخص کی لڑکی پر یہ جوان عاشق ہے- اس کا علاج بجز وصال محبوب کسی طرح نہیں ہو سکتا- امیر قابوس کو یہ خبر ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ وہ دانشمند حکیم حاضر دربار ہو- شیخ گیا- قابوس شیخ کی تصویر دیکھ چکا تھا- فوراً پہچان گیا اور تخت سے اتر کر بغلگیر ہوا- پھر اپنے پاس بٹھا لیا اور بڑی عزت کے ساتھ اسے اپنے دربار میں رکھا- سلطان محمود کو تحائف گراں بہا بھیج کر اس سے شیخ کے لئے معافی طلب کی اور اس میں بھی وہ کامیاب ہو گیا- چنانچہ شیخ کو خوف جان سے نجات ملی اور وہ باطمینان امیر قابوس کے پاس رہتا تھا- لیکن زمانہ ہنوز موافق نہ تھا- امیر قابوس کی سپاہ باغی ہو گئی- اسے گرفتار کرکے قید اور قتل کر دیا- شیخ کا کوئی قدردان نہ رہا- ملک میں غدر و ہنگامہ تھا- علاج معالجہ کون کراتا اور طبیب کی قدر کس طرح ہوتی- آخر شیخ کو شہر چھوڑ کر **دہستان** (دیہات) میں جانا پڑا اور وہاں ایک مدت تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہا- اسی حالت میں چند کتابیں لکھی

تھیں کہ بیمار ہوا اور مجبوراً پھر جُرجان میں آیا۔ اس مرتبہ جُرجان کا ایک خوشحال باشندہ ابو محمد شیرازی معروف بہ عبدالواحد شیخ کا میزبان اور شاگرد بنا۔ اپنے گھر کے پاس ایک مکان خرید کر شیخ کی نذر کیا اور ہر طرح اس کی خدمت و خبر گیری میں مصروف ہوا۔

عبدالواحد کی رفاقت نے شیخ کو بیحد راحت پہنچائی۔ وہ اس زمانہ میں اس کو درس دینے کے علاوہ کئی کتابیں بھی تصنیف کرتا رہا۔ منطق میں المختصر الاوسط کتاب "المبداء و المعاد" اور "الارصاد الکلیہ" وغیرہ کے علاوہ قانون کا ابتدائی حصہ۔ مجسطی کا خلاصہ اور چند دیگر رسائل یہیں تالیف کئے اور باقی کتابیں دہستان میں تمام کیں۔

اگرچہ جُرجان کے قیام میں شیخ کو کسی قسم کی تکلیف یا شکایت نہ تھی لیکن سیاحت کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور وہ شہر رَے کی طرف چلا۔ رَے میں شیخ کا کوئی واقف نہ تھا۔ مگر اس کامل اکمل کی شہرت مشرقی دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی تھی۔ لہذا وہ سابقہ معرفت اور دوستی کا محتاج کب تھا۔ شہر رے میں پہنچتے ہی دھوم مچ گئی کہ "شیخ الرئیس بوعلی سینا" یہاں تشریف لائے ہیں۔ امیر و حکمران رے مجدالدولہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے شیخ کو دربار میں بلوا کر بزمرہ مصاحبین رکھ لیا۔ اور شیخ نے اس کے مرض مالیخولیا کا علاج کیا۔ صحت کے بعد مجدالدولہ نے

خلعت و انعام و اکرام سے شیخ کو مالا مال بنا دیا اور دربار میں اس کا رتبہ سب مصاحبین و ارکان مملکت پر بڑھا دیا۔

شیخ رے میں بآرام رہتا تھا۔ یکایک افواہ اڑی کہ سلطان محمود غزنوی اس شہر پر حملہ کرنے والا ہے۔ شیخ کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ امیر قابوس نے سلطان محمود سے اس کے لئے معافی کی سند حاصل کر لی ہے۔ لیکن بادشاہوں کے مزاج کا حال اس پر مخفی نہ تھا۔ اور اس واسطے وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو سکا ناچار شہر رے کو چھوڑ کر قزوین چلا گیا۔ اور وہاں سے ہمدان جا پہنچا۔ جہاں کہ شمس الدولہ بن فخر الدولہ کی حکومت تھی۔ ہمدان میں شیخ نے پہلے ایک متمول اور عالی مرتبہ رئیس "کدبانو" کی خدمت میں کچھ دن بسر کئے اور پھر شمس الدولہ کو درد قولنج شروع ہونے پر علاج کی تقریب سے دربار میں پہنچ گیا۔ شیخ کے علاج سے شمس الدولہ کو بہت جلد صحت حاصل ہو گئی اور اس کا رتبہ دربار میں بڑھ گیا۔ خلعت و انعام بھی خوب ملا اور مصاحب خاص مقرر ہوا۔

منصب وزارت کا حصول:۔ شمس الدولہ نے کرمان پر فوج کشی کی۔ شیخ کو ساتھ لیا۔ اگرچہ اس حملہ میں ناکامی رہی لیکن اس سفر میں شمس الدولہ کو شیخ کے تدبّر اور انتظامِ ملک کی قابلیت کا حال معلوم

ہوگیا۔ اور کرمان سے واپسی پر اس نے شیخ کو قلمدانِ وزارت سپرد کر دیا۔ شیخ کو شاہی دربار میں جتنا تقرب اور اعزاز حاصل ہوتا تھا اتنے ہی اس کے دشمن اور اس پر حسد کرنے والے بڑھتے جاتے تھے۔ مدت سے انتظام ملک کی خرابی نے شمس الدولہ کا خزانۂ حکومت خالی کر دیا تھا۔ فوج اور عہدہ داروں کی تنخواہیں چڑھتی ہوتی تھیں۔ شیخ ایک دم سے انتظام نہیں کر سکتا تھا۔ حاسدوں کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا انھوں نے اپنے شیطانی ارادوں کے پورا کرنے کا ڈھنگ یہ نکالا کہ سپاہیوں میں مشہور کیا۔ کہ شیخ تمام روپیہ خود ہضم کر جاتا ہے اور تمہاری تنخواہیں نہیں دلواتا۔ فوج بگڑ کر شیخ کے گھر پر چڑھ دوڑی۔ اس کا سب مال و متاع لوٹ لیا۔ اور اس کو پکڑ کے شمس الدولہ کے پاس لے گئے کہ اس کو قتل کیا جاوے۔ شمس الدولہ فوج کو دبا نہ سکا۔ ناچار شیخ کی جان تو بچا دی لیکن اس کے مال و اسباب کی واپسی کا انتظام نہ کیا اور اُسے رہا کر دیا۔

شیخ موت کے پنجہ سے چھوٹ کر شہر ہی میں ایک دوست ابوسعید نامی کے مکان پر روپوش ہوگیا۔ چالیس دن وہ گوشہ نشین رہا۔ اس کے بعد شمس الدولہ کو قولنج کا سخت دورہ ہوا اور شیخ کی جستجو کی گئی وہ پھر دربار میں آیا اور اپنے علاج سے شمس الدولہ کو بہت جلد صحت سے ہمکنار بنایا یوں دوبارہ اس

کی آزادی بحال ہوئی۔ خلعت و انعام بھی ملا۔ جو کچھ اس کا نقصان ہوا تھا اس سے بدرجہا زائد مال پھر ہاتھ لگا اور قلمدان وزارت بھی مل گیا ٭

شمس الدولہ نے اس مرتبہ شیخ کا اعزاز خوب بڑھا کر اس کے دشمنوں کو نظر سے گرا دیا۔ اور انتظام ملک کا تمام سیاہ سفید اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ شیخ کاروبار وزارت کے ساتھ درس اور تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہتا تھا۔ اس کا مخلص رفیق اور شاگرد رشید ابوعبداللہ عبدالواحد برابر اس کے درس سے مستفید ہو رہا تھا۔ اس نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ارسطو کی کتابوں پر شرحیں لکھئے۔ لیکن شیخ نے معذرت کی اور کہا۔ "ملکی انتظام کا کام مجھ کو اتنی فرصت نہیں دیتا کہ میں کتب کا مطالعہ کروں اور اس کام کو انجام دوں جس کی تم خواہش کرتے ہو۔ مگر ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اپنی یادداشت اور خود اپنے دماغ کی مدد سے ایک کتاب اس قسم کی لکھوں گا جس میں غیروں کے اقوال اور مباحثات کا نقل نہ ہو۔ چنانچہ شیخ نے اسی عدیم الفرصتی کے زمانہ میں کتاب "شفا" تصنیف کی اور قانون کے پانچ حصوں میں سے بھی ایک حصہ اسی حالت میں لکھا۔ شیخ دن کو وزارت کا کام کرتا۔ اور رات کو درس اور بزم عیش و طرب کے مشغلہ سے دل بہلاتا۔ شمس الدولہ کی وفات کے

ہو گیا۔ اور کرمان سے واپسی پر اس نے شیخ کو قلمدانِ وزارت سپرد کر دیا۔ شیخ کو شاہی دربار میں جتنا تقرب اور اعزاز حاصل ہوتا تھا اتنے ہی اس کے دشمن اور اس پر حسد کرنے والے بڑھتے جاتے تھے۔ مدت سے انتظام ملک کی خرابی نے شمس الدولہ کا خزانۂ حکومت خالی کر دیا تھا۔ فوج اور عہدہ داروں کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ شیخ ایک دم سے انتظام نہیں کر سکتا تھا۔ حاسدوں کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا انھوں نے اپنے شیطانی ارادوں کے پورا کرنے کا ڈھنگ یہ نکالا کہ سپاہیوں میں مشہور کیا۔ کہ شیخ تمام روپیہ خود ہضم کر جاتا ہے اور تمہاری تنخواہیں نہیں دلواتا۔ فوج بگڑ کر شیخ کے گھر پر چڑھ دوڑی۔ اس کا سب مال و متاع لوٹ لیا۔ اور اس کو پکڑ کے شمس الدولہ کے پاس لے گئے کہ اس کو قتل کیا جاوے۔ شمس الدولہ فوج کو دبا نہ سکا۔ ناچار شیخ کی جان تو بچا دی لیکن اس کے مال و اسباب کی واپسی کا انتظام نہ کیا اور اُسے رہا کر دیا۔

شیخ موت کے پنجہ سے چھوٹ کر شہر ہی میں ایک دوست ابو سعید نامی کے مکان پر روپوش ہو گیا۔ چالیس دن وہ گوشہ نشین رہا۔ اس کے بعد شمس الدولہ کو قولنج کا سخت دورہ ہوا اور شیخ کی جستجو کی گئی وہ پھر دربار میں آیا اور اپنے علاج سے شمس الدولہ کو بہت جلد صحت سے ہمکنار بنایا یوں دوبارہ اس

کی آزادی بحال ہوئی - خلعت و انعام بھی ملا - جو کچھ اس کا نقصان ہوا تھا اس سے بدرجہا زائد مال پھر ہاتھ لگا اور قلمدان وزارت بھی مل گیا ؛

شمس الدولہ نے اس مرتبہ شیخ کا اعزاز خوب بڑھا کر اس کے دشمنوں کو نظر سے گرا دیا - اور انتظام ملک کا تمام سیاہ سفید اس کے ہاتھ میں دے دیا - شیخ کاروبار وزارت کے ساتھ درس اور تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہتا تھا - اس کا مخلص رفیق اور شاگرد رشید ابوعبید اللہ عبدالواحد برابر اس کے درس سے مستفید ہو رہا تھا - اس نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ارسطو کی کتابوں پر شرحیں لکھئے - لیکن شیخ نے معذرت کی اور کہا - "ملکی انتظام کا کام مجھ کو اتنی فرصت نہیں دیتا کہ میں کتب کا مطالعہ کروں اور اس کام کو انجام دوں جس کی تم خواہش کرتے ہو - مگر ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اپنی یادداشت اور خود اپنے دماغ کی مدد سے ایک کتاب اس قسم کی لکھونگا - جس میں غیروں کے اقوال اور مباحثات کا دخل نہ ہو - چنانچہ شیخ نے اسی عدیم الفرصتی کے زمانہ میں کتاب "شفا" تصنیف کی اور قانون کے پانچ حصوں میں سے بھی ایک حصہ اسی حالت میں لکھا - شیخ دن کو وزارت کا کام کرتا - اور رات کو درس اور بزم عیش و طرب کے مشغلہ سے دل بہلاتا - شمس الدولہ کی وفات کے

بعد اس کا بیٹا شیخ کے خلاف ہو گیا اور اس کا منصب وزارت جاتے رہنے کے علاوہ اس کو بعض دیرینہ دشمنوں کی چغل خوری کے باعث قید بھی ہونا پڑا ۔

اس زندان خانہ میں شیخ کا رفیق و شاگرد ابو عبداللہ بھی اس کے ہمراہ رہا اور محرک ہوا کہ فرصت غنیمت ہے ۔ اس وقت اگر آپ کتاب "شفا" کو مکمل کر دیں تو بہت اچھا ہو ۔ شیخ نے جواب دیا "یہاں نہ تو میری کتابیں ہیں اور نہ سامان تصنیف اس لئے اگر تم اسی امر پر قناعت کر سکو کہ جو باتیں میرے ذہن و دماغ میں ہیں انہی کو لکھ ڈالوں تو بیشک یہ امر ممکن ہے" ابو عبداللہ اس عذر کو صحیح سمجھنے کے باوجود بھی جانتا تھا کہ شیخ کو کتابوں کے دیکھنے اور ان سے مدد لینے کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ جو باتیں اس بے نظیر وقت امام فن کے دماغ میں محفوظ ہیں ان کے سامنے کسی کتاب کی کوئی حقیقت نہیں چنانچہ اس نے اصرار کیا اور شیخ کو مجبور کر دیا ۔ شیخ نے اسی قید کی حالت میں "شفا" کی کتاب الطبیعیات اور کتاب الحیوان دو حصے پچاس جز کے قریب اکیس دن میں لکھ کر تمام کر دئے ۔ اور "حی بن یقظان" "ہدایت الحکمت" دو کتابیں اور بھی تصنیف کیں ۔

علمی دنیا ابو عبداللہ کا یہ احسان کبھی نہ بھول سکیگی کہ محض اسی کی علمی تشنگی اور شوق حکمت نے

دُنیا کو ایسی نادر کتابوں کی نعمت عطا کی۔ اور شیخ کے علم کا پایہ بھی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سینہ کن معارف و حکمت کا گنجینہ تھا۔ اور وہ کیسی بے مثل مہارت تصنیف و تالیف میں رکھتا تھا +

شیخ کو اس محبس میں ہنوز چار ماہ گزرے نہیں ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں علاؤالدولہ فرمانروائے اصفہان نے تاج الدولہ کی گوشمالی اور ہمدان کو فتح کرنے کے ارادہ سے لشکر کشی کی۔ تاج الدولہ میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اس نے یزدان کے قلعہ میں جہاں شیخ قید تھا پناہ لی۔ علاؤالدولہ بآسانی تمام شہر ہمدان پر قابض ہو گیا۔ اس نے تاج الدولہ پر رحم کھا کر اُسے تاج بخشی کی اور خود اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ علاؤالدولہ کی واپسی کے بعد شیخ سے اس کے دشمن تاج الملک نے اپنی خطا کی معافی چاہی اور کہا کہ تاج الدولہ کے ہمرکاب ہمدان میں تشریف لے چلئے۔ شیخ نے قبول کر لیا۔ اور پھر شہر میں آ کر ایک علوی سید کے گھر ٹھیرا۔ ملاقات اور صحبت ترک کر دی۔ تصنیف و تالیف میں مشغول ہوا۔ علم طب کا مشہور رسالہ "ادویہ قلبیہ" وہیں لکھا۔ اور معتبر اقوال کے مطابق شمس الدولہ کی وفات کے بعد شیخ نے تقریباً دو سال کا زمانہ گوشہ نشینی اور تصنیف و تالیف ہی کے مشغلہ میں بسر کیا +

ہمدان میں رہنے سے دل بھر گیا تو شیخ کو اصفہان کی سیر کا شوق پیدا ہوا۔ علانیہ سفر کرنے میں تاج الدولہ کے مانع آنے اور زبردستی پکڑ رکھنے کا خوف تھا۔ اس واسطے درویشوں کا لباس پہنا اور بھائی ابو عبداللہ کے جو اس کا رفیق جاں نثار اور شاگرد رشید تھا چند غلام اور مختصر سامان ساتھ لے کر چلا روپوشی کے عالم میں سفر کی دقتیں جھیلتا ہوا شیخ اصفہان کے قریب پہنچا اور شہر سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں میں اترا۔ اس گاؤں کا نام "طبرک" تھا۔ علاؤ الدولہ کو اطلاع مل گئی کہ "شیخ بوعلی بن سینا" جس کے اشتیاق دید میں وہ مدتوں سے بیقرار تھا اس کے قلمرو میں آ گیا ہے۔ فوراً اسپ خاصہ سواری کے لئے اور وزرا و امرا کو پیشوائی کی غرض سے بھیجا اور بعزت تمام شیخ کو طلب کر کے اپنے دربار میں جگہ دی۔ ہر جمعہ کی شب کو مجلس علمی آراستہ ہوتی۔ شیخ کسی نہ کسی حکمت کے مسئلہ پر تقریر کر کے اپنی نکتہ رسی اور فلسفی لیاقت کا ثبوت دیا کرتا۔ انہی مجلسوں میں شیخ کی زباندانی میں خامی پر فن لغت کے امام ابی المنصور جبائی نے کوئی طعنہ دیا۔ شیخ اس وقت تو چپ ہو رہا لیکن گھر آتے ہی فن لغت کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور تین سال کی محنت میں ایک ایسی نادر کتاب لغت میں لکھی جس کی دس

جلدیں تھیں - یہ کتاب "لسان العرب" ہے - لیکن افسوس ہے کہ شیخ اس کے مسودہ کو صاف نہ کر سکا تھا کہ پیام اجل آ پہنچا - اور جب اس نے زباندانی کا تکملہ کر لیا تو تین قصیدے بہت فصیح و بلیغ لکھ کر مخفی طور سے بادشاہ کو نذر کئے اور ابی المنصور سے ان کے مطالب دریافت کرنے کو ایما کیا - چنانچہ ایک مجلس میں علاؤ الدولہ نے وہ قصائد ابی المنصور کو دئے اور کہا کہ ان کے مطالب حل کرو یہ آج ہی مجھ کو ملے ہیں - ابی المنصور نے قصائد پڑھے تو بہت سے مقامات اس کی سمجھ میں بھی نہ آ سکے - شیخ نے دیکھا کہ ابی المنصور خاموش ہے تو اس نے وہ مشکل اشعار خود حل کر دئے اور اس خوبی سے مطالب کی تشریح کی کہ تمام علمائے دربار متحیر رہ گئے - ابی المنصور سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ قصائد شیخ ہی کی تصنیف ہیں اور اس نے مجھ کو میرے طعن کا یوں جواب دیا ہے - لہذا وہ نادم ہو کر شیخ سے معذرت کرنے لگا اور اس کی ذہانت و طباعی کا لوہا مان گیا ۔

علاؤ الدولہ نے بھی شیخ پر زور ڈالا کہ وہ منصب وزارت قبول کرے - اگرچہ شیخ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے مقابلہ میں سلطنت اور انتظام ملک میں مصروف ہونے کو نا پسند کرتا تھا - لیکن تعمیل حکم میں چار و ناچار کار وزارت قبول کر لیا -

اور اس لیاقت سے خدمات وزارت ادا کیں جو اسی کا حصہ تھا - پھر لطف یہ کہ دن کو وزارت کا کام کرتا اور صبح کو مشغلہ درس و تدریس جاری رکھتا ؛
ابو عبد اللہ - کیا ئیش - بہمن یار - ابو منصور ذیلہ - عبد الواحد جرجانی اور سلیمان دمشقی شیخ کے جلیل القدر شاگرد تھے - ہمیشہ اس کی مجلس درس میں علم حکمت کی باریکیاں سنتے اور تحقیق کی داد دیتے تھے - ایک رات ان یاران مکتبی نے سامان دلچسپی سے حظ اٹھانے اور لہو و لعب میں بسر کی تھی - علی الصباح معمول کے موافق شیخ کی مجلس درس میں گئے تو وہاں جتنے مسائل پر شیخ نے تقریر کی ایک بھی ان کی سمجھ میں نہ آئے - استاد شفیق ان کے بشرہ سے تاڑ گیا کہ ان لوگوں نے کچھ سمجھا نہیں ہے - آہ سرد بھر کر اُن سے کہا - "میں نے سُنا ہے کہ رات تم لوگ وقتِ عزیز کو ضائع کرتے رہے تھے" سب شاگردوں نے ندامت کے ساتھ اپنے قصور کو مان لیا - اور شیخ نے انہیں نصیحت کی کہ حصول کمال کے شوق کو ایسے مشاغل سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا - تم کیسے شایق علم ہو کہ عمر گرانمایہ رائگاں کھوتے ہو - طلبہ پر شیخ کی مربیانہ نصیحت کا گہرا اثر ہوا اور اُنہوں نے آیندہ کے لئے ایسی خطا سے توبہ کی ؛
شیخ کو طبی معالجات سے بھی خاص شوق تھا - اور وہ اگر ادھر متوجہ نہ بھی ہوتا تو قدردان اور

حاجت مند اسے کب چھوڑتے تھے ۔ بیشمار عجیب و
غریب اور معرکہ کے علاج اُس کے ہاتھ سے ہُوئے
اور خلق اللہ کو شیخ کی ذات سے بیحد نفع پہنچتا رہا۔
شیخ طبی معالجات میں کسی کا پیرو نہ تھا ۔ بلکہ خود
مجتہد اور نئے نئے اُصول کا بانی اور موجد تھا۔ وہ
بہت کم کتابی نسخوں یا مرکب دواؤں سے کام لیا کرتا۔
خود نئے نسخے تجویز کرتا اور امراض کے متعلق ایسی
تحقیق پر مائل رہتا کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی
معلومات کا اِنکشاف کرے یا کسی جدید علامت کا
حال دریافت کرے ✦

ایک دولتمند و معزز آدمی "مالیخولیا" میں مبتلا ہوا۔
اسے یہ وسواس ہو گیا کہ وہ "گائے" بن گیا ہے۔
ویسی ہی بولی بولتا اور لوگوں سے کہتا "میں خوب
فربہ گائے ہوں مجھ کو ذبح کر کے میرا گوشت جلد
پکاؤ"۔ مرض دن بدن ترقی کرتا گیا ۔ کھانا پینا ترک
ہوا ۔ کمزوری سے اُٹھ سکنا مشکل ہو گیا ۔ اور جان پر
آ بنی ۔ تمام طبیب علاج کر تھکے ۔ صحت نہ ہوئی ۔ آخر
شیخ کی طرف رجوع لائے ۔ اور علاؤ الدولہ نے خود شیخ
سے سفارش کی کہ اس مریض کا علاج کیجئے۔ شیخ
نے پہلے مریض کے عزیزوں اور خادموں سے مفصل
حالات سُن لئے پھر ان سے کہا "مریض سے جا کر
کہ دو کہ قصاب کو اطلاع کر دی گئی ہے وہ جلد
آ کر تم کو ذبح کریگا"۔ مریض یہ مژدہ سُنتے ہی خوش

ہو گیا اور بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے ہی میں شیخ بھی بہت شان و شوکت کے ساتھ مریض کے یہاں جا پہنچا۔ اور چھری ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے کہا "وہ گائے کہاں ہے جو ذبح کی جائیگی؟ اس کو باہر لاؤ" شیخ کے استفسار کا جواب خود مریض نے گائے کی بولی میں دیا اور اپنا مقام بتایا۔ شیخ اس کے قریب گیا۔ اپنے ملازم کو حکم دیا کہ اس گائے کے ہاتھ پیر باندھ دو۔ پھر اس کے سینے پر بیٹھ کر قصاب کی طرح خوب اس کا جسم ٹٹولا اور کہا۔ "یہ گائے تو بیحد لاغر ہے۔ ذبح کرنے کے لائق نہیں۔ اس کو خوب کھلا پلا کر فربہ کرنا لازم ہے کہ جلد تیار ہو جائے" یہ کہکر شیخ تو چلا گیا۔ اور گائے یعنی مریض کو غذا دی جانے لگی۔ وہ بھی اس اشتیاق میں کہ اب ذبح ہونے کا وقت آ گیا ہے خوب کھاتا پیتا۔ غذا میں مناسب دوائیں شریک ہوتی تھیں۔ رفتہ رفتہ بیمار کی کمزوری بھی جاتی رہی اور مزاج بھی اصلاح پر آ گیا۔ علاؤالدولہ نے شیخ کے حسن تدبیر پر آفرین کہی اور اس کو خلعت و انعام سے سرفراز بنایا ۷

اسی وزارت کے زمانے میں شیخ نے متعدد کتابیں بھی تالیف و تصنیف کی تھیں۔ کتاب شفا کو تکمل کیا۔ منطق ۔ مجسطی ۔ اقلیدس ۔ ارثما طیقی (ارتھمیٹک) اور موسیقی کے مسائل جو پہلے باختصار

لکھے تھے ان میں اضافہ کیا - اور ایک تازہ کتاب "نجات" نامی لکھی - شیخ کی وسعت نظر اور خدا داد ذہانت سے علم تقاویم میں بھی فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ علاؤ الدولہ نے اس کو رصد خانہ بنانے کا حکم دیا - اور خزانہ شاہی سے اس کے مصارف ادا کرنے کی اجازت دے دی - سامان شروع ہوا - آلات وغیرہ سامان ضروری جمع ہوا اور جس قدر اس زمانے میں مل سکتا تھا وہ سب فراہم کر لیا گیا - شیخ نے تعمیر رصد خانہ کا اہتمام اپنے خاص شاگرد ابو عبد اللہ کے سپرد کیا تھا جس نے اس کام میں پوری کوشش کی - اور شیخ نے ایک رسالہ رصد اور رصدگاہ کے متعلق تمام ضروری مسائل اور لوازمات و طریق عمل پر حاوی تصنیف کر کے ابو عبد اللہ کے حوالہ کیا تھا - اسی کی ہدایتوں پر عمل کر کے ابو عبد اللہ سامان و آلات وغیرہ فراہم کرتا رہا - لیکن شیخ کی عدیم الفرصتی اور علاؤ الدولہ کے بکثرت سفر میں رہنے کے باعث یہ قابل قدر کام ناتمام رہ گیا - عمارت رصدگاہ کی مکمل نہ ہو سکی - اور اس کام میں ہاتھ ڈالنے کا صرف یہ نتیجہ نکل کر رہ گیا کہ علم نجوم و فلکیات کے متعلق بعض پیچیدہ مسائل حل ہو گئے +

اسی زمانہ میں شیخ نے اپنے مخدوم علاؤ الدولہ کے نام پر ایک کتاب فن حکمت میں تصنیف کی اور اس کا نام "علائیہ" رکھا - شیخ کی مستغنی طبیعت

مال و جاہ دُنیاوی کی کچھ پروا نہیں رکھتی تھی۔ ایک مرتبہ علاؤالدولہ نے اس کو اپنا خاص مرصّع پٹکہ اور خنجر انعام میں دیا۔ یہ اتنا معزّز تحفہ تھا کہ اور کسی کو ملتا تو وہ فخر کے ساتھ اسے استعمال کرتا اور موجب عزّت سمجھتا۔ لیکن شیخ نے یہ تحفہ اپنے ایک غلام کو بخش دیا۔ اور علاؤ الدولہ نے اتفاق سے وہ چیزیں غلام کے پاس دیکھ کر جب یہ معلوم کیا کہ شیخ نے اس کے بے نظیر عطیہ کی ایسی بے قدری کی ہے وہ سخت برہم ہوا اور شیخ کے قتل کی فکر میں پڑ گیا۔ اگرچہ شیخ کا ایک زمانہ قدردان تھا اور سلاطین وقت اس کے اپنے دربار میں رہنے کو باعث فخر مانتے تھے۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جو بادشاہ یا امیر اس سے ناخوش ہوا وہ اس کی جان ہی کا خواہاں بنا۔ شیخ کو تو اس قسم کے حادثات پیش ہی آتے رہتے تھے۔ وہ ان باتوں کی پروا بھی نہ کرتا تھا۔ اس کے خاص دوستوں نے اطلاع دی کہ علاؤ الدولہ آپ کی جان کا لاگو ہو رہا ہے۔ شیخ چند ہمراہیوں کو لے کر اسی وقت اصفہان سے شہر رَے کی طرف چل دیا +

شیخ رَے کے بازار میں جا رہا تھا۔ ایک جوان طبیب کے پاس مریضوں کا ہجوم دیکھ کر رُک گیا۔ جوان طبیب لوگوں کے قارورے اور اُن کی نبض

دیکھ کر دوا تجویز کرتا جاتا تھا۔ ایک عورت کی باری آئی اور اس نے قارورہ دکھایا تو جوان طبیب نے اس سے کہا "یہ قارورہ یہودی کا ہے اور وہ نشیبی جگہ میں رہتا ہے" عورت نے اس کی تصدیق کی۔ اور شیخ کو جوان طبیب کی فراست پر تعجب ہوا۔ اتنے ہی میں جوان کی نظر شیخ پر بھی جا پڑی۔ اس نے شیخ کو بلا کر اپنے سے بلند مقام میں بٹھا لیا۔ اور جب مطب سے فارغ ہو چکا تو شیخ سے کہا "آپ شیخ الرئیس بو علی سینا ہیں۔ اور علاؤ الدولہ کے خوف سے اصفہان چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں" اب شیخ کی حیرت حد سے بڑھ گئی اور وہ اس نوجوان کو غیب داں سمجھنے پر آمادہ ہوگیا ہوتا اگر اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ جوان طبیب کو خداوند کریم نے قیافہ دانی اور نکتہ رسی کا بہت بڑا حصہ عطا کیا ہے۔ بہر حال اس جوان طبیب نے شیخ کو اپنا مہمان رکھا اور نہایت عزت و تکریم سے اس کی خدمت کرتا رہا۔

ابھی شیخ کو رَے میں آئے چند دن سے زیادہ نہ گزرے ہونگے کہ علاؤ الدولہ کو ایسے فاضل بے نظیر کے ہاتھ سے کھو دینے پر ندامت ہوئی اور اس نے معذرت نامہ لکھ کر شیخ کی طلب میں قاصد دوڑائے۔ شیخ کی طبیعت میں غرور اور کینہ مطلق نہ تھا۔ وہ طلبی کا اشارہ ملتے ہی بلا تامّل

اصفہان چلا گیا اور اپنے جوان میزبان کو بھی ساتھ لے گیا۔ جسے علاؤ الدولہ کی مصاحبت میں جگہ دلوائی اور اس کی عزت بڑھائی +

شیخ نے علاؤ الدولہ کی خدمت بیحد دلسوزی سے کی۔ اس کو کئی مرتبہ مہلک مرض کے حملہ میں اپنی بے مثل تدابیر سے محفوظ رکھا۔ سلطان مسعود نے اور خراسان کے تاجدار نے علاؤ الدولہ پر حملہ کیا۔ علاؤ الدولہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلا۔ اور مسعود اس کی بہن کو گرفتار کر کے لے گیا۔ شیخ چونکہ علاؤ الدولہ کا نمک خوار ہو چکا تھا۔ اس کو گوارا نہ ہوا کہ سلطان مسعود اس کے آقائے نعمت کی بہن کو ذلیل کرے۔ لہذا اس نے ایک موثر تحریر سلطان مسعود کو لکھی۔ اور علاؤ الدولہ کی بہن کے اوصاف کی بیحد تعریف کر کے سلطان کو ترغیب دلائی کہ وہ اس خاتون سے عقد کر لے اور اسے اپنی حرم خاص بنائے۔ یوں علاؤ الدولہ بھی اس کا زیر بار منت و احسان ہو کر مطیع بن جائیگا۔ سلطان مسعود نے شیخ کی اس ہدایت پر عمل کیا۔ اور علاؤ الدولہ ایک بڑی بے حرمتی سے بچ رہا۔

دوسری مرتبہ جب سلطان مسعود نے کسی بات پر ناراض ہو کر علاؤ الدولہ کو لکھا کہ وہ اس کی بہن کو طلاق دے کر سخت ذلیل و خوار کریگا۔ تو شیخ ہی نے پھر ایک مناسب خط کے ذریعے سلطان

کو ایسی قبیح کارروائی سے باز رکھا اور علاؤ الدولہ کی طرف سے اس کا دل صاف کر دیا۔

وفات:۔ شیخ اپنا علاج خود ہی کیا کرتا تھا۔ اس کو درد قولنج کی شکایت تھی۔ قبض دور کرنے کے لئے حقنہ لیا کرتا۔ علاؤ الدولہ نے ایک غنیم پر چڑھائی کی اور شیخ اس کے ساتھ تھا۔ درد کا دورہ ہوا۔ شیخ نے جلد تر مرض سے نجات پانے کے واسطے ایک دن میں آٹھ مرتبہ حقنہ کیا۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبض تو جاتا رہا۔ لیکن آنتوں میں کچھ خراش آ گئی اور ایک تکلیف سے چھوٹ کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ بڑی مشکل یہ آ پڑی کہ اسی دن علاؤ الدولہ نے دوسرے مقام کا ارادہ کیا اور شیخ کو سفر کرنا ضروری ہو گیا۔ ایسی حالت میں حرکت سخت خطرناک تھی۔ مگر مجبور تھا۔ روانہ ہوا مقام مقصود پر پہنچا تو مرگی اور تشنج کے آثار اس پر عیاں ہوئے۔ کبھی کبھی قولنج کے بعد یہ حالت مریض پر طاری ہوا کرتی ہے۔ اور بھی متعدد امراض پیدا ہو گئے جنہوں نے طبیعت کو سخت کمزور بنا دیا اور اب یہ حالت ہو گئی کہ شیخ کو زندگی سے مایوسی ہو چلی۔ علاج میں ایک سخت بے احتیاطی یہ ہوئی کہ اس نے قبض توڑنے اور کسر ریاح کی غرض سے دو دانگ تخم کرفس اپنے نسخہ میں رکھا تھا۔ مگر جو طبیب اس کے واسطے دوا بناتا تھا اس نے پانچ درم

تخم کرفس نسخہ میں ڈال دیا۔ خواہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ یا بھول کر۔ لیکن شیخ کو اس دوا کے پینے سے کمال اذیت ہوئی۔ آنتوں کی خراش اس کی گرمی سے بڑھ گئی۔ مرگی کو دُور کرنے کے واسطے وہ مثرودیطوس کا استعمال کرتا تھا۔ بد دیانت غلاموں نے جو شیخ کی بہت کچھ دولت چُرا کر اب اس خوف سے کانپ رہے تھے کہ وہ حساب دیکھیگا تو ہماری شامت آئیگی اس کی جان لینے کا ارادہ کیا اور بہت سی افیون دوا میں ملا دی۔ یہ دوا پیتے ہی شیخ کا حال متغیر ہوگیا۔ حس و حرکت کے قابل نہ رہا۔ اور اسی حالت سے وہ اصفہان لایا گیا۔ اب شیخ کے جسم میں قوت بالکل نہ تھی۔ اس نے علاج ترک کر دیا اور خدا پر شاکر ہو بیٹھا۔ بد پرہیز اعلیٰ درجہ کا تھا۔ شروع سے اپنی بے احتیاطیوں ہی کے ذریعے بیماری بڑھائی اور جب قوت زائل ہو گئی تو تدبیر سے کیا ہو سکتا تھا۔ زندگی کے باقی دن اسی تکلیف سے کاٹے اور آخرکار ۴۲۸ھ میں ۵۳ سال عمر پا کر دنیا سے چل بسا۔

شیخ کی وفات کے بعد اُسے شہر ہمدان کے پچھم جانب دیوار فصیل کے نیچے دفن کیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں اُس کی لاش اصفہان میں لائی گئی۔ اور خاص اس کے مکان سکونت "کون گنبد" کے دروازہ پر دفن کی گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیخ مرض تولنج

کا حکمی علاج کیا کرتا تھا - لیکن خود اسی مرض میں فوت ہوا اور کوئی دوا کارگر نہ ہو سکی - چنانچہ اس کے کسی ہمعصر نے اس امر کے متعلق کہا ہے :-

رَاَیْتُ اِبْنَ سِیْنَا یُعَادِی الرِّجَالَ

ابن سینا جو لوگوں سے مخالفت کیا کرتا تھا میں نے اُس کو دیکھا کہ

وَ بِالْحَبْسِ مَاتَ اَخَسَّ الْمَمَاتِ

وہ قبض سے بُری طرح مر گیا

فَلَمْ یَشْفِ مَا نَالَہٗ بِالشِّفَاءِ[۵۱]

نہ اُس کو "شفا" (۵۱ کتاب کا نام جو شیخ کی تصنیف ہے) سے کچھ حاصل ہوا -

وَ لَمْ یَنْجُ مِنْ مَوْتِہٖ بِالنَّجَاتِ[۵۲]

اور نہ وہ "نجات" (۵۲ شیخ کی ایک کتاب کا نام) کے ذریعے اپنی موت سے بچ سکا ٭

شیخ کا مذہب :- کیا تھا؟ اس بارہ میں سخت اختلاف ہے - بعض اس کو اہلِ سنت و الجماعت بتاتے ہیں - تو چند شیعہ قرار دیتے ہیں - اور اکثر نے اس پر کفر کا الزام لگایا ہے - لیکن شیخ نے کفر و بد دینی کے طعنوں کا جواب اپنی ایک رباعی میں دیا ہے جو حسب ذیل ہے :-

رباعی

کفرِ چو منے گزاف و آساں نبود ۔ محکم تر از ایمانِ من ایماں نبود

در دہر یکے چو من و آں ہم کافر ۔ پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

اِس رباعی میں شیخ اپنے کفر کی تردید اور لطیف پیرایہ میں اسلام کا اقرار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے عقائد کا حال ایک خط کے پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے جو اس نے اپنے ایک زاہد و عابد دوست ابو سعید کو لکھا تھا شیخ اس خط میں لکھتا ہے:-

"خوب یاد رکھو کہ نماز بہترین عمل ہے اور روزہ بہت اچھا سکون۔ صدقہ تمام نیکیوں سے بڑھ کر مفید نیکی ہے۔ اور پاکیزہ ترین خوبی تحمّل و بردباری ہے"۔

ہم کو چونکہ مذہب سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں اس واسطے صرف اس قدر لکھنا کافی تصوّر کیا گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فیلسوف و حکیم کبھی اس اوہام پرستی کے پھندے میں نہیں رہ سکتا جو عام اہلِ ادیان کا خاصہ ہے۔ اس لئے آزاد خیالی اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور قدامت پسند یا لکیر کے فقیر پیروان مذاہب اس طرح کے علما و حکما پر بد دینی کا الزام لگاتے ہی رہتے ہیں۔

شیخ کے کارناموں کی قدردانی:- شیخ نے علمی دُنیا میں جو کچھ کام کیا اس کا اچھا یا بُرا ہونا اسی امر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آج علم و فن کی ترقی کے بے مثل زمانے میں یورپ کی علم دوست قومیں بھی اس کی طبّی تصانیف سے پُورا پُورا فائدہ حاصل کر رہی ہیں گو یہ افسوس ہے کہ اس فخرِ ایشیا حکیم و طبیب کی قدر و منزلت خود اس کے ملک والوں نے بہت کم

کی - لیکن کمال اپنے قدردان ضرور پیدا کر لیتا ہے۔
اسی وجہ سے یورپ اس کی تحقیقات پر دلدادہ ہوا
اور ہے - جرمنی کے طبی مدارس میں شیخ کی کتابوں
کے ترجمے پڑھائے جاتے ہیں - اور اکثر یورپ کے نامور
طبیب اس کی آراء کو مسلم مانتے ہیں - شیخ کی وہ
تصانیف جن کا آج ایشیا میں نام و نشان تک نہیں
ملتا یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود
ہیں اور وہاں کے بڑے بڑے حکما اور علما مسلمان
فیلسوفوں میں سے فارابی - بوعلی سینا - اور ابن رشد
کے علمی کارناموں کا سچے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔



ابنِ حزم

نام و نسب :- علی نام - ابو محمد کنیت - باپ
کا نام احمد تھا - سلسلہ نسب "علی بن احمد بن سعید
بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان
بن سفیان" ہے - سفیان یزید بن ابی سفیان اموی
کے مولے تھے اور در اصل وہ ملک فارس کے
رہنے والے تھے - پہلے وہی مشرف باسلام ہوئے۔
اندلس میں ابن حزم کا پڑدادا حزم آیا اور یہیں رہ
پڑا تھا - ابن حزم کا باپ احمد بن سعید نہایت
مدبر وزیر تھا اور صاحب املاک و جاگیر - ابن حزم

کو آبائی میراث میں اچھی جائداد ملی تھی اور وہ امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا +

ولادت تعلیم و تربیت :- ماہ رمضان ۳۸۴ھ کی آخری "تاریخ" بدھ کے دن شہر قرطبہ کے مشرقی محلہ میں پیدا ہوا۔ اور ایک وزیر کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے بڑی راحت و آرام کے ساتھ پلا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ زبان۔ انشا پردازی۔ فقہ۔ حدیث۔ اور تفسیر کے علوم میں اچھا ماہر ہونے کے بعد منطق و فلسفہ کی تعلیم قرطبہ کے نامور عالم محمد بن حسن مذحجی سے پائی جو "ابن الکنانی" کے لقب سے مشہور اور بڑا فاضل شخص تھا +

ابن حزم نہایت ذہین۔ طبّاع۔ اور سمجھدار شخص تھا۔ یادداشت اور حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو بات سنتا یا جو کتاب ایک بار دیکھ لیتا وہ فوراً یاد ہو جاتی۔ زباندان اور شاعر بھی تھا۔ فی البدیہہ نظم لکھنے میں کمال رکھتا تھا۔ پہلے اور علموں سے شوق رہا اور اخیر میں علم حدیث کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہو گئی اور اسی علم میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مسلمان علمائے اندلس میں ابن حزم کو سب سے بڑھکر علوم کا جامع مانا گیا ہے۔ یہ طبیب بھی تھا۔ کئی رسالے طب میں لکھے تھے۔ کتاب "الفصل فی الملل و الاہواء و النحل" یعنی مذاہب عالم کی بے مثل تاریخ اسی کی تصنیف ہے +

ابن حزم اور ابوالولید سلیمان الباجی کے مابین بہت سے مناظرے اور جھگڑے ہوئے تھے جن کا بیان موجب طوالت ہوگا۔ وہ اگلے زمانے کے علما پر بہت منہ آیا کرتا تھا۔ کم ہی کوئی اس کی زبان سے بچا ہوگا۔ یہی سبب تھا کہ لوگ اس کے مخالف ہوگئے اور اسے برا بھلا کہتے تھے۔ اس کے اقوال رد کر کے اس کو گمراہ اور بے دین قرار دیا اور ہمعصر عالموں نے بادشاہان وقت سے کہا کہ ابن حزم مفسد ہے اس کے فتنہ سے ڈرتے رہو۔ عوام کو بھڑکا کر ابن حزم سے ملنے کی ممانعت کی۔ اسی وجہ سے بادشاہوں نے ابن حزم کو اپنے دربار میں نہ آنے دیا بلکہ اسے اپنے ملکوں سے بھی نکال دیا۔ اور ابن حزم اسی آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی حالت میں پھرتا پھراتا صحرائے لَبْلَہ میں چلا گیا +

ایک مورخ کا قول ہے کہ ابن حزم کی زبان اور ظالم حجاج بن یوسف کی تلوار دونو میں برادری کی نسبت تھی۔ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ابن حزم نے فقہ کے اماموں پر بڑی سخت چوٹیں کی ہیں۔ خصوصاً اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں جس کا اوپر ذکر آچکا ہے اس نے اہل سنت والجماعت پر بڑے زبردست حملے کئے ہیں +

ابن حزم اس جلا وطنی کی حالت میں اپنے جاگیر کے گاؤں "منت لیشم" میں اکثر رہا کرتا۔ یہ قریہ

"لبلہ" کے علاقہ میں واقع ہے +

تصانیف :- علاوہ اُن کتابوں کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے - ابن حزم نے اور بھی بکثرت کتابیں اچھی اچھی لکھی تھیں - ابن حزم کا بیٹا "ابو رافع الفضل" بیان کرتا ہے کہ اس کے پاس خاص اس کے باپ کے قلم سے لکھی ہوئی چار سو جلد کتابیں ہیں - جن میں تقریباً اسی ہزار ورق ہونگے +

ایک کتاب "اظہار تبدیل یہود و نصارے للتوراة والانجیل" لکھی ہے - اس میں ظاہر کیا ہے کہ یہود و نصارے نے اپنی آسمانی کتابوں میں کیا ردّ و بدل کیا ہے اور جو کتاب آج ان کے پاس موجود ہے اُس میں کیا تناقض پایا جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کی کچھ تاویل بھی نہیں بن پڑتی - اس مبحث پر سب سے پہلے ابن حزم ہی نے کتاب لکھی ہے +

فقہِ حدیث میں "ایصال" نامی ایک جامع کتاب لکھی ہے اس میں صحابہ اور اُن کے بعد آنے والے مسلمان اماموں کے فقہی اقوال نقل کرکے ان پر جو اعتراضات اور جوابات ہو سکتے تھے ان کو بھی درج کرتا گیا ہے +

منطق میں کتاب "التقریب" اس کی عجیب انداز کی تصنیف ہے - بیان کا طرز بیحد دلنشین ہے +

ابن حزم کے حکمت آمیز اقوال بھی بکثرت اور نہایت اعلٰے درجہ کے ہیں - وہ اپنے گاؤں

"مَنَت لیشم" میں بماہ شعبان ۴۵۶ھ فوت ہوا اس کا بیٹا ابو رافع الفضل نہایت فاضل شخص اور "معتمد بن عباد" حاکم اشبیلیہ کا مصاحب خاص تھا۔ اور اسی کے ساتھ جنگ "زلاقہ" میں مقتول ہوا۔ اور ابن حزم کا باپ شاہان بنی عامر کا وزیر رہا تھا۔ وہ بڑا صاحب تدبیر اور اعلےٰ درجے کا ذی علم شخص تھا ٭



ناصِر خسرو

نام و نسب:۔ حکیم ابو المعین ناصر بن خسرو علوی۔ ملک خراسان کا قدیم شاعر۔ اور شاعری کے علاوہ علوم حکمیّہ اور فلسفہ میں بے مثل فاضل تھا۔ امام علیؓ بن موسیٰ الرضاؓ اس کے آٹھویں جَد اور مورث اعلےٰ ہیں۔ امام ممدوح کے وقت سے ناصر کے باپ دادا خراسان میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ حضرت امام رضاؓ کا مزار شہر "طوس" علاقہ خراسان میں ہے جو اس زمانہ میں "مشہد" کہلاتا ہے۔ مورخین نے اس کے حالات بہت ہی کم لکھے ہیں اور جو لکھے ہیں وہ زیادہ تر ناقابل اعتبار۔ اگر ہم مورخین کی اس فروگزاشت کو کہ وہ اس کے حالات

لکھنے سے عاری رہے اس کے علم و فضل کی قدر نہ کرنے کے نام سے موسوم کریں تو غالباً اس میں کوئی بیجائیت نہ ہوگی۔ وہ تو اس کے سفرنامہ اور دیوان کے کچھ حصّہ کا وجود اس کی لیاقت کا مخبر بنا ورنہ معاصر علما اور تذکرہ نویسوں نے تو اس فاضل و حکیم کا نام ہی مٹا دیا تھا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک ہی زمانہ کے آدمیوں میں باہمی رقابت اور ناچاقی ہونا ایک طبعی اور قدرتی امر ہے لیکن ایسی بھی مخالفت کس کام کی جو کسی جوہر قابل کی قدر نہ کرنے دے۔ ہر وقت اور زمانہ کے علما اور مؤرخین ایک دوسرے کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔ ان کی معاصرت نے اگر کوئی باہمی اختلاف رائے پیدا کیا ہے تو ایک نے دوسرے پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ اس نکتہ چینی سے بعد میں آنے والے مؤرخین کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ ان لوگوں کی نسبت جن پر عیب لگائے گئے ہیں مفصّل حالات سے واقف ہوں اور ان کے اخلاق و عادات پر صحیح رائے قائم کر سکیں۔ لیکن ناصر خسرو کے ہمعصر شاید اسے "اسمٰعیلیہ" فرقے کا پیرو سمجھ کر اس سے اتنی نفرت کرتے رہے کہ اس کا کوئی تذکرہ اپنی کتابوں میں نہ کیا ؏

اگرچہ ہمعصروں نے ناصر خسرو کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تھا لیکن اس کی قابلیت کہ رہی تھی کہ "اے ناقدر دانو! ٹھیر جاؤ! تم کو اپنی اس فروگزاشت پر

بہت جلد پشیمان ہونا پڑیگا۔ اور میرا جوہر اب نہیں تو میرے بعد تم سے یہ منوا لیگا کہ تم نے جس شخص کو بُرا سمجھا وہ در اصل بُرا نہ تھا" بہرحال جب ناصر خسرو کا دیوان اشعار اور اس کی دوسری تصانیف کی ملک میں اشاعت ہوئی تو لوگوں نے اس کی قدر جانی۔ انہوں نے دیکھا کہ ناصر خسرو کا مزار کوہستان بدخشان میں عام و خاص کی زیارت گاہ بنا ہے۔ اب مورخین کو اس کے حالات لکھنے کا خیال ہوا۔ انہوں نے صحیح و غلط جو کچھ سُنا وہی قلمبند کر دیا ان حالات میں زیادہ تر ناصر کو ملنے والوں کی عقل اور قیاس سے دور روایتیں ہیں۔ ان میں سے سچی باتوں کا انتخاب سخت کٹھن کام ہے۔ ہاں فرانس کے ایک نامور "مستشرق[۱]" "چارس شیفر" نے اس حکیم کی ایک سوانح عمری اپنی زبان میں لکھی ہے اور اس نے بڑی کنج کاوی کے ساتھ صحیح قیاسات قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اور اسے کتنی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ ہم ذیل میں کچھ مورخین ایشیاہی کی تصانیف سے اور کسی قدر خود ناصر خسرو کے سفرنامہ اور کلام سے اس کے حالات کا استنباط کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ یہ سوانح بہت کچھ صحیح اور حقیقت سے قریب ہونگے۔

[۱] وہ یورپین عالم جو مشرقی علوم کے محقق ہوں۔

ولادت ۔ تربیت اور تعلیم:۔ ناصر خسرو کی تاریخ ولادت میں سخت اختلاف ہے ۔ معتبر قول یہ ہے کہ وہ ۳۹۴ھ میں بمقام شہر بلخ پیدا ہوا ۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

"بگزشت ز ہجرت پس سیصد نود و چار
بنہاد مرا مادر بر مرکز غبرا"

اور یوں اپنی تاریخ ولادت بتاتا ہے ۔ پھر ایک اور شعر میں شہر بلخ کو اپنا وطن اور جائے ولادت اس طرح ظاہر کر رہا ہے ؎

"اے باد عصر گر گزری بر دیار بلخ
بگزر بخانۂ من و آنجا بجوے حال"

خاندان سیادت کا نور نظر ہونے کی وجہ سے ابتدائی تعلیم جیسی ہو سکتی تھی ظاہر ہے ۔ سب سے پہلے کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کا حافظ بنا ۔ ۹ سال کی عمر میں اس سے فارغ ہو کر ۔ پھر مروجہ علوم ادب ۔ منطق ۔ دینیات ۔ ریاضیات اور نجوم و رمل میں کئی سال تک مشغول درس رہا اور فاضل یگانہ بن گیا ۔ اسلامی علوم کے علاوہ اگلے ادیان اور ان کے آسمانی صحیفوں کا بھی بہت زبردست عالم تھا ۔ یہودی اور عیسائی مذاہب کے علما اپنے مشکل دینی مسئلوں میں اس سے فتوے لیا کرتے تھے ۔ ناصر خسرو کے سفر نامہ سے پتا ملتا ہے کہ وہ عبری زبان کے لکھنے اور پڑھنے میں بخوبی قادر تھا ۔ کیونکہ فلسطین

کے سفر میں اس نے عبرانی زبان کے قدیم کتبوں کو حل کیا ہے۔

علمی اور عملی زندگی:۔ تحصیل علم و کمال کے بعد ناصر خسرو نے کچھ عرصہ تک درس بھی دیا۔ اور پھر علمی تحقیقات کا شوق دامنگیر حال ہونے پر سیاحت اختیار کی۔ پہلا سفر اپنے وطن شہر بلخ سے "مروشاہجہاں" کی طرف کیا۔ یہ شہر خراسان کا ایک مرکزی مقام اور سلجوقی خاندان کے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے۔ اس کی خاک سے اکثر نامی گرامی علما و فضلا پیدا ہوئے ہیں۔ ناصر خسرو یہاں پہنچا اور اس کے علم و لیاقت کا آوازہ "امیر چغر بک[۵۱] سلجوقی" نے سُنا تو اس کو اپنی مجلس میں بلوایا اور مال کے دفتر کا افسر بنا دیا۔

۴۳۲ھ یعنی ۴۲ سال کی عمر ہونے تک امیر چغر کے دربار میں عزت و نیکنامی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اپنا کام نہایت خوبی سے انجام دیا۔ اور دنیاوی جاہ و عزت کا خوب لطف حاصل کیا۔ مگر اخیر میں سلطنت کی خدمات سے دل اُچاٹ ہو گیا۔ اور حج و زیارت سیر و سیاحت کے شوق نے دل میں گُدگُدی پیدا کی۔ نوکری اور جاہ و حشم سے کنارہ کیا۔

---

۵۱ چغر بک۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا چھوٹا بھائی اور اس کی طرف سے شہر مروشاہجہاں پر حاکم مقرر تھا۔ سلطان ملک شاہ کا پایہ تخت شہر "نیشاپور" تھا۔ مؤلف

سفر پر کمر باندھی - چھوٹا بھائی "ابو سعید" اور ایک غلام رفیق ہوا - یہ زبردستی ساتھ ہو لئے تھے - اور یوں مرو شاہجہاں سے چل نکلا +

سیاحت :- ناصر خسرو خراسان کے شہروں - عراق کی بستیوں - آرمینیا کے مقاموں اور شام و فلسطین کی آبادیوں میں گھومتا پھرتا ٹھیک حج کے ایام میں مکۂ مکرمہ پہنچا - ارکان حج ادا کئے - روضۂ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوا اور پھر مصر کو چلا گیا - مصر کا قیام کچھ ایسا پسند آیا کہ بقول بعض سات برس - اور معتبر قول کے لحاظ سے تین سال وہاں بسر کئے - اس عرصہ میں دو مرتبہ اور بھی حج و زیارت کا شرف حاصل کیا - مصر میں اس کے پہنچنے کا زمانہ "خلیفہ مستنصر باللہ علوی فاطمی عبیدی[1]" کا عہد تھا - ناصر خسرو کی ایک درباری امیر سے دوستی ہو گئی - اس کے وسیلہ سے قصر خلافت اور قلعہ قاہرہ کی سیر نصیب ہوئی - یہ تو پتا نہیں چلتا کہ

[1] اس خاندان حکومت کا بانی عبید اللہ المہدی عالی نسب والا حسب سید آل رسول صلعم تھا اس نے مہدویت کا دعوےٰ کیا اور پہلے افریقیہ میں اور پھر مصر میں زبردست حکومت قائم کی - یہ خاندان مصر میں خلافت کا مدعی اور بنی عباس خلفاے بغداد کا حریف تھا - مستنصر باللہ علوی اس خاندان میں نہایت ذی سطوت حکمران ہوا ہے اس نے اپنی دعوت کو بیحد فروغ دیا اور مصر کے علاوہ بنی عباس کے کئی ممالک پر متصرف ہو گیا تھا + مؤلف

آیا دربار میں بھی اس کی رسائی اور خلیفہ مستنصر باللہ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ناصر کو خلیفہ کی زیارت حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے سفرنامہ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ایسا اہم واقعہ بلا ذکر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ مگر ایک خیال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ناصر خسرو نے عمداً خلیفہ مستنصر باللہ سے اپنی ملاقات کا ذکر نہ کیا ہو اس لئے کہ اس زمانہ میں مملکت عباسیہ کی رعایا مصری خلفا سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی تھی۔ اور ایسا کرنے والا مجرم متصور ہوتا تھا۔ بلکہ عراق کے سفر کا حال لکھتے ہوئے ناصر خسرو نے اپنے ہر جگہ جانے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کربلائے معلےٰ۔ نجف اشرف۔ اور کاظمین میں گزر کرنے کا نام ہی نہیں لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان متبرک مشاہد کی زیارت بھی سیاسی جُرم رہی ہوگی۔ ورنہ ایک آزاد منش سیاح یہاں کیوں نہ جاتا۔ اور کس لئے ان کے ذکر سے پہلو بچاتا +

انقلاب عقائد:۔ ناصر خسرو فیلسوف عالم تھا۔ وہ اندھی تقلید پر کبھی عامل نہیں رہا۔ لیکن خاندان سیادت کا نور نظر۔ صاحب علم و ہنر اور عالی گوہر ہونے کی وجہ سے ابتدا میں اس کی طبیعت دینداری کی طرف ضرور مائل تھی۔ یہ تو صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس عقیدہ کا پابند تھا۔ مگر شیعۂ امامیہ

بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ سفرنامہ میں اِس کے جا بجا ایسے جملے نظر سے گزرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اثنا عشری مذہب سے بے تعلق تھا۔ اور اجنبی۔ بہر حال پہلے کیسا ہی اور کچھ عقیدہ کیوں نہ رکھتا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ قیام مصر کے بعد جب وہ اپنے وطن میں واپس آیا۔ تو خلیفہ مستنصر باللہ کی محبت دل میں لایا۔ اور علویہ اور اسمٰعیلیہ دعوت کی منادی کرنے لگا۔[1]

اس دعوے کو لوگوں سے منوانے کے لئے ناصر خسرو نے ہمعصر علما سے مناظرہ کرنا شروع کیا۔ اِسی مناسبت سے اپنا تخلص حجت قرار دیا۔ اصفہان اور رستم دار کے علما بحث میں اس سے ہارے تو اس

[1] اسمٰعیلیہ فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند اکبر امام اسمٰعیل ۴ امام ہفتم تھے۔ ان کے نزدیک اماموں کی تعداد بارہ نہیں بلکہ سات ہونی چاہیئے۔ ہاں ہر امام کے ۱۲ نقیب ہونے ضرور ہیں۔ اسی طرح امامت کے متعدد سلسلے سات سات اماموں پر تمام ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس فرقہ کے عقیدہ میں امام اسمٰعیل ساتویں امام تھے مگر وہ ان کے فرزند امام محمد کو سابع تام یعنی "امامت کے درجہ ہفتم کو مکمل کرنے والا مانتے ہیں۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن مانتے ہیں جو دُنیا میں دعوئے امامت کے ساتھ نمودار نہیں ہوئے۔ اور چوتھے امام عبید اللہ المہدی نے مغرب میں اس دعوت کو ظاہر کیا۔ یہی مہدی مصری خلفائے فاطمیین کے خاندان کا بانی اور مورث اعلےٰ ہے۔ یہ مذہب شرع کو فلسفہ کا تابع مانتا اور اسی وجہ سے فیلسوف دماغوں کے حسب مذاق ثابت ہوتا ہے۔ مولف

پر کفر و الحاد کا الزام لگا کے قتل کے درپے ہوئے۔ ناصر وہاں سے بھاگ کر خراسان کی طرف چلا۔ راستہ میں شیخ ابو الحسن خرقانیؒ[1] سرآمد مشائخ سے ملاقات ہوئی۔ اور شیخ نے اس کو اپنی روشن ضمیری کا قائل بنا دیا۔ یہ قصہ اگرچہ وثوق کے قابل نہیں تاہم دلچسپی کے لحاظ سے بالاختصار ہم اس کو ذیل میں درج کئے دیتے ہیں :-

شیخ ابو الحسن خرقانیؒ حکیم ناصر کی آمد سے ایک دن پہلے اپنے خادموں سے کہ چکے تھے کہ کل یہاں ایک حجتی آئیگا۔ اُسے ان کے روبرو لانا اور خاطر و مدارات سے کام لینا۔ ناصر شیخ کی خانقاہ میں پہنچا۔ مرید اور خادم اُسے شیخ کے حضور میں لے گئے۔ شیخ بڑی تواضع سے پیش آئے۔ حکیم نے عرض کیا "شیخ بزرگوار! میری آرزو ہے کہ اب قیل و قال چھوڑ کر باقی عمر اہل حال کی پناہ میں بسر کروں"۔

شیخ (تبسم فرما کر) "تم اور میری صحبت پسند کرو!! یہ غیر ممکن ہے۔ تمہیں مدت ہوئی کہ ناقص عقل کے پیرو بنے ہو۔ اور میں پہلے ہی دن اس مردار کو اپنے پاس سے دور کر چکا ہوں"۔

[1] بڑے صاحب مرتبہ ولی اللہ اور حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیر کے پیر تھے۔ مؤلف

حکیم - کیا خوب! رسول خدا صلعم کی حدیث میں تو آیا ہے کہ - اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ[۵۸] اور آپ اس کو ناقص بتاتے ہیں!!!"

شیخ - "نادان! وہ انبیاؑ کی عقل ہے - تجھے اس کوچہ کی ہوا تک نہیں لگی - تم اور بوعلی سینا ناقص عقل کے پیرو ہو اور اس پر مغرور - میری بات کا یقین نہ آئے تو یہ سُنو! تم نے کل راستہ ہی میں ایک قصیدہ کہا ہے اس میں عقل کو ایجادِ عالم کا باعث قرار دیا ہے - اور گوہر "کن فکان"[۵۹] مانا ہے - مگر تم غلطی پر ہو - گوہر کن فکان" سے "مطلعِ عشق" مراد ہے - تمہارے قصیدے کا مطلع یہ ہے

"بالائے ہفت طاق مُقرنس دو گوہر اند
کز کائنات و ہرچہ در و ہست برتر اند"

حکیم شیخ کی روشن ضمیری دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا - وہ کئی دن خدمت میں حاضر رہا - اور پھر وہاں سے خراسان کی طرف روانہ ہوا +

ناصر پہلے نیشاپور گیا - وہاں اس کی نسبت افواہ اُڑ گئی کہ سحر اور تسخیر کا علم جانتا ہے - اس کے مناظرہ کی قوت علمائے نیشاپور کو معلوم ہو چکی تھی انہوں نے اس افواہ کو سچی خبر بنا دیا - اور

---

۵۸ سب سے پہلے خدا تعالےٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے +

۵۹ خدا نے حکم دیا کہ ہو جا - پس تمام کائنات موجود ہو گئی +

ناصر کے قتل کا فتوے لگا دیا" امیر ابو سہل صعلوک[۵۱]
نیشا پور کے قاضی القضاۃ[۵۲] نے ناصر کو سمجھایا کہ
"تم ایک فاضل آدمی ہو۔ تمہارا کلام نہایت بلیغ
ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ علما سے بحث کرنا
چھوڑ دو۔ وہ تم سے بند ہو کر تمہارے دشمن
ہو جاتے ہیں۔ اور اب بہتر یہ ہے کہ اس شہر
سے کہیں دوسری جگہ چلے جاؤ"۔

ناصر یہ رائے مان گیا اور شہر بلخ کی جانب
روانہ ہوا۔ بلخ اگرچہ اس کا اصلی وطن اور جائے
ولادت و تربیت تھی۔ لیکن اپنے عقیدہ کی اشاعت
کرنے پر یہاں بھی سب آدمی اس کے دشمن بن
گئے۔ اور اسے اتنا ستایا کہ اس کو روپوش ہو کر
رہنا پڑا۔ چنانچہ وہ اہل وطن کی شکایت اور اپنی
بے گناہی کے متعلق چند اشعار میں اپنا خیال یوں
ظاہر کرتا ہے ؎

"بنالم بتو اے قدیم و قدیر ز اہلِ خراسان صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند ہمی خویش و بیگانہ برخیر خیر"

اور پھر اپنے اعتقاد کو اس طرح بیان کرتا ہے ؎

مقرم بفرمانِ پیغمبرت نہ انباز[۵۳] گفتم ترا نے نظیر
بامت رسانیدہ پیغام تو محمدؐ رسولت بشیر و نذیر[۵۴]

---

۵۱ یہ خراسان کا باشندہ اور بڑا نامور عالم۔ اور علما کا قدردان
تھا۔ مولف ۵۲ تمام قاضیوں کا اعلےٰ افسر۔ چیف جسٹس ۔ ۵۳ شریک
۵۴ خوشخبری اور دھڑکا دینے والے۔

نیاوردو قرآں بہ پیغمبرت مگر جبرئیل آں مبارک سفیر[۱]
مُقِرّم بمرگ و بحشر و حسابِ[۲] کتابت زبرّ[۳] دارم اندر ضمیر

لیکن اہل خراسان نے اس کو بہت بد نام اور رسوا کیا تو وہ بلخ سے بھی بھاگ کر بدخشان کے پہاڑی علاقہ کے اندر ایک درہ میں جس کا نام "یُمکان" تھا پناہ گزین ہوا۔ اور پھر اخیر دم تک وہیں رہا۔ اسی مقام میں رہنے کے سبب اس کو "یُمگی" بھی کہا جاتا ہے۔ یہیں اس نے ایک قصیدہ اہل بلخ کی مذمت میں لکھا ہے۔ اور اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی ہے۔ ناصر درۂ یُمکان میں کئی سال رہا۔ اور یہیں اُس نے ۴۸۱ھ میں ۸۷ برس کی عمر پا کر دُنیا سے رحلت کی +

پہاڑی باشندے اس کے بیحد معتقد ہو گئے تھے۔ اس کا عقیدہ ان میں خوب پھیلا تھا۔ مگر وہ اس کو ولی اللہ اور خدا رسیدہ بزرگ جانتے تھے۔ چنانچہ بہت سے خرافات قصّے ناصر کی کرامت اور خلاف عادت باتوں کے ان میں مشہور ہیں۔ اور وہی حالات بعد کے مورخین نے اس کے تذکرہ میں درج کر دئے ہیں۔ کوئی اس کو سحر و نیرنگ کا عامل مانتا تھا۔ کسی نے پریوں اور دیووں کو اس کے تابع سمجھ رکھا تھا۔ بعض خدا رسیدہ بزرگ مانتے

---

[۱] ایلچی + [۲] یعنی قیامت اور جزا و سزاے اعمال کا قائل ہوں + [۳] حفظ۔ یاد +

تھے۔ مگر ان فضولیات سے ناصر کو کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ وہ اخیر وقت میں درویشی اور معرفت الٰہی کا شیدا بن گیا ہو۔ کیونکہ شیخ فرید الدین عطار رح اپنی مثنوی میں ناصر کی نسبت کہتے ہیں کہ "وہ زمرۂ واصلین میں داخل پایا جاتا ہے"۔

ناصر خسرو کا مذہب :- کیا تھا؟ یہ بڑی پیچیدہ گتھی ہے جو کسی طرح حل نہیں ہوتی۔ اس کی نظم کے چند اشعار جو اوپر درج کیے گئے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناصر ایک سچّے عقیدے کا مسلمان تھا۔ مگر اس کی حسب ذیل نظم ثابت کرتی ہے کہ مادّی اور دہری رہا ہوگا۔ کہتا ہے :- نظم -

مردکے را بدشت گرگ درید — زو بخوردند کرگس[1] و زاغاں[2]

ایں یکے ریدہ[3] بر سر کہسار — واں دگر رید در بُن چاہاں[4]

ایں چنیں کس بحشر زندہ شود — تیز در ریش مردکِ ناداں

اس قطعہ میں ناصر جسم کے حشر و نشر کا صاف انکار کر رہا ہے۔ اور اس کے جواب میں محقق طوسی[5] نے

---

[1] گدھ۔ [2] کوّے۔ [3] بیٹ کی۔ [4] کنوئیں۔ [5] غالباً وزیر نظام الملک محقق طوسی ہوگا جو ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم اور ناصر خسرو کا معاصر تھا۔ مگر مورخین اس کو محقق کے لقب سے یاد نہیں کرتے بلکہ وزیر نظام الملک طوسی ہی لکھتے ہیں۔ محقق طوسی خواجہ نصیر الدین کا لقب ہے جو ہلاکو خاں کا وزیر تھا اور ناصر خسرو سے تقریباً دو سو سال بعد ہوا ہے۔ مولف

ناصر خسرو پر چوٹ کی ہے :- نظم

"این چنین کس بحشر زندہ شود گر نمایند عنصرشس جو جو
ز اوّلیں بار نیست مشکل تر تیز در ریشں ناصرِ خسرو"

پھر ناصر خسرو اپنے اشعار و قصائد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ حضرت ابو بکر رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان ذو النورین رضؓ کی تعریف بھی کرتا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک مسلمان فیلسوف تھا۔ کسی مجتہد امام کے طریقے کا پابند۔ یا مذہب اثنا عشریہ کا پکا معتقد نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ وہ تناسخ کا قائل اور دہریت کی جانب مائل تھا۔ اس کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ مصر کے خلیفہ مستنصر باللہ کی محبت نے اس کو عباسی خلفا کی طرف سے برگشتہ اور مذہب اسمٰعیلیہ کا طرفدار بنا دیا ہوگا اور اس مذہب کے عقائد پر یہ تمام الزامات ٹھیک اُترتے ہیں۔ اس کے سوا وہ تفضیلی[له] بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ اکثر مسلمانوں کا رہا ہے اور اس پر کچھ بہت زیادہ گرفت نہیں ہو سکتی۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کے عقائد اس کے بعض اشعار سے بھی مترشح ہوتے ہیں +

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام بد نام کرنے والوں نے ایسے اشعار خود کہہ کر ناصر کے کلام میں داخل کر دئے ہوں۔ اس واسطے کہ ناصر کا عقیدہ

له حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور صحابہ پر افضل ماننے والا +

تا دمِ مرگ اسلام کے صحیح اعتقادات کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اور وہ معاد[۱] ۔ رسالت اور توحید کا اقرار رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی ایک نظم مندرجہ سابق سے واضح ہو رہا ہے +

البتہ ناصر خسرو کا بیٹا "خواجہ معین الدین" بلا کسی پردہ داری اور تقیہ کے مذہب امامیہ اثنا عشریہ کا معتقد اور ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں ملازم تھا +

تصانیف:۔ ناصر خسرو کے دماغی کارنامے یعنی اس کی تصانیف میں ایک دیوان اشعار ۳۰ ہزار ابیات کا اس کی یادگار ہے۔ اور اس کے علاوہ نظم میں کتاب "روشنائی نامہ" نثر میں کتاب "کنز الحقایق" اور کئی دیگر کتب بھی موجود ہیں۔ خصوصاً اس کا سفرنامہ۔ عبارت کی سادگی۔ واقعات کی تحقیق۔ اور مبالغہ سے نفرت کرنے کا ایک بے مثل نمونہ اور بڑی مستند تصنیف ہے۔ ناصر خسرو نے اس میں کوئی ایسی بات درج نہیں کی ہے جو عقل میں نہ آسکے اور معمول کے خلاف ہو۔ اگر کہیں کوئی اس قسم کی روایت ضرورت یا مجبوری سے لکھنی ہی پڑی ہے تو اس کی صحت یا غلطی کا ذمہ دار اصل راوی کو قرار دیا اور اپنا دامن بلا تحقیق کچھ لکھ جانے کی آلودگی سے بچا لیا ہے +

---

[۱] قیامت۔ مرنے کے بعد دو بارہ زندگی جس میں دنیاوی زندگی کے اعمال و افعال کا جواب دہ ہونا پڑیگا +

اہل یورپ نے آج بیسویں صدی میں اپنے سفرناموں کے اندر جو خوبیاں پیدا کی ہیں اُن سے بدرجہا زائد عمدگیاں حکیم ناصرخسرو کے اس قدیم سفرنامہ میں موجود ہیں۔ اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں گردانِ یورپ اپنے حالاتِ سفر کے مدوّن کرنے میں ان مسلمان سیاحوں کی تقلید سے انکار نہیں کر سکتے ۔



اِمام غزالی

نام و نسب :۔ محمدؐ نام ۔ اور غزالی کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کا لقب "حجۃ الاسلام" ہے۔ باپ کا نام بھی محمدؐ تھا اور دادا کا بھی محمدؐ ۔ پردادا کا نام احمدؐ ہے ۔

ملک خراسان کا ایک ضلع ہے "طوس" اس میں طابران اور نوقان دو شہر ہیں ۔ امام غزالی ۴۵۰ھ میں بمقام طابران پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد سُوت کی تجارت کیا کرتے تھے ۔ اور عربی زبان میں "غزل" کے معنے سُوت کاتنا اور سوت ۔ دونو ہیں ۔ اسی لئے ان کا گھرانا "غزّالی" کہلاتا تھا ۔ یہ نسبت مُلکی زبان کے قواعد کے مطابق ہے ۔ عربی و فارسی قواعد زبان سے اس کو کچھ تعلق نہیں ۔

بعض نے لکھا ہے کہ "غزالہ" طوس کے ضلع
میں ایک گاؤں تھا اور آپ اس کی طرف نسبت کئے
جاتے ہیں - اس قول کو صحیح مانا جائے تو "غزالی"
میں "تشدید" "زا" نہ پڑھینگے - بلکہ "زے" کو تخفیف
کے ساتھ بولینگے - مگر یہ قول معتبر نہیں - ٹھیک وہی
ہے جو پہلے لکھا گیا ؎

ابتدائی تعلیم :- امام صاحب کے باپ بے پڑھے
لکھے تھے - جب ان کا وقت آخر ہوا تو اُنہوں نے
اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ "میں تو علم سے
محروم رہا - لیکن یہ دو لڑکے محمدؐ اور احمد (امام
صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی کے نام ہیں) چھوڑتا
ہوں - آرزو یہ ہے کہ ان کو تعلیم دلائی جائے"
چنانچہ ان کی وفات کے بعد اس دوست نے امام
صاحب اور ان کے بھائی کو تعلیم دلانا شروع کر دیا -
جو سرمایہ ان کا باپ چھوڑ گیا تھا وہ خرچ ہو چکا
تو امام صاحب کے سرپرست نے ان سے کہا -
"تمہارے باپ جو مال چھوڑ گئے تھے وہ سب میں
نے تم دونو بھائیوں پر خرچ کر دیا ہے - میں
خود کوئی مالدار آدمی نہیں ہوں - مجھ سے تمہاری
پرورش اور تعلیم کا خرچ نہ بن پڑیگا - اس واسطے
بہتر ہوگا کہ تم کسی مدرسہ میں داخل ہو جاؤ" ان
دنوں ہر شہر اور بستی میں مدرسے موجود تھے - بلکہ
شہروں میں کئی کئی مدرسے ہوتے - ہر ایک عالم کسی

مسجد میں یا اپنے مکان پر درس دیا کرتا - امام غزالی اور ان کا بھائی دونو ایک مدرسہ میں داخل ہو گئے - طالب علموں کے لئے اس زمانہ میں مدد کا بھی دستور تھا جو آجکل ہمارے ملک میں عربی اور اسلامی مدرسوں کے طلبا کے لئے مقرر ہے ہر جگہ کے خوش حال اور مخیّر اشخاص ایک ایک دو دو طالب علموں کی مدد کرتے تھے +

امام غزالی نے علم فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے ہی شہر کے ایک بزرگ عالم احمد بن محمد راذکانی سے پڑھیں - پھر شہر جُرجان میں جا کر امام ابونصر اسمٰعیل سے علم حاصل کیا - ان دنوں قاعدہ یہ تھا کہ استاد کسی علمی مسئلے پر تقریر کرتا اور طالب علم اس کی یادداشتیں لکھ لیا کرتے - امام صاحب نے بھی اپنی یادداشتیں لکھ رکھی تھیں - جُرجان سے گھر واپس آنے لگے تو راستہ میں لُٹیروں نے سب سامان لوٹ لیا اور وہ یادداشت کے مسوّدے بھی رہزنوں کے ہاتھ میں چلے گئے - مگر امام صاحب کو یادداشت کے ضائع ہونے کا بڑا رنج تھا ان کو صبر نہ آیا - چوروں کے سردار سے ملنے گئے اور کہا "یہ مال و سامان سے کچھ غرض نہیں وہ تم رہنے دو - مگر میری یادداشت تو دے دو - تم اس سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے - ڈاکوؤں کا سردار یہ بات سُن کر ہنس پڑا اور اس نے کہا "تم نے

اتنے دن پڑھا اور کیا خاک سیکھا - ایک کاغذ نہ رہا تو اب تمہیں گویا کچھ نہیں آتا" اور یہ کہ کر اس نے کاغذات ان کو دے دئیے - امام غزالی کے دل پر ڈاکو سردار کے طعنہ کا اتنا گہرا اثر ہوا تھا کہ گھر آتے ہی اُنہوں نے وہ لکھی ہوئی یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کر دیں - اور تین سال میں وہ سب یاد کر ڈالیں ٭

اعلٰے تعلیم کا شوق :- یادداشت کے حفظ کر لینے سے علمی مسائل دماغ اور سینہ میں بھر گئے تو معمولی عالموں سے پڑھنے میں ان کا دل نہ لگا اور کسی اچھے استاد اور زبردست عالم کی تلاش ہوئی - آپ کے وطن سے شہر نیشاپور نزدیک تھا اور اس زمانہ میں وہاں امام الحرمین جیسے بے مثل عالم موجود تھے ٭

امام الحرمین کے علم اور کمال کی ڈھاک تمام ملک میں بندھی تھی - امام غزالی نے ان کی شاگردی کر کے تمام علوم پڑھے اور امام الحرمین کے حلقۂ درس میں چارسو طلبا کے اندر ان کو خاص امتیاز حاصل ہوا - بزرگ استاد خود اپنی زبان سے ان کو "دریائے ذخار" کہا کرتے تھے - اور اخیر میں تو انہوں نے علم وفضل میں وہ درجہ پایا جو استاد کو بھی نصیب نہ ہوا تھا ٭

اگرچہ امام غزالی اپنے استاد امام الحرمین کے سامنے ہی نام پا چکے تھے اور اُنہوں نے کتابیں بھی تصنیف

کر لی تھیں - لیکن استاد کی زندگی تک ان کی خدمت سے الگ نہ ہوئے - جب امام الحرمین کا ۴۷۸ھ میں انتقال ہو گیا - تو امام غزالی ۲۸ برس کی عمر میں نیشا پور سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ اسلامی دُنیا میں آپ ہی اپنی مثال تھے ۔

دربار رسی :- علم و کمال پیدا کر چکنے کے بعد اب وہ وقت آ گیا تھا کہ امام غزالی اس کا پھل کھائیں اور عزّت و دولت کے مرتبہ پر پہنچیں - مگر یہ بات شاہی دربار کے سوا کہاں حاصل ہو سکتی تھی - اس زمانہ میں ترکی قوم کا خاندان سلجوقی اسلامی دُنیا میں سب سے بڑا حکمران گھرانا تھا - بغداد کی خلافت گویا ان کے ہاتھ میں تھی - اور امیر نظام الملک طوسی اسی خاندان کے نامور بادشاہ ملک شاہ بن الپ ارسلاں کا وزیر تھا وزیر نظام الملک بڑا علم دوست اور منتظم تھا - اس نے اپنے وسیع ملک میں ہر جگہ بڑے چھوٹے مدرسے قائم کر رکھے تھے اور شاہی خزانہ سے ۱½ کروڑ روپیہ کی رقم تعلیم میں خرچ کرنے کے علاوہ اپنی گرہ سے بھی اس کام پر بہت کچھ صرف کرتا رہتا تھا بغداد میں اس کا بنایا ہوا "مدرسۂ نظامیہ" اس وقت دُنیائے اسلام میں سب سے بڑا دار العلم تھا - امام غزالی نے نیشا پور سے نکل کر بغداد ہی کا رُخ کیا - نظام الملک ان کی شہرت سُن چکا تھا - اس نے بڑے تپاک

سے ہاتھوں ہاتھ امام صاحب کو لیا اور اپنے سایہ میں جگہ دی - پھر ان کے علم و کمال کا ثبوت پا کر ان کو ۴۸۴ھ میں مدرسہ نظامیہ کا مدرس اوّل بنا دیا - امام غزالی کی عمر اس وقت ۳۸ سال کی تھی - اور ان سے پہلے کوئی مدرّس مدرسہ نظامیہ میں اتنا کم عمر نہیں مقرر ہوا تھا۔

اس منصب پر پہنچ کر امام غزالی کو دولت و حشمت - عزّت و مرتبہ سب کچھ مل گیا - ان کا اعزاز ایسا بڑھا کہ بڑے بڑے امیر اور وزیر سب ان سے دب کر رہنے لگے - کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خاندان سلجوقی کے تاجدار اور عباسی خلیفہ بغداد کے مابین بعض جھگڑے آ پڑے اور امام غزالی ہی نے اپنے اثر سے وہ جھگڑے بڑی عمدگی کے ساتھ طے کر دئے - اور کسی امیر یا وزیر سے اس وقت کوئی کام نہ نکلا - حکومت اور شاہی دربار سے تعلق کی یہ حالت تھی - اور علمی رتبہ ایسا تھا کہ تین سو بڑے بڑے مدرّس اور سو امیر و رئیس آپ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا کرتے تھے - آپ کے وعظ بھی ایک طرح کے علمی لکچر ہوتے - اور شیخ صاعد بن الفارس المعروف بہ ابن اللبان نے ان کو لکھ کر امام غزالی سے نظر ثانی بھی کرا لی تھی - یہ سب وعظ تعداد میں ۱۸۳ ہیں اور ان کا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں "مجالس غزالیہ" کے نام سے

مشہور ہے *

ترکِ دُنیا:- امام غزالی کی طبیعت میں تحقیقات کا شوق قدرتی تھا - جب وہ بغداد میں آئے تو وہاں ہر فرقہ اور مذہب کے لوگوں سے ملے - مختلف مذاہب کے عقائد کی ٹٹول کی اور سب کو ظاہری خول پایا- اخیر میں اہل تصوّف کا حال جانچنا شروع کیا - مگر یہ فن علمی نہ تھا بلکہ عملی تھا اس واسطے ضرورت معلوم ہوئی کہ نفس کُشی - ریاضت - اور مجاہدہ کریں- شوق تو یہ چاہتا تھا کہ دُنیا کے جھگڑے چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں اکیلے رہیئے اور یادِ خدا کیجئے - اور دُنیا کے تعلقات دامن پکڑتے تھے کہ یہ عیش و آرام اور عزّت و نام چھوڑ کے کہاں جاتا ہے - اس کشمکش میں طبیعت پریشان رہنے لگی- اور تندرستی خراب ہو گئی - حکیموں اور طبیبوں نے مرض لا علاج سمجھا اور دوا کرنا بے فائدہ بتایا - پھر تو امام غزالی سب باتیں ترک کر کے سفر پر آمادہ ہو گئے - معتقدین - امرا - وزیر - علما اور شاگردوں نے بہت روکا - مگر امام صاحب نہ رُکے اور بغداد سے دمشق چلے گئے "جامع امویّہ" کی مشہور مسجد میں چلّہ کشی اور ریاضت شروع کر دی - اس حالت میں درس بھی دیا کرتے لیکن زیادہ وقت مراقبہ اور یادِ الٰہی میں گزارتے *

دو برس دمشق میں رہ کر "بیت المقدس" گئے

اور اس کی زیارت کر کے شہر خلیل پہنچے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور ہر جگہ چلہ کیا۔ اس کے بعد حج اور زیارتِ قبر نبوی صلعم کے لئے تشریف لے گئے۔ مدّت تک مکہ مکرّمہ میں مقیم رہے اور اسی سفر میں مصر اور اسکندریہ کی بھی سیر کی۔ اسکندریہ میں کچھ زمانے تک قیام فرمایا۔ اور ارادہ کیا تھا کہ یوسف بن تاشفین سے ملنے مراکش جائیں لیکن اس کے انتقال کی خبر سُن کر یہ ارادہ توڑ دیا۔ اس سفر میں اکثر خرقہ (گدڑی) پہنے اور پانی کی چھاگل بغل میں دبائے جنگلوں اور پہاڑوں کی سیر کیا کرتے تھے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا تھا۔ (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائینگے۔(۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لینگے۔ اور (۳) کسی سے مناظرہ اور مباحثہ نہ کرینگے۔ مرتے دم تک ان باتوں کی پابندی رکھی۔ اور دس سال اس سفر میں بسر کئے۔

کہا جاتا ہے کہ امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" اسی سفر میں لکھی۔ کیونکہ گو زیادہ تر اس دس سال کے عرصے میں آپ پر جذب غالب رہتا تھا لیکن کبھی کبھی سلوک کی حالت میں بھی رہتے اور اُس وقت درس اور تصنیف کا شغل کیا کرتے تھے۔

حج سے فارغ ہو کر گھر اور بال بچوں کی یاد وطن

لے گئی۔ وہاں بھی گوشہ نشینی ہی اختیار کی۔ لیکن روزی کی فکر چین سے نہ بیٹھنے دیتی اور اطمینان کا وقت کم ہاتھ آتا۔

دوبارہ مدرسی کرنا:۔ مجاہدہ اور ریاضت نے قلب کو صاف کر دیا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے سے شک و شبہات کے پردے ہٹ گئے تھے۔ امام غزالی نے دیکھا کہ دُنیا کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ کسی کو مذہب میں پختہ نہ پایا۔ سب کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اور روحانیت کی کمی سے دُنیا میں تاریکی پھیل چکی تھی۔ ارادہ ہوا کہ تنہائی کے عالم سے نکل کر خلق اللہ کو ہدایت کریں۔ اسی عرصہ میں بادشاہ وقت کا حکم بھی آ پہنچا کہ درس کی خدمت قبول کیجئے۔ مقدس بزرگوں نے بھی تنہائی اور گوشہ نشینی ترک کرنے کی رائے دی اور آخر ۴۹۹ھ میں امام غزالی نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی مسند درس پر بیٹھ کر بدستور پڑھانا شروع کر دیا۔

مخالفت کا زور:۔ امام غزالی جتنے مشہور ہوئے اُتنے ہی ان کے دشمنوں کی تعداد بڑھی۔ علما کے علاوہ صوفی بھی "احیاء العلوم" کی تصنیف کے بعد سے ان کے دشمن ہو گئے۔ ان پر کفر و الحاد کے فتوے لگ گئے اور جب اس طرح ان کا کچھ بنا بگاڑ نہ سکے تو سلطان سنجر شاہ کو ورغلا کر امام صاحب کو دربار میں طلب کرایا۔

امام غزالی فرمان سلطانی سے مجبور ہو کر دربار میں پہنچے۔ سلطان سنجر نے بڑی عزت کی۔ اپنے برابر تخت پر بٹھا لیا۔ مخالفین کا ذکر آیا اور ان کے الزامات بیان ہوئے امام صاحب نے بڑی جرات کے ساتھ سلطان کے سامنے تقریر کر کے مخالفوں کا دھڑ توڑ دیا اور باعزاز تمام اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔

امام غزالی کے نیشاپور میں درس دینے کی خبر بغداد پہنچی تو وزیر احمد بن نظام الملک نے امام صاحب کو وہاں بلوایا اور لکھا کہ "آپ جیسے مقتدائے زمانہ کا قیام بھی اسلام کے مرکز دارالسلام ہی میں زیبا ہے"۔ لیکن امام صاحب نے عذر کیا اور لکھا کہ (۱) اس وقت جو طلبا نیشاپور میں پڑھتے ہیں ان کو بغداد جانے میں تکلیف ہوگی۔ (۲) میرے ساتھ اب بال بچوں کا جھگڑا لگ گیا ہے اور وہ گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ (۳) میں بحث مباحثہ سے توبہ کر چکا ہوں اور بغداد میں اس کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ لہذا مجھے معاف رکھو۔ پھر سب سے آخری اور مشکل امر یہ ہے کہ میں تنخواہ اور وظیفہ لینا نہیں اور بغداد میں میری کوئی جائداد نہیں۔ اس لئے گزر اوقات کا سامان کیا ہوگا؟

وفات:۔ بالکل اخیر عمر میں امام غزالی ریاضت و نفس کشی میں مصروف ہونے کے باوجود درس اور

تصنیف کا شغل بھی رکھتے تھے۔ اور کئی عمدہ کتابیں اس زمانہ کی تصنیف ہیں۔ امام غزالی نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طابران دُنیاے فانی سے سراے جاودانی کا سفر اختیار کیا۔ ان کے بھائی احمد غزالی ان کی وفات کا قصہ یوں لکھتے ہیں کہ "پیر کے دن امام صاحب نے صبح کے وقت بستر سے اُٹھ کر وضو کیا اور نماز فجر ادا کی۔ پھر کفن منگوا کے آنکھوں سے لگایا اور کہا" آقا کا حکم سر آنکھوں پر"۔ یہ فرما کر پاؤں پھیلا دیئے اور روح پرواز کر گئی۔ لوگوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ پایا"۔ تمام اسلامی دُنیا نے امام صاحب کی وفات پر حسرت کے آنسو بہائے۔ اور بہت سے مرثیے کہے گئے۔

اولاد:۔ امام غزالی کے لڑکا ایک بھی نہ تھا۔ چند لڑکیاں تھیں۔ جن کی اولاد کا پتہ چلتا ہے۔

شاگرد:۔ بہت کثرت سے تھے۔ خود امام صاحب نے اپنے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار بیان کی ہے۔ ان میں سے ابو الحسن علی بن مسلم۔ جمال الاسلام بڑے زبردست فاضل تھے اور فاضل ابن عساکر وغیرہ انہیں کے شاگرد ہیں۔ محمد بن تومرت مہدی مغربی بھی امام غزالی کا شاگرد تھا۔

تصنیفات:۔ اگرچہ امام غزالی نے کل ۵۴ برس عمر پائی اور اس میں بڑا زمانہ بچپن تعلیم اور تصوّف کی ریاضت وغیرہ کا نکل گیا۔ پھر بھی ستّر سے زیادہ کتابیں

ان کی تصنیف کی ہوئی پائی گئی تھیں - ان میں سے بعض کئی کئی ضخیم جلدوں میں تھیں - اور ہیں - اس لحاظ سے آپ نے سینکڑوں ہی کتابیں تصنیف کیں اور گو مختلف علوم و فنون میں +

مگر سب سے بڑھ کر مقبول اور لطیف تصنیف "احیاء علوم الدّین" ہے جو تصوّف اور اخلاق میں اعلےٰ ترین پایہ کی کتاب مانی جاتی ہے - اور ہر زمانہ اور ہر ایک طبقہ کے علما اور حکما نے اس سے ایکساں لطف اُٹھایا ہے +

فلاسفۂ یونان اور ان کے مسائل کی تردید میں کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" بہت نادر کتاب لکھی ہے +

امام غزالی کی ایک عجیب تصنیف "جواہر القرآن" کا قلمی نسخہ میں نے دیکھا - یہ کتاب اب تک طبع نہیں ہوئی - اس کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل دینی اور آیات قرآنی کو احکام حسّ و عقل سے مطابق کرنے کا امام ممدوح نے نہایت دلنشین پیرایہ اختیار کیا تھا +

امام غزالی فلسفہ و حکمت کے معانی سے بحث کرنا اپنا اصول ٹھیرا چکے تھے - وہ لفظوں اور ظاہری باتوں کی پابندی سے بری تھے - اور یہی روش اُنھوں نے اپنی متعدّد کتابوں میں اختیار کی ہے +



عُمر خیّام

نام و نسب:- عمر نام۔ غیاث الدین لقب۔ ابو الفتح کُنیّت۔ اور ابراہیم الخیّام کا بیٹا تھا۔ خیام شاید اس وجہ سے مشہور ہوا کہ اس کا باپ خیمہ دوزی کیا کرتا تھا۔

نیشاپور میں پیدا ہوا اور وہیں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلےٰ تکمیل علوم تک تمام علمی مرحلے طے کئے۔ عمر خیّام کے وقت میں نیشاپور علم و فضل کا مخزن تھا۔ مدرسۂ نظامیہ جس کی تعلیم نے امام غزالی جیسے علاّمۂ زمانہ شخص پیدا کئے وہیں عمر خیام نے بھی تعلیم پائی۔ وہ اور حسن بن صبّاح فرقۂ باطنیہ کا بانی اور وزیر نظام الملک طوسی تینوں ہم جماعت تھے۔ اور ان میں نہایت گہری دوستی تھی۔ ان کے آپس میں یہ قول و قرار ہو گیا تھا کہ جو شخص ان میں سے کسی اعلےٰ رتبے پر پہنچے وہ اپنے دو باقی ساتھیوں کا بھی ضرور خیال کرے۔ اتّفاق کی بات ہے کہ نظام الملک سلطان الپ ارسلان شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم ہو گیا اور اس نے یہ عظیم الشان منصب پاتے ہی اپنے دونو مکتبی یاروں حسن اور عمر کو بھی دربار سلطانی میں اعلےٰ عہدے دلا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر جب خیّام سے اس خیال کو ظاہر

کیا تو وہ اس سے یہ کہہ کر منکر ہو گیا کہ "میں تحقیق و اکتشافات علمیہ میں مصروف رہنے کے لئے اکثر بیبانہ زندگی پسند کرتا اور پھٹے حالوں میں رہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مادّی ترقی عیش و عشرتِ دنیا پر مائل بنا کر روحانی جذبات کو دبا دیتی۔ اور کمال کے جوہر کو بے آب و تاب بنا دیتی ہے" ؎

مستیِ عیش دو عالم کی نہیں پروا مجھے
دیکھنے والا ہوں اُس کے نرگسِ مخمور کا

نظام الملک نے عمر خیام کو شاہی دربار داری کی قید میں پابند ہونے سے قطعی انکار کرتے پایا اور وہ سمجھا کہ ؎

یک قلم بے سود ہے اظہار حالِ آرزو
حُسن بے پروا کے آگے عشق نامنظور کا

تو آخری تجویز یہ نکالی کہ اس کو آزادی کے ساتھ علمی خدمت کرنے کا کافی موقع دیا جائے اور خزانۂ عامرہ سے اس کی گزر اوقات کے لئے سو اشرفیاں ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اور یہی انتظام کر دیا۔

عام طور پر عمر خیام ایک صوفی منش شاعر مانا جاتا ہے اور اس کی رباعیات کی قدر ایشیا سے زیادہ یورپ میں کی جاتی ہے۔ لیکن در اصل وہ ایران کا نامور ریاضی داں اور ہیئت داں فیلسوف حکیم تھا۔ علوم فلسفہ و حکمت میں اس کا درجہ شیخ الرئیس بوعلی سینا سے کم نہ تھا۔ مگر بد مزاجی

اور کج خلقی نے اس کو ہر دلعزیز نہیں بنایا اور اہل علم کا اس سے میل ملاپ نہ رہا۔ جب علما اور طلبا اس کے پاس کم جاتے تھے تو کیا صورت تھی جس سے اس کو شہرت حاصل ہوتی ‌+

گو عمر خیام کی یہ خاموشی اور عزلت پسندی اس کی طبیعت میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی۔ لیکن نیشاپور کی علمی صحبتوں میں اس کا گزر ہوتا ہی رہا اور اس کی ریاضت دانی کا جوہر کھلتا ہی گیا۔ رفتہ رفتہ یہ شہرہ ملک شاہ سلجوقی فرمانروائے نیشاپور کے دربار تک پہنچا اور وہ اس کا قدردان بن گیا +

عمر خیام کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ اصفہان میں ایک کتاب اس نے سات مرتبہ دیکھی تھی۔ نیشاپور آکر وہ ساری کتاب محض یاد کی مدد سے لکھ ڈالی۔ اور اصل نسخہ سے مقابلہ کرنے پر سرمو فرق نہ نکلا +

سلطان ملک شاہ سلجوقی۔ اور امیر شمس الملوک بخاری۔ دونو حکیم عمر خیام کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے اور اس کے علم ہیئت میں کمال سے واقف تھے۔ ملک شاہ نے اس کے اس کمال سے فائدہ اٹھانے کا قصد کیا اور ۱۰۷۴ء میں اُسے اس علم کی تحقیقات پر مامور کیا اور اس زمانے کی موجودہ جنتریوں میں کامل اصلاح کرنے کا اہتمام

تفویض فرمایا۔ عمر خیام نے جس خوبی سے یہ علمی
خدمت انجام دی وہ اسی کا حق تھا۔ اور اس سے
ملک شاہ کو بھی اپنے انتخاب پر ناز ہو گیا۔
عمر خیام نے فارسی قدیم تقویم کی غلطیاں ثابت
کر کے اس کی پوری اصلاح کر دی۔ آج ایشیا کے
علم دوستوں سے بڑھ کر اہل یورپ اس حکیم کی
رباعیات کے قدردان پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات
ان میں بھی بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ایشیا میں
عمر خیام کی ہیئت دانی بے مثل تھی۔ تاریخ جلالی کی
بنیاد عمر خیام ہی نے ملک شاہ سلجوقی کے لئے ڈالی
تھی اور ۱۰ مارچ ۱۰۷۹ء سے اس تاریخ کا آغاز کیا
تھا۔ ورنہ اس سے قبل ایران میں یزدجردی سنہ
جاری تھا ؂

عمر خیام نے یزدجردی سنہ کے حساب کی
پرتال کر کے معلوم کیا کہ سال شمسی کی فصلیں اپنے
ٹھیک وقت سے ہٹ گئی ہیں۔ اس نے دریافت
کیا کہ شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ اور
۴۹ و ۶۲ سکنڈ کا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ایران
میں یزدجردی سال صرف ۳۶۵ دن کا ہوتا تھا جس
کی تقسیم بارہ مہینوں پر تھی اور ان میں سے گیارہ
مہینے فی ۳۰ دن کے اور بارھواں مہینہ اسفندار ۳۵
یوم کا قرار پایا تھا۔ لہذا کسرات کا اضافہ ہوتے ہوتے
فصل و موسم کا زمانہ اپنے موقع سے ٹل گیا تھا اور

حساب میں سخت غلطی پڑی ہوئی تھی۔ عمر خیّام کو محسوس ہوا کہ جب تک یہ کسریں سال کے دنوں پر بڑھائی نہ جائینگی سنہ کا حساب ہرگز ٹھیک نہ آئیگا۔ اس نے یہ طریقہ نکالا کہ ہر چوتھے سال ماہ اسفندار میں ایک دن بڑھا دیا کرتا۔ سات مرتبہ ایک یوم کا اضافہ ہر چوتھے سال کرتا اور آٹھویں مرتبہ یہ اضافہ پانچویں سال میں کیا جاتا۔ چنانچہ اس ترکیب سے فصل و موسم کا حساب ٹھیک بیٹھ گیا۔ اور اب ۳۳ شمسی سال ۳۴ قمری برسوں کے برابر ہو گئے۔ اور ہر ایک موسم بھی اپنے موقع پر آ گیا ؛

شہنشاہ محمد جلال الدین اکبر شاہ کے وقت میں یہی ماہ جلالی ماہ الٰہی کے نام سے تبدیل ہو گیا اور یہ اب تک نظام گورنمنٹ میں برابر جاری بھی ہے ؛

خیام کی طبیعت پر فلسفیانہ رنگ غالب تھا۔ وہ رند مشرب اور آزاد تھا۔ دیندار جماعت ایسے شخص کو اچھا نہیں خیال کر سکتی۔ عمر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوا۔ اس کو ملحد کہا گیا اور اس پر حد سے زیادہ جرح و قدح ہوئی۔ عمر خیام نے دیکھا کہ اہل ظاہر اس کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں اور ان کا منہ جب ہی بند ہوگا کہ میں ان کے سامنے سے ٹل جاؤں۔ تو وہ تمام ساز و سامانِ دنیا اور علمی مشاغل چھوڑ کر حج بیت اللہ اور زیارت قبر رسول صلعم کے لئے چل نکلا ؛ حج و زیارت سے فراغت کر کے بغداد آیا۔ اہل

بغداد اس کے کمال کا شہرہ سُن چکے تھے۔اس سے فیض اُٹھانے کے لئے اس کو گھیرنے لگے۔عمر خیام خاموش اور روکھے پن سے کام لیتا رہا۔مگر یوں پیچھا نہ چھوٹا تو مجبور ہو کر صاف صاف کہ دیا کہ " بھائی مجھے کیوں سناتے ہو میں نے علوم قدیمہ کا مشغلہ چھوڑ دیا ہے۔بلکہ اس کے مطالعہ سے بھی دل کھٹا ہو گیا ہے ؎

وقتِ طلوع دیکھا۔وقتِ غروب دیکھا
اب فکرِ آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

خیام کا رنگِ طبیعت سفرِ ارضِ مقدسہ شروع کرتے ہی بدل چکا تھا۔رندی کی جگہ پارسائی اور آزاد خیالی کے بجائے معرفت الٰہی کی اُمنگ دل میں پیدا ہو گئی تھی۔تسبیح و عبادت سے کام اور یہی شغل مدام رہتا۔صوفیائے کرام اس کی طبیعت کا رخ پہلے ہی تاڑ چکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کسی نہ کسی وقت شرابِ ناب کو چھوڑ کر مے وحدت کا جرعہ کش اور خمخانۂ معرفت کا رند خراباتی بن جائیگا۔اور یہی ہوا ؎

کتاب " مجمع النوادر " کے مصنّف نے عمر خیام کا ایک دلچسپ قصہ نقل کیا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ " ۵۰۶ھ میں حکیم عمر خیام اور مظفر اسفرائنی۔دونو ساتھ مل کر شہر بلخ میں آئے اور امیر ابو سعید کے مہمان ہوئے میں ان سے ملنے ہر روز جایا کرتا تھا۔ایک دن باتوں باتوں میں حکیم عمر خیام نے بیان کیا۔کہ " میں

ایسی جگہ دفن کیا جاؤنگا جہاں ہر سال بہار کے موسم میں بادِ بہاری میری قبر پر پھول نثار کرتی رہیگی"۔ کتاب مجمع النوادر کا مؤلف کہتا ہے کہ "میں نے حکیم خیام کی اس بات کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور خیال کیا کہ موت کا وقت اور اس کی جگہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی - پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حکیم عمر خیام نے ایسی بات کیوں کہی - مگر ایک زمانہ کے بعد ۵۳۳ھ میں مجھ کو نیشا پور جانے کا اتفاق ہوا - اُس وقت حکیم عمر خیام جو میرے استاد بھی تھے فوت ہو چکے تھے میں ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کی تربت ایک باغ کی چار دیواری تلے پھولوں کے درختوں کے جھرمٹ میں ہے اور اس پر اتنے پھول گرے ہیں کہ وہ بالکل ان کے نیچے چھپ گئی ہے - مگر حال میں ایک انگریز سیّاح نے جو نیشا پور کی سیاحت کو گیا تھا لکھا ہے کہ "افسوس حکیم عمر خیام کی قبر نہایت بیکسی اور کس مپرسی کے عالم میں ویران پڑی ہے - بجز اس کے کہ بادِ بہاری اس پر پھول اور بادِ خزاں خشک پتے نثار کرے - اور کوئی اس کا پُرساں حال نہیں - شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اہل وطن شیعہ ہیں اور عمر خیام سُنّی تھا - لہذا وہ اس کی قبر کی مرمت نہیں کرتے"۔

عمر خیّام کی رباعیات مشہور زمانہ ہیں اور ان کا ترجمہ دُنیا کی کئی زندہ زبانوں میں ہو چکا ہے - اہل

یورپ جن کو کمال اور اہل کمال کی بڑی تلاش رہتی ہے وہ اس حکیم کے نہایت مدّاح ہیں۔ اور اُنہوں نے ایک خاص کلب "خیّام کلب" کے نام سے اسی کی یادگار میں قائم کر رکھا ہے۔ جہاں ہر سال اس کی وفات کے دن ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا کرتا ہے +

حکیم عمر خیام کی رباعیاں اخلاق و حکمت سے بھری ہوئی اور بیحد مُوثّر ہیں۔ نمونتہً چند رباعیاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ کہتا ہے :-

رباعی

گویند بحشر گفتگو خواہد بود   واں یارِ عزیز تندخو خواہد بود
از خیرِ محض جُز نکوئی ناید   خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

دیگر

دل تنگ مشو کہ تا جہاں خواہد بود   از تو بجہاں نام ونشاں خواہد بود
تا چرخِ اثیر و اختراں سیر کنند   نقدِ تو خلاصۂ جہاں خواہد بود

تغیّراتِ عالم پر یہ رائے ظاہر کی ہے

روزے فلکم جامہ دہد میر کند   روزے دگرم برہنہ چوں سیر کند
با چون وچرائے فلکم کارے نیست   غم خوردن بیہودہ مرا پیر کند

خدائے تعالٰے سے اُمّید مغفرت

گہ تخت سلیماں بہ لئیمے بخشی   گہ تاج نبوّت بہ یتیمے بخشی
یارب چہ شود اگر مرا بے سببے   از روضۂ مغفرت نسیمے بخشی

عمر خیام نے ۱۱۲۳ء میں وفات پائی۔ اور اپنے وطن نیشاپور میں ہی مدفون ہوا +

تصانیف:- عمر خیّام کی تصانیف میں ایک کتاب "تاریخ جلالی" ہے یہ جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے ایما سے لکھی گئی اور اسی کے نام سے موسوم ہوئی +

(۲) رسالہ جبر و مقابلہ +

(۳) معلقات حدود اقلیدس +



ابن رُشد

نام و نسب:- محمدؐ نام - الولید کُنّیت - سلسلۂ نسب "محمدؐ بن احمدؐ بن محمدؐ بن رُشد" ہے - اور "ابن رشد" کے نام سے شہرت پائی +

ولادت:- ۵۲۰ھ میں مطابق ۱۱۲۶ء میں بمقام شہر "قرطبہ" پیدا ہوا - قرطبہ وسط اندلس کا پایہ تخت اور علم و ہنر کا گھر تھا - ابن رشد کے باپ اور دادا دونو یہاں کی قضاءت پر مامور رہ چکے تھے +

تربیت و ابتدائی تعلیم:- اپنے وطن اور جائے ولادت شہر قرطبہ ہی میں پائی - ذہن و حافظہ کے ساتھ علم و کمال کا شوق اور طبیعت کی تیزی خدا داد تھی - دستور زمانہ کے موافق زباندانی - قرآن کریم - اور علم فقہ کی تعلیم پہلے حاصل کی - ابتدائی تعلیم میں اس کا استاد حافظ "ابی محمد بن رزق" رہا - اور پھر عقلی علوم کی تعلیم "ابن طفیل" اندلسی سے حاصل

کی - ابن رشد کو علم توحید یعنی عقائد اسلام - فقہ - فلسفہ - طب اور ریاضیات میں اپنے زمانے کا بے مثل عالم مانا گیا ہے ؛

مراکش اور اندلس کے نامور حکمران خاندان موحّدین کے بادشاہوں نے اس کی بہت کچھ قدر اور عزت کی تھی - یہ خاندان مغرب کے اس کامیاب شخص کا تھا جس نے امام مہدی ہونے کا دعوےٰ کیا اور مذہبی طاقت سے کام لے کر دنیا کی سلطنت وحکومت حاصل کی - اس مُدّعی مہدویت کا نام محمدؐ بن تومرت تھا - اور اس نے امام ابو حامد الغزالی رح کی خدمت میں تحصیل علم کی تھی - جب محمدؐ بن تومرت سرزمین افریقہ میں آیا تو عبدالمومن بن علی نامی ایک ہوشیار اور مستعد شخص اس کا رفیق بن گیا جس نے محمدؐ بن تومرت کے ارادوں میں اس کی بہت قابل قدر مدد کی اور جس وقت ابن تومرت مہدی موعود ہونے کا مدعی ہوا اور اس نے اس دعوے میں کامیابی حاصل کرکے مغرب اقصےٰ یعنی ملک مراکش میں اپنی زبردست سلطنت قائم کر لی تو اس کی وفات کے بعد عبدالمومن بن علی ہی اس کا خلیفہ اور جانشین بنایا گیا - اور یہ خاندان یا گروہ "موحّدین" کے نام سے مشہور ہوا - اس خاندان حکومت میں "ابو یعقوب" اور اس کا بیٹا یعقوب المنصور دو نہایت زبردست فاتح بادشاہ ہوئے - انہی دونو کے دربار میں ابن رُشد کا

آفتاب علم و فضل چمکا اور وہ سلطان ابو یعقوب یوسف کے عہد میں بہت سے ممتاز ملکی عہدوں پر متقرر ہوتا رہا ÷

۵۶۵ھ میں ابن رُشد اندلس کے مشہور شہر "اشبیلیہ" کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مامور ہوا۔ مگر علمی مذاق اس کو مجبور کرتا تھا کہ اِس جلیل عہدہ کے نازک اور کثیر فرائض ادا کرنے کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھے۔ اس کا قیمتی کتابوں کا ذخیرہ شہر قرطبہ میں اس کے مکان پر تھا۔ اور اس نے بالکل اپنی یادداشت سے کام لے کر حکیم ارسطو کی کتاب الحیوان پر شرح لکھ ڈالی۔ کتاب کے دیباچہ میں اس نے یہ عذر بھی کر دیا ہے کہ۔ کتب خانہ قرطبہ میں ہونے کی وجہ سے کسی اور کتاب سے مدد نہیں لے سکتا محض یادداشت کی امداد سے جو کچھ بن پڑا وہ لکھ دیا ہے۔ اگر شرح میں کہیں غلطی ہوئی ہو تو معافی کا اُمّیدوار ہے اور اسی زمانہ میں اس نے حکیم بطلیموس کی کتاب "مجسطی" کا بھی خلاصہ کیا تھا ÷

اس زمانہ میں ابن رُشد کو اکثر دورہ بھی کرنا پڑتا۔ وہ کبھی مراکش جاتا اور کسی وقت قرطبہ۔ اشبیلیہ میں جم کر رہنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اور وہاں قیام کے دنوں میں مقدمات کی سماعت کا کام کرنا پڑتا تھا جو کچھ اس کی غیر حاضری کے زمانے

کا جمع شدہ ہوتا اور کچھ تازہ نالشیں ہوا کرتیں مگر اتنی کثرت کار کے باوجود وہ برابر تصانیف میں مشغول رہا۔ اس نے ایک کتاب دینیات پر بھی اسی زمانہ میں لکھی لیکن افسوس ہے کہ آج اس کتاب کا نام تک معلوم نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ کتاب کہیں ملتی ہو۔

ابن رُشد کے علم و کمال کا شہرہ اندلس کے حدود سے نکل کر افریقہ کے ریگستانوں کو طے کرتا ہوا مشرق کے ممالک تک پہنچا اور امام فخرالدین رازی رح جو اُس وقت ایشیا میں بے نظیر صاحب کمال اور امام وقت تھے ان کو اپنے بلند پایہ مغربی معاصر کا حال معلوم ہوا تو اُس سے ملنے کے ارادہ سے "اسکندریہ" (مصر) پہنچے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسکندریہ پہنچ کر ان کو ابن رشد کے ساتھ زمانے کی بے مہری کا حال دریافت ہوا اور اُنہوں نے سُنا کہ امیر "منصور" نے اس نامور حکیم کو چند غلط تہمتوں کی بنا پر قید میں ڈال دیا ہے۔ امام رازی رح یہ خبر سُن کر مجبوراً اپنے قصد سے باز آئے اور وطن اصلی کو پلٹ گئے۔

ابن رشد کے قید ہونے کا واقعہ یہ تھا کہ اس کے فلسفیانہ خیالات اور پر زور عقلی دلائل کی کُنہ ملک اندلس کے دوسرے علما کی سمجھ میں نہ آئی تو اُنہوں نے اس پر الحاد اور بے دینی کا الزام عاید

کر دیا اور مختلف طریقوں سے امیر "یعقوب المنصور" کو اس کی جانب سے بھڑکا کر آخر کار اسے معتوب بارگاہ بنا دیا۔ امیر منصور نے ابن رُشد کو جلا وطن کر کے مقام "لوسینا" میں رکھا جو خالص یہودیوں کی بستی تھی ؂

اور ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب طبقات الاطبا میں ابن رشد کے معتوب بارگاہ ہونے کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ جس وقت ۵۹۱ھ میں امیر "یعقوب المنصور" قرطبہ میں آیا اور اس وقت وہ کیسٹل کے عیسائی فرمانروا الفانسو پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو اس نے ابن رشد کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ اور اس کی اتنی عزت و حرمت کی کہ اپنے قریب بٹھا کر امیر ابو محمد عبدالواحد پر بھی اسے بڑھا دیا جو منصور کے دربار کا نہایت معزز رکن اور موحدین کے فرقہ میں سب سے بڑھ کر با رسوخ آدمی تھا۔ ابن رشد سلطان کے دربار سے باہر نکلا تو طلبا اور دوستوں کی کثیر جماعت نے جو اس کے انتظار ہی میں استادہ تھے اسے مبارکباد دی۔ ابن رشد نے ان کو جواب دیا۔ کہ "یہ امر مبارکباد دینے کے قابل نہیں بلکہ اس سے مجھ کو سخت خطرہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ سلطان نے ایک دم سے مجھے اتنا مقرب بنا لیا جس کی مجھ کو ہرگز اُمید نہ تھی۔ اور یہ بات دوسرے درباری امرا کو یقیناً پسند نہیں آئی ہے"۔

ابن رشد کے دشمنوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ سلطان نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے - لہذا ابن رشد نے دربار سے نکلتے ہی ایک ملازم اپنے گھر پر روانہ کیا اور گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ اس کے لئے چوزہ کی یخنی تیار کر رکھیں - اس فرمایش کا مطلب یہ تھا کہ اس کے عزیزوں اور متعلقین کو اس کی سلامتی کا اطمینان ہو جائے اور وہ پریشانی سے نجات پائیں +

غرضکہ ایسی ہی وجہوں سے درباری امرا اور علما ابن رشد کے دشمن ہو گئے اور مذہب کی آڑ میں اسے نیچا دکھلا کر جلا وطن کرا دیا - "لوسینا" شہر قرطبہ کے متصل ایک گاؤں تھا ابن رشد وہاں حالتِ جلا وطنی اور حراست میں تین سال سے زائد عرصے تک مقیم رہا - اس مدت میں بھی اس نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھا اور بہت سے یہودی طلبا نے اس سے حکمت و فلسفہ کے علوم پڑھے - چنانچہ ان ہی یہودی شاگردوں کے ذریعہ سے ابن رشد کا فلسفہ دنیائے یورپ میں پھیلا اور مغربی ممالک کو عقل و دانش کے نور سے منور بنانے کا سبب ہو گیا +

اگرچہ ابن رشد کے شاگردوں میں ایک سو سے زائد لائق مسلمان علما بھی تھے لیکن سچ یہ ہے کہ علوم حکمیہ کے متعلق جیسا نکتہ رس اور غیر معمولی دماغ

قدرت نے ابن رشد کو مرحمت کیا تھا ویسا اس کے کسی مسلمان شاگرد کو نہیں مل سکا۔ اور دیگر مسلمانوں نے تو اس پر کفر و الحاد کا فتوے لگا دیا تھا۔ اس لئے فلسفۂ ابن رشد کی مسلمان علما کچھ بھی خدمت نہ کر سکے۔ بلکہ اس حکیم کے دماغی کارناموں کو جو کچھ فروغ ہوا وہ انھی یہودی عالموں کی جدّ و جہد کا نتیجہ تھا۔ جنھوں نے ابن رشد کی چند سالہ صحبت سے فیض پایا تھا اور اُنھوں نے اپنے فاضل اُستاد اور بے مثل حکیم کی کتابیں عربی سے عبرانی اور دیگر زبانوں میں منتقل کر کے یورپ میں رواج دیں۔ اور ابن رشد کے علم و کمال کی جو خدمت ان یہودیوں سے بن پڑی وہی اس کے بقا کا ذریعہ ٹھیری ✤

مسلمانوں میں اس نامور فیلسوف کے فلسفہ کا فروغ یوں نہ ہو سکا کہ خود اس کے اور اس کے شاگردوں کے عہد میں فلاسفہ پر بے دینی کا الزام عائد ہوتا اور ان کو طرح طرح سے ستایا جاتا تھا اور وہ ہر طرح سے حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص فلسفہ اور عقلی علوم سے پہلو بچانے لگا اور ابن رشد کے شاگرد بھی فلسفہ اور ریاضیات کے مشغلہ سے دست بردار ہو گئے ✤

ابن رشد کے مسائل نے یورپ پر بہت کچھ اثر ڈالا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تمام مسائل حکیم

ارسطو کے فلسفہ میں موجود تھے اور صرف عبارت
میں دقت لوگوں کو ان کے سمجھنے میں عاجز رکھتی تھی
ابن رشد نے ارسطو کے انہی مسائل کو اپنی زبان اور
عبارت میں اس خوبی اور شستگی کے ساتھ بیان کیا
کہ وہ سمجھ میں آنے کے قابل ہو گئے اور لوگوں نے
ان سے پورا فائدہ اُٹھایا ۔

ابن رشد نے شیخ الرئیس ابن سینا کی کتابوں پر
بڑی تحقیق کے ساتھ شرحیں لکھیں اور بہت سے
مقاموں میں شیخ پر ایسے اعتراضات کئے کہ شیخ کے
بڑے نامی گرامی مقلد اور ماننے والے بھی ان
اعتراضات کے رفع کرنے سے عاجز آ گئے اور
شیخ کا سب سے بڑا پیرو خواجہ نصیر الدین محقق
طوسی اپنی کتاب شرح اشارات میں ایک ایسے ہی
موقع پر سخت مجبور ہو کر آخر یہ کہ اُٹھا ہے کہ
"علم حکمت کے کلی قاعدے بھی دیگر علوم کی طرح
اپنے اندر کچھ مستثنیات رکھتے ہیں ۔ اور حکیموں کو
ایسی صورتیں پیش آ جانے کے وقت مان لینا پڑتا
ہے کہ بعض امور ان کے مقرر کئے ہوئے عام
اور کامل اصول کے تحت میں نہیں آتے" ۔

ابن خلکان جو ایک نامور اور عالم مورخ ہے ۔
ابن رشد کے بارہ میں لکھتا ہے کہ "ابن رشد مسائل
فلسفہ کو اصول شریعت کے ساتھ مطابق کرنے کی سعی
کیا کرتا تھا" چنانچہ اس کا ایک مختصر رسالہ اسی

باب میں راقم کی نظر سے بھی گزرا ہے۔ اور یہاں اس بات کا ذکر نا مناسب نہ ہوگا کہ سائنس و مذہب میں تطبیق کرنے والے ہر زمانہ اور ہر وقت میں پرانے خیال والوں کی طرف سے الحاد اور بے دینی کا خطاب پاتے رہے ہیں۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں مرحوم سرسید احمد خاں رح پر اسی وجہ سے کفر و الحاد کا فتوے لگا۔ اور قدیم خیال کے علما نے ان کو اپنے نزدیک اسلام سے بالکل خارج کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ اُردو زبان میں جدید اسلامی علم کلام کے بانی ہوئے ہیں اور جس خوبی کے ساتھ اُنہوں نے یورپ کے مادّی علما و حکما کے مسائل کی اصول شریعت اسلامیہ سے تطبیق کی ہے وہ کچھ انہی کا حصّہ تھا +

ابن رشد طبیب بھی تھا۔ اس نے علم طب میں "کلیات" نامی کتاب بڑے پایہ کی لکھی تھی۔ اِس کتاب کا اصل نسخہ شاید ہی کہیں ہو۔ بظاہر اس کا کوئی پتہ نہیں مِلتا۔ لیکن اس کا عبرانی ترجمہ موجود ہے۔ اور ایسے ہی ابن رشد کی اکثر تصانیف عبرانی و لاطینی زبانوں میں ترجمہ ہونے کے سبب سے محفوظ رہیں +

جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں مسلمانوں نے تو ابن رشد کے فلسفہ سے بیزار ہو کر اسے چھوا تک نہیں۔ مگر ابن رشد کے یہودی شاگردوں نے

اس کی کتابوں کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا اور اُن پر شرحیں لکھیں - چنانچہ جس زمانہ میں یورپ پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی - اس وقت ابن رشد کے یہودی شاگرد عقلی علوم کے محافظ اور میدان علم و کمال کے شہسوار تھے - اُنھوں نے لاطینی زبان میں ابن رشد کی کتابوں کا عمدہ ترجمہ کیا اور اس طرح اندلس کے اس مسلمان فیلسوف کے مسائل اہل یورپ تک پہنچائے - اور یوں علم کی قابل قدر خدمت انجام دی *

یورپ کا عہد جاہلیت مذہبی پیشواؤں کی مطلق العنان اور جابرانہ حکومت کا تختۂ مشق تھا - ابن رشد حکومت کا تختۂ مشق تھا - ابن رشد کے فلسفہ میں ایسے مسائل موجود تھے جو دین عیسوی کے اُصول کی مخالفت نہیں کرتے تھے - اس لئے یورپ کے بعض علما اس کی طرف مائل ہوئے اور اُنھوں نے ابن رشد کا تتبّع اختیار کیا - اس سے اُن کے عقلی اور ذہنی قوٰے میں تازگی آئی اور وہ کلیسیا کے رواجی احکام کی مخالفت پر تُل گئے - چرچ کے اراکین یہ حال دیکھ کر گھبرائے اور اپنے حلوے مانڈے میں فرق آنے کے خیال سے علم و حکمت کی دشمنی اپنا ضروری فرض سمجھ لیا - ابن رشد کے فلسفہ کا پڑھنا اور پڑھانا ممنوع قرار دیا گیا - اور ”رشدانی“ یعنی وہ حکما جنھوں نے

فلسفۂ ابن رشد سے استفادہ کیا تھا گردن زدنی ٹھیرائے گئے۔ لیکن جن طبیعتوں کو اس فلسفہ کا ذوق ہو گیا تھا۔ وہ اس سے باز نہ رہیں۔ اور پادریوں نے اس آگ کو بجھانے میں جتنا زیادہ زور لگایا یہ اتنی ہی تیزی سے اور بھڑکی اور بہت جلد تمام ملک میں پھیل کر فرقۂ پروٹسٹنٹ کی بانی ہوئی جس نے کلیسیا کی اصلاح پر کمر باندھی اور آخرکار یورپ کو ورطۂ جہالت سے نکال کر علم و تمدن کے روشن میدان میں پہنچا دیا۔ اور اس طرح فلسفہ ابن رشد مغربی فلسفۂ و سائنس کی بنیاد بن گیا ۔

مسیحی حکما نے فلسفۂ ابنِ رشد کو دینِ عیسوی کے مروّجہ اُصول کا برہم زن اور دہریت کا بانی محسوس کرنے کے باوجود حاصل کیا اور اس کی اشاعت میں کوشاں ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ فلسفہ اُن کی دماغی اور عقلی قوتوں کو اُبھارنے میں مُفید ہے۔ اور اسی وجہ سے اُنہوں نے ابن رشد کو ارسطو کا ہمسر مانا اور اس کے مسائل حکمت کو اپنا مشعل راہ بنایا۔ مگر سخت تاسف اور حسرت کا مقام ہے کہ مسلمانوں میں اس بے مثل حکیم کا ایک بھی نام لیوا نہ رہا۔ اور اُنہوں نے اس کو اپنے گوشۂ خاطر سے نکال کر خود ہی اپنی تباہی اور علمی بے مائگی کا سامان فراہم کر لیا ۔

ابن رشد سات سال تک "الیسانہ" یا "لوسینا"

میں نظر بند رہ کر ۱۱۹۸ء میں پھر آزاد کیا گیا اور امیر "منصور" نے اس سے خوش ہو کر اسے مراکش میں باعزاز تمام بلوایا اور بدستور سابق دربار میں جگہ دی۔ مگر اس نامور فیلسوف کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ مراکش پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد ۱۹ صفر ۵۹۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۱۹۸ء کو دنیا سے عالم آخرت کی طرف سدھار گیا ؂

ابن رشد کے کئی بیٹے اس کی یادگار تھے۔ بڑا بیٹا ابو محمد عبداللہ نامی نہایت حاذق طبیب تھا۔ اور اس کے علاوہ دوسرے کئی ایک فرزند علوم دین کے اچھے عالم تھے جو قضاءت کے عہدوں پر مامور ہوئے ؂

ابن رشد کا قول ہے کہ "علم تشریح کا جاننے والا خدا پر بہت کامل ایمان رکھتا ہے" ؂

امام فخر الدین رازی

نام و نسب:۔ محمد نام۔ فخر الدین لقب۔ ضیاء الدین عمر کے بیٹے۔ اور شہر رے کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے "محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی التیمی البکری۔ اور مشہور نام "ابن خطیب الرے" ہے۔ مذہب شافعی رح کے پیرو اور علم کلام معقولات۔

اور فلسفۂ حکمائے یونان میں اعلیٰ درجہ کے کامل اور اپنے زمانے میں بے نظیر شخص تھے ؛

ولادت و تعلیم:- ۵۴۴ھ مطابق ۱۱۴۹ء میں بمقام شہر رے پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم اپنے والد ماجد ضیاء الدین عمر سے پڑھے جو کہ شہر کے خطیب اور نامور عالم تھے۔ اور معقولات کی تعلیم "مجدالدین جَبَلی" سے حاصل کی جو عقلی علوم کے اچھے ماہر اور اس ملک میں مشہور شخص تھے۔ امام فخر الدین نے اپنے اسی استاد کے ساتھ رے سے مراغہ کا سفر کیا اور وہاں عقلی علوم کی تکمیل کرتے رہے۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں دُور تک ان کی علمی لیاقت کا شہرہ پھیل گیا اور فراغت کے بعد ناموری کا کچھ اور ہی رنگ ہوا ؛

شہرت و عزت:- کا دور شروع ہوتے ہی تصانیف کا بھی آغاز کر دیا تھا اور درس دینے میں مصروف رہتے۔ استاد کی خدمت سے جُدا ہو کر وسط ایشیا کے ہر ایک شہر اور مشہور قصبہ کی سیاحت فرمائی ہر جگہ درس کی مجلس گرم کی۔ نہایت خوش بیان اور مقرر تھے۔ ان کی تقریر کا سامعین پر گہرا اثر پڑتا تھا۔ خود ان پر وعظ کہتے ہوئے وجد کی کیفیت طاری ہوتی۔ آپ روتے اور سننے والوں کو بھی رُلاتے یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو اُن کے نام کو نہ اُچھالتیں۔ وہ مشہور ہوئے اور خوب شہرت پائی۔ دُور دُور سے بڑے بڑے عالم

ان کی خدمت میں علمی فائدہ اُٹھانے کے واسطے آنے لگے ۔ ان کی تصانیف کو ایسا رتبہ حاصل ہوا کہ لوگوں نے اگلے علما اور حکما کی کتابیں چھوڑ کر ان کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اختیار کیا۔ ان کی مجلس وعظ میں ہر ایک مذہب و مشرب کے آدمی آیا کرتے اور سوال و جواب ہوتے رہتے بہت سے بد عقیدہ اشخاص نے ان کے ہاتھوں پر توبہ کی اور اہل سنت کا مذہب اختیار کیا +

ابتدا میں طبیعت علمِ کلام کی طرف مائل تھی۔ عقائدِ دین کی فلسفہ سے مطابقت کرنے کا خیال اتنا بڑھا کہ ان کے اقوال سے پُرانے خیال والے بر افروختہ ہونے لگے ۔ اور بہت سے جھگڑے پیش آئے پہلے شہر خوارزم میں علما سے مباحثہ ہوا اور ان کے عقائد و خیالات سے ناراضی بڑھی ۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کو وہاں سے نکالا گیا ۔ امام فخرالدین خوارزم سے ملک ماورالنہر میں چلے گئے مگر وہاں بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا ۔ آخر مجبور ہو کر اپنے اصلی وطن شہر رَے میں پہنچے اور وہاں قیام کیا +

دربار رسی :۔ شہر رے میں ایک اعلےٰ درجے کا طبیب نہایت دولتمند تھا ۔ اس کے دو لڑکیوں کے سوا کوئی اولاد نہ تھی ۔ اور امام فخرالدین کے دو فرزند تھے ۔ وہ طبیب سخت بیمار اور مرض الموت میں گرفتار ہوا تو اُس نے امام فخرالدین کے دونو بیٹوں

سے اپنی لڑکیوں کی شادی کر دی۔ اور پھر وہ فوت ہو گیا۔ اس طرح امام فخر الدین ایک دولتمند شخص بن گئے۔ اور اب اُنھوں نے سفر و سیاحت شروع کی۔ غزنی کے فرمانروا شہاب الدین غوری کے یہاں ان کے مرحوم سمدھی کا کچھ مطالبہ تھا۔ اپنا حق لینے کی غرض سے سلطان مذکور کے پاس گئے تو سلطان نے ان کی بہت کچھ عزت و حرمت کی اور کثیر رقم انعام میں دی۔ غزنی سے امام فخر الدین خراسان کو گئے۔ اور سلطان "محمد تکش" معروف بخوارزم شاہ کے دربار میں ان کی کمال عزت و توقیر ہوئی۔ وہاں اعزاز و اکرام کے ساتھ کچھ زمانہ تک مقیم رہے اور مال و دولت سے بھرپور ہو گئے ٭

امام فخر الدین نے دربار خوارزم شاہی میں وہ رتبہ پایا کہ کسی اور آدمی کو ایسا مرتبہ نصیب نہ ہو سکا۔ سلطان خوارزم شاہ ان کی بہت کچھ تعظیم کرتا تھا۔ اور اکثر اہم معاملات میں ان کی رائے پر عمل کیا کرتا تھا ٭

امام فخر الدین کا ایک بڑا بھائی کچھ سودائی اور لا اُبالی مزاج تھا۔ اس کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ چھوٹے بھائی کو اس قدر شہرت اور عزت حاصل ہے اور خود اسے کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ امام فخر الدین اپنے حاسد بھائی سے عمدہ سلوک بھی کرتے تھے لیکن جس قدر یہ اس کی خاطر اور خدمت کرتے اُتنا ہی وہ ان سے اور زیادہ جلتا اور خار کھایا کرتا۔ امام

فخرالدین نے بہت کوشش کی کہ ان کا بھائی اپنی فضول حرکتوں سے باز آ جائے مگر وہ کب مانتا تھا۔ جہاں موقع ملتا لوگوں سے کہا کرتا کہ "میں بڑا اور ہر طرح فخرالدین سے اچھا ہوں لیکن نہیں معلوم خلقت کو فخرالدین سے کیوں اس قدر عقیدت ہے اور میری کہیں پرسش نہیں ہوتی۔ اس کی عادت تھی کہ جا و بیجا ہر وقت امام فخرالدین کی برائیاں لوگوں سے بیان کرتا رہتا۔ امام فخرالدین نے دیکھا کہ ان کے دیوانہ بھائی کی دیوانگی ترقی ہی کرتی جاتی ہے تو انہوں نے خوارزم شاہ سے کہ کر اسے نظر بند کرا دیا اور ایک قلعہ میں اس کو قید کرا کے ہزار اشرفی سالانہ وظیفہ اس کے لئے مقرر کر دیا۔ چنانچہ وہ زندگی کے باقی دن اسی قلعہ میں بسر کر کے وہیں وفات پا گیا۔

مجلس درس:۔ امام فخرالدین کا حلقۂ درس بہت ہی شاندار ہوتا تھا اور وسیع اس قدر تھا۔ کہ سینکڑوں طلبا ان کے درس سے فیض اٹھاتے۔ حلقۂ درس میں ترتیب یہ ہوتی تھی کہ بڑے بڑے لائق اور نامی گرامی طلبا امام کے پہلو میں بیٹھتے۔ مثلاً زین الدین کچھی۔ قطب الدین مصری۔ اور شہاب الدین نیشاپوری وغیرہ۔ پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ اور طلبا بیٹھا کرتے تھے۔ درس کے وقت جس کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جاتی اس کا جواب پہلے یہی مذکورہ بالا شاگرد دیا کرتے تھے اور جب ان سے جواب نہ بن آتا اس وقت خود امام

فخر الدین تقریر فرماتے اور علمی مسائل کا صحیح مفہوم اُن کے ذہن نشین کر دیتے +

حلیہ :- امام فخر الدین متوسط القامت شخص تھے۔ بدن بوٹی چڑھا ہُوا تھا۔ نہ موٹے بھدّے تھے اور نہ پتلے دُبلے۔ سینہ چوڑا اور کشادہ تھا۔ سر بہت بڑا۔ ڈاڑھی گھنی اور خوبصورت۔ بڑھاپے تک بہت کم بال سفید ہوئے تھے۔ موت کو اکثر یاد کیا کرتے اور کہتے کہ جہاں تک انسان کی طاقت ہے میں نے کوئی علم بے حاصل کئے ہوئے نہیں چھوڑا۔ اب صرف دیدار الٰہی کی آرزو باقی ہے۔ وہ بڑے ذہین اور ذکی تھے۔ پہلے دینی عقائد کی فلسفہ و حکمت کے ذریعے سے تاویل کرتے رہے مگر جب اس بارہ میں قدیم خیال کے علما ان کے مخالف ہو گئے اور ان پر کفر و الحاد کے فتوے چل پڑے تو اس طریقہ کو چھوڑ کر فلسفہ اور حکمت کی دھجیاں بکھیرنے میں مصروف ہوئے اور تمام قواعد و مسائل منطق کی کایا پلٹ دی۔ قدما کے خیالات کو رد کیا اور اپنے زور عقل سے اس کے قواعد کی نئی ترتیب قائم کی +

امام فخر الدین کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام ضیاء الدین اور چھوٹے کا شمس الدین تھا۔ اگرچہ بڑا بیٹا بھی اچھا عالم تھا۔ لیکن چھوٹے کی نسبت امام فخر الدین کہا کرتے کہ یہ میرا جانشین ہوگا۔ کیونکہ بچپن ہی سے اس میں لیاقت کے آثار نمایاں تھے +

امام فخرالدین خوارزم میں سخت بیمار ہوئے اور وہاں سے، تبدیل آب و ہوا کے لئے ہرات گئے۔ لیکن مرض بڑھتا گیا۔ اور اپنی حالت خراب ہوتے دیکھ کر انہوں نے ایک شاگرد ابراہیم بن ابی بکر بن علی اصفہانی سے وصیت نامہ لکھوایا۔ مضمون خود بولتے جاتے تھے اور ابراہیم لکھتا جاتا تھا۔ پہلے اپنے عقائد اور پھر تصانیف کا مفصل ذکر لکھوانے کے بعد اخیر میں لکھوایا کہ ان کی موت کا حال پوشیدہ رکھا جائے اور ان کو شرع شریف کے مطابق غسل و کفن دے کر اس پہاڑ کے دامن میں دفن کیا جائے جو کہ قریۂ مزداخان کے نزدیک واقع ہے۔ لاش قبر میں اُتار کر جس قدر ممکن ہو قرآن مبارک کی ایسی آیتیں تلاوت کی جائیں جن میں خدا تعالےٰ کی قدرت اور عظمت کا بیان ہے اور پھر یہ کہ کر مٹی ڈال دیں۔ کہ "اے صاحب کرم پروردگار! یہ تیرا فقیر و محتاج بندہ تیرے حضور میں آیا ہے اس پر رحم و کرم فرمائیے" یہ بیماری طول کھینچتی گئی اور صحت درست نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ وصیت لکھوانے کے گیارہ ماہ بعد یکم شوال ۶۰۶ھ کو خدا کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؛

امام فخرالدین کے دو بیٹے اور ایک لڑکی ان کی یادگار تھی۔ بیٹی کی شادی امیر علاء الملک۔ خوارزم شاہ کے وزیر اعظم کے ساتھ ہوئی تھی۔ خوارزم شاہ کی سلطنت تاتاری فاتح چنگیز خاں کے ہاتھوں برباد ہو چکی تو علاء الملک

اس کے دربار میں داخل ہوا اور مصاحبین کے زمرہ میں شامل - جس وقت تاتاری سپاہ کا ایک دستہ شہر ہرات پر بھیجا جانے لگا اُس وقت علاء الملک نے امام فخرالدین کی اولاد کے لئے جو اسی شہر میں تھی چنگیز خاں سے اماں طلب کی اور چنگیز نے اس کی سفارش قبول کر کے اپنے سپہ سالار کو ہدایت کر دی کہ شہر ہرات فتح کرنے کے بعد امام فخرالدین کی اولاد کو کچھ ضرر نہ پہنچایا جائے - بلکہ اُن کو کمال اعزاز و احترام کے ساتھ حاضر دربار کیا جائے - چنانچہ تاتاری لشکر شہر ہرات کو فتح کر کے اس میں داخل ہُوا تو اُنھوں نے منادی کرا دی کہ امام فخرالدین رازی کی اولاد کو امان دی گئی ہے - یہ منادی سُن کر شہر کے بہت سے علما - مشائخ اور معزّزین و امرا بخوف جان امام کے عالیشان ایوان میں جا چھپے اور سمجھے کہ یہ مکان دار الامان ہے - لیکن وحشی اور خونخوار تاتاریوں نے امام کے بیٹوں کی زیارت کا بہانہ کر کے انھیں تو اپنی حراست میں لے لیا اور باقی سب آدمیوں کو قتل کر ڈالا - اس بات کا پتا نہیں چلتا کہ پھر امام فخرالدین کے بیٹوں پر کیا گزری اور چنگیز نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا ✦

امام فخرالدین رازی کی تصانیف سو جلدوں سے زائد کتابیں اور رسالے مختلف علوم و فنون میں ہیں جن میں ان کی تفسیر مفاتیح الغیب موسوم بہ تفسیر کبیر

۱۲ ضخیم جلدوں میں بیحد مشہور اور مقبول کتاب ہے۔ اور بعض کتابیں فن طب میں بھی بے نظیر لکھی ہیں۔ کیونکہ آپ طبیب بھی تھے +

وفات کے بعد امام فخرالدین کو حسب وصیت مقام "مزداخان" کے دامن کوہ میں دفن کیا گیا۔ اپنے شہر ہرات کے مضافات میں وفات پائی تھی۔ اور جس مقام پر مرغ روح نے اس خاکی پنجرہ سے مفارقت کی اس کا نام "عقابیلہ" تھا۔ آپ کا زیادہ تر اپنے وطن شہر رے میں قیام رہا اور جب بضرورت وہاں سے سفر کیا تو پھر وطن واپس جانے کی نوبت نہ آئی +



نصیر الدین الطوسی

نام و نسب :- محمد نام - محمد بن حسن کا بیٹا۔ نصیر الدین لقب اور شہر طوس[۱] کا رہنے والا تھا۔ بے مثل فیلسوف اور ریاضی داں تھا۔ محقق کا معزز

[۱] خراسان سے تیس میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے جو ان دنوں مشہد کہلاتا ہے۔ اس کو بہت سے نامور مسلمان علما کی جائے ولادت اور ایک امام اہلبیت ع کا مشہد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام غزالی رح بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے + مولف

علمی خطاب اس کو نصیب ہوا۔ اور ہلاکو خاں تاتاری فاتح کا وزیر و مشیر رہا ؛

ولادت :- نصیرالدین محمدؒ بن محمدؒ بن حسن کی ولادت ۵۹۷ھ میں بمقام "طوس" ہوئی۔ اس کا آبائی وطن اور مسکن شہر "قُم" کے مضافات کی ایسی بستی "جہرود" نامی تھی۔ اس نے غالباً شہر طوس میں پرورش تربیت اور مُناسب ابتدائی تعلیم بھی پائی۔ کیونکہ گو قدرت اس کو دنیا میں بلحاظ علم و کمال سرآمد علمائے زمانہ بنانے والی تھی لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ بُری تربیت اور ناکارہ ابتدائی تعلیم ایسی سربفلک علمی تعمیر کی بنیاد بن سکتی ؛

اس یگانہ فیلسوف کے ابتدائی حالات اور زمانہ تحصیل علم کے متعلق واقعات پر ایسا تاریکی کا پردہ پڑا ہے کہ ہم کچھ اس کی نسبت یقینی طور سے بیان نہیں کر سکتے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حصول علم اور کسب کمال میں کمال الدین بن یونس موصلی۔ اور معین الدین سالم بن بدران مصری معتزلی کے حلقہ ہائے درس سے مستفید ہوا تھا۔ اور دو واسطوں سے شیخ الرئیس بوعلی سینا کی شاگردی کا فخر رکھتا تھا ؛

صاحب کتاب فوات الوفیات لکھتے ہیں کہ "نصیرالدین" اپنے باپ کے بعد منجم تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ غالباً نصیرالدین کا والد محمدؒ بن حسن

نجومی اور اس فن میں صاحب کمال تھا۔ اور یہ ملکہ اس کی اولاد کو بھی وراثۃً پہنچا تھا۔ واللہ اعلم ؛

نصیر الدین طوسی کی عمر کا بڑا حصہ قہستان (کوہستان) کے علاقہ میں گزرا جہاں کہ وہ قرامطہ اور ملاحدہ کے محفوظ مقامات میں رہا کیا۔ اور اخیر میں قرامطہ نے اس کو قید کر لیا تھا۔ لیکن جب تاتاری فاتح ایل خاں نے قرامطہ کے خونخوار قاتل اور قابل نفرت گروہ کا بالکل قلع قمع کر دیا اور اس جماعت کا مشہور اور قلب قلعہ "التمونت[۱]" فتح کر لیا۔ نصیر الدین کو وہاں سے رہائی اور تاتاری دربار میں رسائی ملی ؛

بعض مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی

---

[۱] شہر قزوین کے علاقہ میں ایک مشہور قلعہ تھا۔ یہ قلعہ اپنے ماتحت مقامات کے ساتھ مل کر "طالقان" کہلاتا تھا۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بڑی پیچیدہ گھاٹیوں میں واقع ہونے کے سبب اس کا فتح کرنا غیر ممکن تھا۔ اس کی تعمیر خاندان دیلم کے کسی سلطان نے کی تھی۔ وہ شکاری پرندوں کے ذریعے شکار کھیلتا ہوا جا رہا تھا کہ ایک شکار پر اپنا باز چھوڑا۔ اور اس کا تعاقب کیا۔ باز نے اسی قلعہ کے مقام پر شکار کو دبوچ لیا۔ اور اس جگہ کی دلکشائی اور محفوظیت دیکھ کر بادشاہ نے یہاں ایک قلعہ نما محل بنوایا۔ اور اس کو "آلۃ موت" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کلمہ دیلم والوں کی خاص بول چال میں شکاری پرندوں کو سدھانے کا لفظ ہے۔ چونکہ لوگ اس جگہ یہی کلمہ کہتے ہوئے پہنچے تھے لہذا اس کا نام بھی یہی رکھ دیا۔ پھر بعد میں کثرت استعمال نے اس کی صورت بدل کر "التمونت" کر دی ؛ (مؤلف)

باطنیوں کے ہاتھ میں قید نہ تھے۔ بلکہ اس فرقہ کے فرمانروا اور امام "رکن الدین خورشاہ[۵۱]" کے وزیر و مشیر تھے۔ اور ان کے یہاں پہنچنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ جب ان کی شہرت علوم ریاضیہ میں بہت کچھ ہو چلی تو انہوں نے دربار خلافت کی سرپرستی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی ایک بیش بہا تصنیف کے دیباچہ میں خلیفہ المستعصم باللہ[۵۲] کا نام درج کیا۔ اور یوں یہ کوشش کی کہ خلیفہ ان کا مربی بن جائے۔ خلیفہ مستعصم باللہ پہلے تو اس کتاب کے پیش ہونے سے بہت خوش ہوا۔ مگر چونکہ وہ جاہل اور بے عقل تھا۔ اس کے وزیر "ابن العلقمی[۵۳]" نے کتاب دیکھ کر خلیفہ سے کہا کہ اس میں آپ کے نام کے ساتھ "خلفۃ اللہ علی ارضہ" نہیں لکھا ہے۔ ابن العلقمی اور نصیر الدین طوسی کے مابین سخت عداوت تھی۔ خلیفہ اس کی بات سن کر نہایت برہم ہوا اور اس نے کہا "معلوم ہوتا

---

۵۱ رکن الدین خورشاہ۔ باطنیہ گروہ کا آخری اور نوجوان امام اور پیشوا تھا۔ اس کی عیش پرستی اور کمزوری ہی سلطنت باطنیہ کی بربادی کا سبب بنی + مولف۔ ۵۲ المستعصم باللہ امیرالمومنین عباسی خلفاے بغداد کا آخری خلیفہ تھا جو ہلاکو خاں تاتاری کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اور اسی وقت سے بغداد کی سلطنت عباسیہ کا چراغ گل ہو گیا + مولف ۵۳ ابن العلقمی ہی وہ وزیر ہے جس نے خاندان خلافت عباسیہ کا قلع ہلاکو خاں تاتاری سے پڑھوایا۔ اس کورنمکی کی سزا یہ پائی کہ خود بھی قتل کیا گیا + مولف

ہے کہ اس کتاب کا مُصنّف سخت بے عقل ہے"
پھر کتاب دریائے دجلہ میں ڈلوا دی۔ نصیر الدین طوسی
خلیفہ کی اس بے اعتنائی پر ناراض ہو کر اس سے
انتقام لینے کے درپے ہو گیا اور خلیفہ کے ہاتھ سے
پناہ پانے کے لئے "التمونت" کے دربار میں چلا گیا۔
مگر تجربہ نے اس کو بتایا کہ باطنیوں کا بادشاہ بھی
اس کی خواہش پوری نہ کر سکیگا۔ اور یہ مقصد اگر حاصل
ہوگا تو اس زمانہ کے زبردست فاتح بادشاہ ہلاکو خاں
تاتاری ہی کی سرپرستی سے۔ لہٰذا اس نے ارادہ کر
لیا کہ اپنے پناہ دینے والے فرمانروا سے "التمونت"
سے بھی بے وفائی کرے اور باوجود اس کے کہ
"رکن الدین خورشاہ" نے اس کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔
نصیر الدین طوسی نے اس سے دغا کی اور تاتاری فاتح
کو التمونت کے قلعہ پر قابض بنا دینے کی کوشش
شروع کر دی۔ جس میں وہ کامیاب ہو گیا +
گو اس لحاظ سے کہ باطنیوں کی ڈیڑھ سو سالہ
خوفناک حکومت جس کے چھری بند فدائی دُنیا پر سخت
ستم ڈھا رہے۔ اور بنی نوع انسان کے قابل نفرت
افراد تھے۔ نصیر الدین طوسی کی سعی سے تباہ اور
غارت ہوئی۔ اس کی اس بے وفائی کو بنگاہ ملامت
نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن جب ایک اپنے محسن اور
قدردان پشت و پناہ کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی
طرف نظر ہو تو ضرور کہنا پڑتا ہے کہ خواجہ نصیر الدین

طوسی کا یہ فعل سزاوار ملامت ہے +

بہر حال نصیر الدین طوسی دربار التمونت کی تباہی کے بعد ہلاکو خاں تاتاری کے دربار میں پہنچے اور اسی منصب پر مامور ہوئے۔ جو باطنیوں کے بادشاہ کی طرف سے ان کو ملا تھا۔ یعنی وزارت کا قلمدان ان کے ہاتھ آیا۔ اور ہلاکو نے ان کا رتبہ اس قدر بڑھایا کہ کوئی کام ان کا مشورہ لئے بغیر نہیں کرتا تھا۔ بجز اس کے کہ مالی معاملات میں ان کو کچھ اختیار نہ دیا تھا۔ اور سب امور مملکت بالکل انہی کی رائے پر چھوڑ دئے تھے۔ نصیر الدین نے ہلاکو خاں کے دل پر اپنا ایسا سکہ بٹھا دیا تھا کہ وہ بغیر ان کی اجازت اور مقرر کردہ ساعت کے نہ سوار ہوتا اور نہ کسی سفر یا حملہ پر روانہ ہوا کرتا +

خواجہ نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خاں کو علم ہیئت کی خدمت پر آمادہ بنا کر شہر مراغہ میں ایک عظیم الشان رصدگاہ (جنتر) بنوایا۔ اور اس کے متعلق ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا۔ جس میں بغداد دمشق اور الجزیرہ وغیرہ کے اسلامی کتب خانوں کی غارت شدہ کتابیں بڑی تلاش اور کوشش کے ساتھ بہم پہنچا کر جمع کیں۔ بقول "ابن خلکان" اس کتب خانے میں چار لاکھ جلد کتابوں کی فراہم ہوئی تھیں۔ اور اس بات سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے +

جس وقت نصیر الدین نے ہلاکو خاں کو رصدگاہ

بنانے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ ہلاکو نے اس سے دریافت کیا "اس علم نجوم کا نفع کیا ہے کیا اس سے تقدیر کا نوشتہ اور ہونے والی بات پوری نہیں ہو سکتی یا قبل از وقت اس کا دفعیہ سوچا جا سکتا ہے"؟ خواجہ طوسی نے عرض کیا "میں خان اعظم کو مثال کے طور پر ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ آپ حکم دیں کہ ایک شخص ایوانِ شاہی پر چڑھ کر وہاں سے ایک بڑا سا تانبے کا طشت نیچے پھینک دے۔ مگر اس کارروائی کا علم کسی اور کو نہ ہونے پائے"۔ ہلاکو نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ طشت کے گرنے کی آواز اس قدر ہولناک تھی کہ ایوان کے رہنے والوں میں سے بہتیرے آدمی ڈر کر چیخ اٹھے اور چونک پڑنا تو ایک عام بات تھی۔ لیکن ہلاکو اور خواجہ طوسی کو اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہوئی۔ خواجہ طوسی نے یہ امر ہلاکو کے پیش نظر لا کر اسے سمجھایا کہ بس علم نجوم کا بھی یہی فائدہ ہے کہ نجومی کو واقعات و حادثات آئندہ کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ان کے یکایک پیش آنے پر پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا کرتا مگر جن لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا وہ اچانک کسی حادثہ کے وقوع سے ڈر جاتے اور پریشانی کے شکار بنتے ہیں۔ ہلاکو نے یہ دلیل سن کر حکم دیا کہ اچھا رصدگاہ تعمیر ہو۔ میں اس کے بنانے میں اب کوئی مضایقہ نہیں دیکھتا +

اسی طرح نصیر الدین طوسی کی خوش فکری اور تدبر کا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہلاکو خاں اپنے دفتر دار علاء الدین الجوینی پر ناراض ہوا اور اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ علاء الدین کا بھائی خواجہ نصیر الدین کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ آپ کچھ تدبیر کریں تاکہ میرا بھائی جان سے نہ مارا جائے۔ خواجہ کو معلوم تھا کہ ہلاکو اپنے حکم کو کبھی منسوخ نہیں کرتا۔ خصوصاً جبکہ دربار میں حکم دے کر کہیں باہر جانے کے لئے سوار ہو جائے پھر اس کا فرمان قضائے مُبرم ہو جاتا ہے۔ دل میں غور کیا کہ کوئی حیلہ کرنا چاہیئے۔ فوراً عصا اور تسبیح سنبھال کر اصطرلاب ہاتھ میں لے لیا۔ اور ایک غلام کو ہدایت کی کہ انگیٹھی میں بخور سلگاتا ہوا اس کے ساتھ آئے۔ اسی صورت سے خان کے سرا پردہ تک گیا۔ غلامان خاص جو سرا پردہ کے گرد حراست پر مامور تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب اس طرح تشریف لا رہے ہیں۔ اور خواجہ نے اُن کو دیکھ کر غلام سے زیادہ بخور ڈالنے کی فرمائش کی اور خود بار بار اصطرلاب کو دیکھنا اور مُنہ بنانا آغاز کر دیا۔ صورت سے فکر کے آثار ہویدا تھے۔ ہلاکو کے غلامانِ خاص یہ بات مشاہدہ کر کے خان کی خدمت میں گئے اور اسے اطلاع دی کہ خواجہ طوسی اس حالت میں آ رہا ہے۔ خواجہ نے سرا پردہ کے قریب

جا کر شاہی خواص سے استفسار کیا کہ "خان" کہاں ہے"؟

غلاموں نے جواب دیا۔ "سرا پردہ میں" +

خواجہ۔ "اچھے تو ہیں! کوئی تکلیف تو نہیں۔ صحت کیسی ہے"؟

غلامان خاص۔ "بالکل بخیریت اور خوش ہیں" +

یہ سن کر خواجہ نے سجدہ شکر کیا اور اس کے بعد غلاموں سے پھر دریافت کیا۔ "ہاں۔ کیا خان ہر طرح بخیریت اور خوش ہیں"؟

غلاموں نے کہا کہ "ہاں" اور یہ جواب سن کر دوبارہ اور سہ بارہ اُن سے وہی پہلا سوال کیا۔ جس کے بعد بہت تردد کے لہجہ میں بولا۔

"میں خان کا دیدار چاہتا ہوں۔ جب تک اپنی آنکھوں سے اُن کا روئے زیبا نہ دیکھ لوں مجھے چین نہیں آنے کا" +

یہ ایسا وقت تھا کہ ہلاکو اس وقت کسی سے ملا نہیں کرتا تھا۔ مگر غلاموں نے جا کر خواجہ کی خواہش بیان کی تو اس نے فوراً اس کو بلوا لیا۔ خواجہ سرا پردہ کے اندر داخل ہوا۔ اور ہلاکو کے سامنے تسلیم کے لئے جھک گیا۔ اور دیر تک سر خم کئے رہا۔ ہلاکو نے دریافت کیا:۔

"کیوں خواجہ! خیر تو ہے۔ اس وقت آنے کی کیا وجہ ہے"؟

خواجہ "خان اعظم! اس وقت طالع کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کے دشمنوں پر کوئی بہت سخت آفت نازل ہونے والی ہے۔ پس نمکخوار سے نہ رہا گیا۔ فوراً اُٹھا۔ اور جو دُعائیں اور بخورات اس طالع کی نحوست سے بچنے کے لئے مؤثر ہو سکتے ان کو پڑھتا اور سلگاتا ہوا بارگاہ عالی کی طرف دوڑا۔ اور میری دُعا ہے کہ خدائے پاک حضور کو چشم زخم زمانہ سے محفوظ رکھے۔ خان اعظم اسی وقت یہ حکم صادر فرمائیں کہ قلمرو شاہی میں جتنے گنہگار اور قابلِ دار خطا وار ہیں سب کی جان بخشی ہو۔ اور قیدیوں کو زندان سے آزاد کیا جائے۔ ممکن ہے کہ خداوند کریم اپنا فضل خان کے شریک حال کرے۔ اور آئی بلا کو ٹال دے۔ اگر میں حضور کا چہرۂ مبارک اپنی آنکھوں سے دیکھکر یہ یقین نہ حاصل کر چکا ہوتا کہ جناب ہر طرح بخیریت اور خوش ہیں تو اس میں شک نہ تھا کہ نمکخوار کی حالت فکر و تردد سے غیر ہو گئی ہوتی۔ آہ! اب کچھ اطمینان ہوا ہے"۔

چنانچہ ہلاکو سے اپنے سامنے عام معافی کا فرمان صادر کرا کے اور اس پر بہت کچھ دعائیں پھونک کے واپس آیا۔ اور یوں تمام گرفتاران بلا کے ساتھ علاء الدین کو موت کے چنگل سے رہائی مل گئی۔ خواجہ نے اس کارنامہ کا اس سے کبھی ذکر تک نہیں کیا اور نہ اس پر کوئی احسان رکھا۔

ایک بار ایک با تصویر کتاب " تریاق فاروقی "
کے ذکر میں ہلاکو کے سامنے پیش کر کے تریاق مذکور
کی تعریف میں ایسی مؤثر تقریر کی اور اس کے فوائد
اتنی خوبی سے بیان کئے کہ ہلاکو نے اُسے تریاق مزبور
تیار کرنے کی اجازت دے دی اور صرف تین ہزار
اشرفیاں سُنہرا ہاون دستہ بنوانے کی غرض سے عطا
کیں تاکہ اس میں اس دوا کے اجزا کوٹے جائیں۔
ہلاکو نے خواجہ نصیر الدین کو اپنے قلمرو کے تمام
اوقاف کا نگراں اور اعلٰے افسر مقرر کر دیا تھا۔
نصیر الدین نے اس صیغہ کو بڑی خوبی سے باقاعدہ
محکمہ بنایا۔ ہر ضلع اور صوبہ میں اپنے ماتحت افسر
مامور کئے اور اوقاف کی آمدنی باقاعدہ وصول کر کے
اُسی سے رصد خانہ کے ملازمین اور منتظمین کی تنخواہیں
رصد کے کاموں کے مصارف۔ مسلمانوں کے مفید کام
اور سادات علوی۔ اہل تشیّع۔ اور حکما وغیرہ کے وظائف
ادا کیا کرتا۔ وہ مسلمانوں سے عموماً۔ اور شیعہ فرقہ
سے خصوصاً بڑی ہمدردی کیا کرتا۔ اسلامی اوقاف
کی حفاظت اور سادات کی خدمت میں فراخ دلی سے
حصّہ لیتا تھا۔

رصدگاہ کا انتظام خواجہ نصیر الدین نے اپنے فرزند
کلاں " علی " کے سپرد کر رکھا تھا۔ یہ نوجوان علم نجوم
میں ماہر کامل تھا۔ اس کے ماتحت رصدگاہ کی ترتیب
اور اس کے آلات کی درستی اور رصدِ کواکب کے کام

پر چار حسب ذیل نامور علما مامور تھے :-
(۱) شمس الدین بن المؤید العرضی ٭
(۲) شمس الدین الشروانی ٭
(۳) شیخ کمال الدین الایکی ٭
(۴) حسام الدین الشامی ٭

آلات رصد کی افراط تھی۔ کچھ حلقہ نما آلات تھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :- پانچ تانبے کے بنے ہوئے دائرے۔ ان میں سے پہلا دائرہ نصف النہار کا تھا۔ اور یہ زمین پر گڑا ہوا تھا۔ دوسرا دائرہ معدّل النہار تیسرا دائرہ منطقۃ البروج۔ چوتھا دائرۃ العرض۔ پانچواں دائرۃ المیل ٭

اور ان کے علاوہ ایک شمسی دائرہ بھی تھا جس سے کواکب کی سمت پہچانی جاتی تھی ٭

اس رصدگاہ کی تعمیر کے لئے اور اس کے ملازمین کے وظائف اور ان کی تنخواہوں کے واسطے خواجہ نصیر الدین نے ہلاکو خاں سے جس قدر مال لیا اس کا صحیح اندازہ تو خدا ہی کو معلوم ہوگا۔ لیکن تخمیناً وہ ایک بھاری رقم تھی۔ اور اس زمانہ میں ہلاکو خاں کے سوا کوئی اتنی کثیر رقم اس کام کے لئے دے نہیں سکتا تھا ٭

خواجہ نصیر الدین اپنی کتاب "زیج ایلخانی" میں لکھتا ہے "میں نے رصدگاہ کی تعمیر کے واسطے حکماء کی ایک جماعت بہم پہنچائی۔ دمشق کا باشندہ

"المؤید العرضی"۔ مراغہ کا رہنے والا فخر الدین جو کہ موصل میں رہتا تھا۔ تفلیس کا رہنے والا۔ فخر الدین الخلاطی۔ اور قزوین کا ساکن النجم دبیران۔ یہ چار فاضل اور ہیکتائے فن حکما اس کے مددگار تھے۔ یہ رصدگاہ بمقام "مراغہ" ۶۵۷ھ میں بننا شروع ہوئی تھی۔ اس سے قبل دُنیا میں حسب ذیل رصدگاہیں اور موجود تھیں :۔

رصدگاہ کے بانی کا نام	اس کی تعمیر کی مدت رصد ایلخانی کی تعمیر سے قبل۔
(۱) رصد برجیس	۱۴۰۰ سال کی سب سے قدیم رصدگاہ ہے۔
(۲) رصد بطلیموس	اس کے بعد کی تعمیر ہے۔

اسلامی عہد کی رصدگاہیں

(۳) رصد مامون الرشید اعظم	بغداد میں مدت تعمیر ۴۳۰ سال
(۴) رصد بنیانی حدود شام میں	
(۵) رصد حاکمی مصر میں	
(۶) رصد بنی الاعلم بغداد میں	۲۵۰ سال

استادان فن کا قول ہے کہ سبعہ سیارہ کی رصد کا پورا ہونا کم از کم تیس سال کے عرصے میں ممکن ہے۔ کیونکہ دورہ کواکب سبعہ اتنے ہی عرصے میں کامل ہو پاتا ہے۔ مگر ہلاکو نے خواجہ نصیر الدین کو حکم دیا کہ وہ ساتوں سیاروں کی رصد صرف بارہ سال کے زمانہ میں پوری کرنے کی کوشش عمل میں لائے۔

نصیرالدین نے وعدہ کیا کہ وہ اس فرمان کی تعمیل کریگا ؛

اخلاق و عادات :- کے لحاظ سے نصیرالدین طوسی ایک نہایت نیک دل - متحمل مزاج - سخی - صاحب کرم - ملنسار - فیّاض اور خوش خلق تھا - خداوند کریم نے حُسنِ سیرت کے ساتھ ہی اس کو حُسنِ صورت اور وجاہت ظاہری کے زیور سے بھی آراستہ بنایا تھا - وہ احسان کرتا اور کسی پر احسان نہ دھرتا - خلق خدا کی خدمت کو اپنی سعادت خیال کرتا تھا - اور ہمیشہ سب سے اچھا برتاؤ کرنے میں کوشاں رہتا ؛

ایک بار کسی شخص نے خواجہ نصیرالدین کو رقعہ لکھا اور اس میں اپنی ناراضی کا اظہار کیا - منجملہ اور سخت فقروں کے جو اس رقعہ میں لکھے تھے - ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ " اے کُتّے اور کُتّے کے بچّے " خواجہ نے اس رقعہ کا جواب یہ لکھا :-

" آپ کا یہ کہنا کہ " تو ایسا ہے " صحیح نہیں ہے - کُتّا چار پایہ ہے وہ بھونکتا ہے - اور اس کے ناخن لمبے اور نوک دار ہیں - لیکن میں سیدھے قد والا - صاف جلد والا جس کے چہرے پر بال اور روئیں نہیں ہیں - چوڑے ناخنوں والا - ناطق اور ضاحک ہوں اور یہ فصول و خواص اُن فصلوں اور خاصّوں کے برخلاف ہیں جو کُتّے میں پائے

جاتے ہیں"*

غرض کہ یوں ہی متین دلائل کے ساتھ تمام اعتراضات کا جواب دیا اور تردید کی۔ ذرا بھی ناراضی جواب میں ظاہر نہ کی۔ اور نہ کوئی بُرا کلمہ تحریر کیا ممکن ہے کہ اس بات کو معمولی خیال کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ معمولی امر نہیں۔ بلکہ نہایت قابلِ قدر بات ہے۔ طبیعت پر اتنا قابو پانا اور یوں اس کو غیظ و غضب سے روکنا بڑے شیر مرد حکما کا کام ہے*

علمی کارنامے:۔ خواجہ نصیرالدین طوسی کے علمی کارنامے بہت سے ہیں۔ سب سے عظیم الشان کام تو یہی رصدگاہ تھی جس کا اوپر ذکر ہو چکا۔ اس کے علاوہ اس کی اعلےٰ درجے کی تصنیفات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) "المتوسطات" ہندسہ و ہیئت میں بے مثل کتاب ہے*

(۲) امام فخرالدین رازی کی کتاب المحصّل کا اختصار۔ اس میں خواجہ طوسی نے اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کیا ہے اور اس کی ترتیب کو فضول زوائد سے پاک بنایا ہے*

(۳) شرح اشارات۔ مصنّفہ شیخ الرئیس ابن سینا۔ اس شرح میں خواجہ طوسی نے امام فخرالدین رازی کی شرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام

فخر الدین نے اشارات کی شرح نہیں لکھی بلکہ اس پر جرح کی ہے - محقق طوسی نے یہ شرح پورے بیس سال کے زمانہ میں لکھی - اور امام رازی کے اعتراضات کو دفع کر کے اُن پر اپنی جانب سے بہت کچھ اعتراضات جڑے - کیونکہ امام رازی نے شیخ الرئیس کی مٹی بُری طرح پلید کی تھی - محقق طوسی نے حق شاگردی ادا کیا اور امام رازی کی خبر لی - مگر ان دونو کے اعتراضات اور اقوال پر بعد میں قطب الدین[1] شیرازی نے محاکمات لکھے اور اس میں جانبین کی زیادتیاں دکھا کر مناسب دلائل کو تسلیم اور باقی کو رد کیا +

(۴) تجرید - یہ منطق کی اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے +

(۵) اوصاف الاشراف (۶) قواعد العقاید (۷) التخلیص - علم کلام میں (۸) عروض پر ایک کتاب فارسی زبان میں +

(۹) بطلیموس کی کتاب مجسطی کی شرح +

(۱۰) جامع الحساب - اس میں اسطرلاب اور کرہ ارضیہ وغیرہ سے بحث کی ہے - اور علم ہیئت اور ہندسہ کے متعلق قیمتی اور مفید معلومات جمع کر دئے ہیں -

[1] قطب الدین شیرازی بہت بڑا علامۂ وقت اور منطقی و فیلسوف گزرا ہے - یہ محقق طوسی کا شاگرد بھی تھا - تباہی بغداد کے بعد وہاں کی جو کتابیں محقق طوسی نے جمع کی تھیں ان کی ترتیب اور فہرست بنانے کا کام اسی کو سپرد کیا گیا +

اس فن میں محقق طوسی کا پایہ بہت بلند تھا ؛
(۱۱) کتاب الفرایض حسب مذہب اہلبیت (۱۲) تعدیل المعیار (۱۳) بقاء النفس ۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ بدن کی ہلاکت کے بعد بھی نفس یعنی روح باقی رہتی ہے ۔ (۱۴) جبر و مقابلہ ۔ (۱۵) اثبات عقل فعال ۔ (۱۶) رسالہ اثبات واجب الوجود ۔ (۱۷) رسالہ امامت ۔ (۱۸) کلیات قانون شیخ پر حواشی ۔ (۱۹) زیچ ایلخانی ۔ (۲۰) رسالہ معرفۃ التقویم ۔ تیس فصلوں میں ؛
(۲۱) اخلاق ناصری ۔ علم اخلاق و آداب نفس میں جو فن حکمت کی ایک اہم شاخ ہے ۔ یہ کتاب زبان فارسی میں ہے ۔ خواجہ طوسی نے اس کو علاقۂ قہستان میں تالیف کیا تھا ۔ وہ اس کتاب کے دیباچہ میں اعتراف کرتا ہے کہ یہ کتاب علامہ احمد بن مسکویہ کی کتاب "تہذیب الاخلاق" کا ترجمہ ہے ۔ اور اس میں وہ اپنی طرف سے صرف دو باب سیاست مدن ۔ اور سیاست منزل کے اضافہ کرتا ہے ۔ لیکن اس اضافہ سے کتاب نہایت مفید اور کارآمد ہو گئی ہے ؛

ان کے علاوہ چند اور تصانیف بھی ہیں ۔ جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں پائی جاتی ؛

محقق طوسی کی نسبت لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ اس نے تاتاری دربار میں پہنچ کر خلیفہ بغداد سے اس کی بد سلوکی اور نا قدردانی کا

انتقام لینا چاہا اور ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو۔ لیکن ہم کو اس کا کوئی مستند ثبوت نہیں ملا ہے۔

اسی طرح ایک غلط روایت خواجہ طوسی کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس نے علامۂ ابن الحاجب مصنّف کافیہ و شافیہ سے کچھ بے اعتنائی کی تھی۔ مگر تاریخ اس کا معتبر ہونا ظاہر نہیں کرتی۔ اس لئے غالباً یہ غلط افواہ ہے کیونکہ ابن الحاجب اس کے رسوخ پانے سے قبل ہی فوت ہو چکا تھا۔

خواجہ نصیرالدین طوسی ۷۵ سال ، ماہ اور ۷ یوم زندگی کی منزلیں طے کر کے ماہ ذی الحجہ ۶۷۲ھ مطابق ۱۲۷۴ء میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ اور اسے حسب وصیت حضرت امام کاظم رضہ کے مزار مبارک کے نزدیک دفن کیا گیا۔ وہ چند ماہ سے بغداد میں آ گیا تھا۔ شاگردوں اور حشم و خدم کا گروہ کثیر اس کے ساتھ تھا۔ یہیں مرض الموت لاحق ہوا۔ اور آخرکار دُنیا سے چل بسا۔ اِنّا لِلّٰہ و انّا اِلیہ راجعون۔

اس کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھایا گیا۔ حاکم بغداد اور تمام امرا اور معززین نے مشایعت کی تھی۔ ایسے زبردست فیلسوف و عالم کی وفات کا عام صدمہ دلوں کو بے چین بنائے تھا۔

خواجہ طوسی نے تین فرزند نرینہ اپنی یادگار چھوڑے۔

(۱) صدرالدین علی - یہ باپ کے بعد اس کے مناصب پر مامور ہوا اور عزت کی زندگی بسر کر کے فوت ہو گیا ۔

(۲) اصیل حسن - اپنے بھائی صدرالدین علی کے بعد اس کی جگہ پر مقرر ہوا مگر بد دیانتی کی وجہ سے آخر کار معزول اور ذلیل ہوا ۔

(۳) فخر احمد - یہ ظلم و بد دیانتی کے جرم میں قتل کیا گیا ۔

ابوالفیض فیضی

نام و نسب:- ابوالفیض - فیضی فیاضی - نام و تخلص - شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری کا فرزند ہے - اس کے دادا شیخ خضر کے جد امجد شیخ موسےٰ ملک "یمن" (عرب) سے جو اصلی وطن تھا - اولیاے ہند کی ملاقات کے لئے نکلے تھے اور نویں صدی ہجری میں علاقہ سندھ کے قصبہ "ریل"[1] کو اپنی گوشہ نشینی کے لئے انتخاب کیا اور سکونت کی جگہ بنا لیا - اور وہیں بزرگ خدا پرستوں کے یہاں شادی کر لی بیٹے پوتے بھی اپنے بزرگ مورث کی طرح آئین درویشی کے پابند رہے - شیخ خضر کو دسویں صدی کے شروع میں اصلی وطن عرب کی یاد آئی - وہ چلے کہ چل کر عزیزوں کو دیکھیں ۔ بہت سے

[1] سیوستان میں ایک دلکش آبادی ہے ۔ مؤلف

رشتہ داروں اور دوستوں کو رفاقت میں لے کر ہندوستان میں آئے ۔ ناگور[۵] پہنچے تھے کہ کئی بزرگوں کے ایما سے یہاں سکونت اختیار کر لی ۔ لوگوں کو ہدایت کرنا شروع کیا ۔ ۹۱۱ھ میں اسی جگہ (یعنی ناگور میں) شیخ "مبارک" پیدا ہوئے ۔ باپ نے "مبارک اللہ" نام رکھا ۔

شیخ مبارک ۱۴ برس کے سن میں رسمی علوم سے فارغ ہو گئے تھے ۔ پھر سیاحت اختیار کی ۔ اور علم و فضل کے شوق میں بڑے بڑے بزرگوں کی خدمت میں پہنچے ۔ ناگور میں شیخ "عطن" سے کسب کمال ظاہر و باطن کرتے رہے ۔ پھر خواجہ عبداللہ احرار سے فیض علم پایا ۔ خطیب ابو الفضل گازرونی سے دوران سیاحت میں علوم منطق و حکمت و فلسفہ میں کامل استفادہ کیا ۔ غرض کہ بے مثل فیلسوف ۔ نہایت زبردست عالم ۔ بیحد متقی اور دیندار بزرگ ہوئے ۔ لیکن قسمت کے ہیٹے تھے ۔ صفائی باطن اور تقوے و طہارت کی پابندی کے سبب ہمعصر علما کے محسود رہے ۔ اور ان کی سازشوں کے باعث مصائب میں مبتلا ۔ کبھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا ۔ کسی دربار میں رسائی نہ مل سکی اور ملی تو حاسدوں نے کاٹ پھانس کر کے جمنے نہ دیا ۔ ۹۵۰ھ میں بمقام آگرہ توطن اختیار کیا ۔ شیخ علاؤ الدین مجذوب کی ہدایت

[۵] اجمیر کے شمال و مغرب میں ایک آباد جگہ ہے ۔ مؤلف

سے یہاں رہ پڑے تھے۔ دریاے جمنا کے اس پار "چار باغ"[1] نامی بستی میں مقیم ہوئے اور ایک سادات کے اچھے خاندان میں شادی کر لی۔ درس و تدریس کا ظاہری مشغلہ تھا۔ اور خلوت میں اذکار و اوراد کا شغل۔ گزر اوقات کی صورت یہ تھی کہ کوئی محتاط مخلص کچھ نذر لاتا تو ضرورت کے موافق لے لیتے تھے ؛

ولادت۔ تربیت اور تعلیم:۔ ۹۵۴ھ مطابق ۱۵۴۷ء میں بمقام "چار باغ" واقع آگرہ شیخ مبارک کے درخت اُمید میں پہلا پھل لگا۔ یعنی "ابوالفیض" ماں کے شکم سے اس کی آغوش میں آیا۔ اگرچہ سعادت و اقبال اس کا دامن تھامنے کو تھے۔ لیکن وہ وقت دُور تھا۔ ابھی تو ماں باپ کی سراپا افلاس زندگی اور پریشانیوں سے گھری ہوئی حالت تھی۔ نہ رہنے کا آرام تھا اور نہ کسی قسم کے ناز و نعمت کا سامان۔ تنگدستی اور فاقہ مستی سے سابقہ تھا۔ مگر فاضل اور علامۂ زمانہ باپ کی تربیت و تعلیم کی گود میں پلا اور پروان چڑھا۔ علم و فضل کا سرمایہ باپ سے پایا۔ تو ذہن و ذکا۔ فہم رسا۔ اور دل و دماغ حقیقت آشنا خدائے پاک کے یہاں سے ساتھ لایا تھا۔ ایشیا میں اس وقت جتنے علم عقلی اور نقلی رائج اور پڑھے پڑھائے جاتے تھے اُن

[1] پہلے اس کا نام چار باغ تھا۔ پھر ہشت بہشت کہلایا۔ بابر بادشاہ نے نئی طرح بنوا کر نور افشاں نام رکھا۔ اور اب "رام باغ" کے نام سے موسوم ہے ؛ مولف

سب میں مہارت حاصل کی - فلسفہ و حکمت میں خاص طور سے جوہر طبیعت دکھائے - مگر شعر و سخن کا مذاق غالب تھا - اس فن میں فیضی نے جو کمال دکھایا - وہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ اس کا دل اور دماغ قدرت کے فیضان سے سیراب تھا - اور "ملک الشعرا" اپنی شاعری ساتھ لے کر آیا تھا - باپ اگرچہ شاعر نہ تھا - لیکن ہمہ داں فاضل اور یکتائے وقت عالم تھا - نورچشم کا کلام دیکھا کرتا اور اس کو فن شعر کی باریکیوں سے مطلع بناتا - زبان کو فصاحت کی چاٹ لگاتا - اور اس سے سخن کے رموز کا سرچشمہ کھولتا تھا - ابوالفیض نے فن طب بھی حاصل کیا تھا - لیکن اس سے فائدہ فقط اسی قدر اٹھایا کہ خدا کے بندوں کا علاج کر دیتا - کسی سے اُجرت یا نذرانہ کچھ نہیں لیا کرتا تھا - بلکہ جب مفلسی کی آفت سے رہائی اور ہاتھ میں زیادہ رسائی ہوئی تو دوا بھی اپنے ہی پاس سے دینے لگا - اور جس وقت خدا کے فضل سے دولت و حشمت پائی اور خود فرصتِ علاج سے محروم ہوگیا تو خلق خدا کی آرام رسانی کے لئے اپنے خرچ سے ایک شفا خانہ بنوا دیا +

شیخ مبارک اور اس کے فاضل بیٹوں کے حالات خدائی قدرتوں کے کھیل ہیں - ان کو دشمنوں نے بیس سال تک ناکوں چنے چبوائے رکھا - ایک دم چین نہ لینے دیا - گھر اجڑوایا - گرفتار کرایا - دربدر پھرایا -

غرضکہ وہ کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ ان کی نیت جان بھی لینے کی تھی۔ لیکن سائیں کے دیئے ہوئے جیو کو اسی کے سوا کوئی لے نہیں سکتا۔ مصیبت کی کٹھن گھڑیاں تو کٹ گئیں۔ جان بچی جہان پایا۔ آخرکار ایک دن سب مشکلیں جھیل کر "اکبر بادشاہ" کی معدلت گستری کے سبب پھر وطن میں آئے اور اجڑا گھر آباد کیا۔ شیخ مبارک اپنے لٹے ہوئے گھر اور اجڑی اور گری ہوئی مسجد میں آ کر بیٹھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ چلا اور وعظ و ہدایت کی مجلسیں گرم ہونے لگیں۔ بادشاہ کی نگاہ زمانہ کے فاضل اور کامل لوگوں کی تلاش میں تھی۔ جہاں باعمل اور مدبّر عالم ہوتے اور دربار میں اُن کا شہرہ پہنچتا۔ دربار میں عُلمائے اور معزّز مرتبوں پر سرافراز کیئے جاتے۔ شیخ مبارک کا کمال بھی پرواز کے پر کھول اور کترے تول تول کر رہ جاتا تھا۔ اس کی غیرت وحمیت اور اس کا بے نیاز دِل امرا کے دروازوں کی گدائی پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیئے اس فیض عام سے محروم تھا۔

دربار میں رسائی۔ مصاحبت اور عزّت کا حصول :-

شیخ ابو الفیض فیضی ۱۹ سال تک آئے دِن کی مصیبتوں کے سبب دم لینے کی فرصت نہیں پا سکا تھا۔ اور روز روز کے صدموں نے اس کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ اب خطروں اور پریشانیوں سے چھوٹ کر آرام کے ساتھ گھر میں بیٹھا۔ تو اُس کی طبیعت بھی

کھلنے لگی اور اس کی طبیعت کی شاخ سے جو پھول جھڑتے تھے اُن کی مہک میدان عالم میں پھیل کر دربار تک بھی جا پہنچی۔ ۹۷۴ھ میں شہنشاہ اکبر کی فوج "چتوڑ" پر چڑھی تو کسی موقع سے فیضی کا بھی دربار میں ذکر آ گیا۔ شہنشاہ کمال کا جوہری تھا۔ جواہر کے شوق نے دل بیقرار کر دیا۔ فوراً طلبی کا حکم صادر کیا۔ دشمن بھی لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس حُسن طلب کو عتاب آمیز طلبی کے پیرایہ میں ظاہر کیا۔ اور آگرہ کے حاکم کو لکھا کہ" فوراً گھر سے بلا کر سواروں کے ساتھ روانہ کر دو"۔

شاہی حکم نامہ آگرہ کے حاکم کو ملا۔ تھوڑی سی رات گئی ہوگی۔ چند ترک سپاہی شیخ کے گھر پہنچے اور غل مچایا۔ اُن کو کیا معلوم تھا کہ بادشاہ سلامت کے شوق کا گلدستہ لینے آتے ہیں۔ یا مجرم کو پکڑنے۔ حاسدوں نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ شیخ بیٹے کو چھپائیگا۔ حیلے حوالے کریگا۔ اتفاق سے فیضی اس وقت باغ کی سیر کو گیا تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ وہ ڈر کر بھاگ جائے۔ اور شیخ کو پریشانی نصیب ہو۔ شیخ نے سپاہیوں سے بے تکلف کہ دیا کہ "فیضی گھر میں نہیں" بے سلیقہ سادہ لوح سپاہی جن کو یاروں نے پہلے ہی بھر دیا تھا اُچھلنے لگے۔ قریب تھا کہ آفت لائیں۔ مگر اتنے میں خدا کا کرنا فیضی بھی باہر سے آ ہی گیا۔ اور بات رفع دفع ہو گئی۔ لیکن اب سفر کا سامان کٹھن کام تھا۔

مفلسی کا پردہ شاگردوں اور سچے دوستوں نے ڈھانکا۔ یہ مشکل حل ہوئی۔ اور فیضی رات ہی کو گھر سے روانہ ہو گئے۔ مگر اس طرح کہ گھر والے دُبدھے اور غم میں پڑ گئے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ کئی دن بعد مژدہ مِلا کہ جہاں پناہ نے غریب نوازی فرمائی ہے کوئی خوف کی جگہ نہیں *

فیضی بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے۔ جہاں عالم پناہ جلوس فرما تھے اُس بارگاہ کے گرد جالی کا کٹہرا لگا تھا۔ ان کو باہر کھڑا کیا گیا۔ فیضی سمجھے کہ اس طرح کلام سُنانے میں خاک بھی مزہ نہ آئیگا۔ فوراً یہ قطعہ پڑھا:-

قطعہ

بادشاہا! درونِ پنجرہ ام از سرِ لطف خود مرا جا دہ
زانکہ من طوطیِ شکر خایم جاے طوطی درونِ پنجرہ بہ

شہنشاہ اکبر نے اس حاضر کلامی سے محظوظ ہو کر جالی کے اندر اور اپنے پاس بُلا لیا۔ اور فیضی نے اوّل دربار میں اپنا وہ قصیدہ پڑھا۔ جس کا مطلع یہ ہے:-

سحر نوید رساں قاصدِ سلیمانی
رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

قصیدہ میں ۱۹۷ شعر ہیں۔ ہر شعر سے کمال شاعری کے علاوہ فضیلت علم اور فلسفہ حکمت کے فوارے جاری ہیں۔ چونکہ دربار میں آتے ہوئے راستہ ہی میں موزوں کیا ہے۔ اور موقع وقت سامنے ہے۔ اس

لئے اکثر مناسب حال مضامین بیحد خوبی سے ادا ہوئے ہیں +

بلند خیال شاعر فیضی ایک خوش مزاج عالم اور شگفتہ بیان شخص تھا۔ خدا داد عقل و دانش اور وسعت علم و فضل کی بدولت چند ہی دن میں بادشاہی مصاحب ہوگیا۔ اور بادشاہ کو اس کے ساتھ وہ الفت ہوئی کہ سفر اور حضر کہیں ہو فیضی کے بغیر دل ہی نہ لگتا تھا۔ فیضی نے اپنا نقش اعتبار بادشاہ کے دل پر جما دیا۔ اور تھوڑے عرصے بعد اپنے علامۂ زمان بھائی "ابو الفضل" کو بھی دربار میں بلوا لیا۔ اب تو یہ عالم ہوگیا کہ سلطنت کے بڑے چھوٹے ہر قسم کے کام ان دونو بھائیوں کی صلاح سے ہونے لگے۔ جو ان کی رائے ہوتی وہی بادشاہ جہاں پناہ کی بھی مرضی ہوا کرتی۔ فیضی نے شاعری کی وجہ سے کوئی ملکی اور مالی خدمت اپنے ہاتھ میں نہیں لی۔ مگر تمام معاملات اس کی صلاح پر منحصر رہتے تھے +

ملکی و مالی خدمات:۔ جس وقت فیضی کو دربار اکبری میں دخل ملا ہے اُس وقت تک ہندوستان کے بادشاہی دفتروں میں کاغذات کی تحریر کا ڈھنگ نرالا تھا۔ ہندو ملازم ہندی اصول پر۔ اور ولایتی اپنے طریقے پر لکھا کرتے تھے۔ اس سے دفاتر شاہی میں عجب خلط ملط ہو رہا تھا۔ اکبر کے حکم سے ٹوڈرمل۔ فیضی۔ میر فتح اللہ شیرازی۔ نظام الدین بخشی۔ حکیم ابوالفتح

اور حکیم ہمام نے باہمی مشورہ سے دفتر کے کاغذوں کی ترتیب و تحریر کے قواعد تیار کئے۔ اور حساب کا سیاق بھی مقرر ہوا۔ تاکہ سب محاسب ایک ہی طریقہ پر عمل کر سکیں اور تحریروں میں اختلاف باقی نہ رہے +

جو شاہزادہ پڑھنے کے قابل ہوتا۔ اُس کی اُستادی کا اعزاز بادشاہ کی طرف سے فیضی ہی کو مرحمت ہوا کرتا۔ فیضی اُن کا اتالیق مقرر کیا جاتا۔ سلیم۔ دانیال اور مراد سب اسی کی تربیت کے فیض یافتہ تھے +

۹۹۶ھ میں دربار شاہی سے "ملک الشعراء" کا خطاب ملا۔ چغتائی مغل خاندان کے بادشاہوں میں سب سے پہلے یہ خطاب "غزالی شہیدی" کو ملا تھا۔ اور بعد ازاں فیضی کو حاصل ہوا۔ فیضی نے اس کی خواہش بھی نہیں کی تھی۔ وہ بڑا قانع مزاج تھا۔ اس نے کبھی کسی منصب یا حکومت کی ہوس نہیں کی۔ اور اتفاق وقت یہ کہ ملک الشعراء کا خطاب ملنے سے دو ہی تین دن پہلے مبداء فیاض نے اس سے ایک قصیدہ کے مطلع میں اس کی پیشینگوئی بھی کرا دی تھی۔ کہتا ہے: ؎

آں روز کہ فیض عام کردند ما را ملک الکلام کردند

اکبر فیضی کو "شیخ جیو" (شیخ جی) کہا کرتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فیضی اور فضل دونو بھائی اکبر کا نفس ناطقہ تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ ان کا سا خلوص اور ان کی جیسی وفا شعاری اور مخدوم پرستی

بھی کسی میں ہونا کارے دارد - اہل دکن جو مغلیہ حکومت سے ہمیشہ سرکش رہے - اُن کو اپنے زیر اثر بنانے کی خدمت اکبر نے فیضی ہی کو سپرد کی تھی - جسے فیضی نے کمال لیاقت و دانائی کے ساتھ انجام دیا - راجی علی خاں حاکم "خاندیس" کو شہنشاہ اکبر کا پکا ارادتمند بنایا - اور اس طرح ملک دکن کی کنجی اس کے قبضہ میں دے دی - فیضی ایک سال ۸ ماہ اور ۱۴ دن میں یہ خدمت بجا لاکر دربار میں واپس آیا - یہ ۱۰۰۱ھ کا زمانہ تھا - اور یہاں آکر پھر وہی مصاحبت اور دربار داریاں ہونے لگیں - شاعری پھول برساتی تھی - غور تصنیف کان سے جواہر نکالتی تھی - لیکن اس سفر سے آکر طبیعت کا رنگ کچھ اور ہو گیا تھا - اکثر خاموشی رہتی اور کسی غور میں پڑا نظر آتا - اسی عالم میں بادشاہ کی فرمایش سے "خمسہ" پر پھر ہاتھ ڈالا - تفسیر وغیرہ کتابیں بھی اخیر ہی میں نکالیں - ان کو دیکھکر عقل حیران ہوتی ہے - کہ یہ کرتے کیا تھے؟ دن رات آٹھ پہر کے تو یہ کام نہیں!

تصنیفات:- (۱) دیوان اشعار - اس پر دیباچہ بھی خود لکھا اور "تباشیر الصبح" نام رکھا ہے - ۴۰ برس سے زیادہ کی محنت کا نتیجہ اور ۹ ہزار بیت کا مجموعہ ہے - لطف زبان اور سادگیٔ مطالب کے ساتھ ہی حکمت کے باریک مسائل بڑی خوبصورتی سے نظم کئے ہیں - قصاید میں متقدمین کا رنگ ہے

اور تمام کلام برجستہ ہے۔ آمد کے سوا آورد کا نام نہیں ✣

(۲) انشاے فیضی۔ عرضداشتیں۔ خطوط۔ اور دیگر مضامین اس میں شامل ہیں ✣

(۳) خمسہ۔ شہنشاہ اکبر نے خمسہ نظامی پر طبع آزمائی کا حکم دیا۔ قرار پایا کہ:۔

مخزن اسرار کے مقابلہ پر "مرکز دوّار" لکھیں یہ ۳ ہزار بیت کی کتاب ہے ✣

خسرو شیریں کے مقابلہ پر "سلیمان وبلقیس" " ۴ ہزار بیت کا حکم تھا۔ متفرق اشعار ملتے ہیں ✣

لیلی مجنوں کے مقابلہ پر "نل دمن" " ۴ ہزار بیت میں ہو۔ موجود ہے ✣

ہفت پیکر کے مقابلہ پر "ہفت کشور" " ۵ ہزار بیت میں ہو۔ موجود نہیں ✣

سکندر نامہ کے مقابلہ پر "اکبر نامہ" " اتنے ہی شعر میں ہو۔ متفرق اشعار ملتے ہیں ✣

"داستان نل دمن" سنسکرت کے نامور شاعر کالیداس کی نظم کا ترجمہ ہے۔ چونکہ فیضی اس زبان کا ماہر اور فارسی پر قادر تھا لہذا خوب ہی لکھا ہے۔ سنسکرت کے نازک خیالات کو فارسی کے لباس میں جلوہ گر کر کے اہل زبان کا دل لبھا لیا ہے۔ اور اصل سے بھی نزاکت و لطافت بڑھا دی ہے ✣

(۴) لیلاوتی۔ سنسکرت میں حساب کی کتاب تھی۔ اس کا

فارسی میں ترجمہ کیا ٭

(۵) مہابھارت کا ترجمہ بادشاہ نے عبارت درست کرنے کے لئے عطا کیا۔ دو پرب (فن) کی اصلاح کر چکے تھے کہ اور ضروری کام سپرد ہو گئے اور یہ ناتمام رہی ٭

کہا جاتا ہے کہ فیضی نے "بھاگوت" اور "اتھرون بید" کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔ مگر مشہور ہے کہ عہد جوانی میں فیضی نے بنارس کے کسی گنوان پنڈت سے ہندو بن کر سنسکرت زبان سیکھی تھی۔ اپنا کام پورا کر چکنے کے وقت حال کھول دیا اور قصور کی معافی چاہی۔ اُستاد کو اگرچہ افسوس ہوا۔ لیکن شاگرد کی ذہانت اور لیاقت دیکھ کر خوش بھی تھا۔ بہر حال وعدہ لے لیا کہ "گایتری" کا منتر اور "چاروں وید" فارسی میں ترجمہ نہ کرے۔ یہ قصہ مستند نہیں ٭

(۶) "تفسیر سواطع الالہام"۔ بے نقط عبارت میں سنہ ۱۰۰۲ھ کے اندر لکھی ۷۵ جزو کی کتاب ہے۔ ایک ہزار بیت کے قریب دیباچہ۔ اور ۹۹ فقروں کا خاتمہ ہے۔ سب ایک ہی صنعت میں۔ کمال کیا ہے۔ خاتمہ میں یہ خوبی بھی ہے کہ اداے مطلب کے علاوہ ہر فقرہ بجائے خود تاریخ ختم کتاب ہے۔ اس پر بڑے بڑے معاصر علما نے تقریظیں لکھی ہیں ٭

(۷) مواردُ الکلِم :۔ نصائح اور مواعظ کی باتیں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں اور بے نقط الفاظ میں ادا کیا ہے۔ یہ کتاب تفسیر کے بعد لکھی۔ اس سے طبیعت کی

روانی کا زور آشکارا ہے ٭

مذہب۔ ابو الفیض ہی پر منحصر نہیں اس کے علامی بھائی اور یگانۂ عصر باپ کے مذہب پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ فیضی اور فضل تو علانیہ ملحد اور دہری کہے گئے ہیں۔ لیکن یہ قدامت پرستوں کی بے انصافی اور تنگ نظری ہے۔ ورنہ ان کی تصانیف سے ان کے عقاید پر کوئی حرف نہیں لایا جا سکتا۔ وہ فیلسوف اور خود اجتہاد کا پایہ رکھتے تھے۔ اس لئے ہر ایسے حکم کی پابندی کرتے جو مستند معلوم ہو۔ لکیر کے فقیر نہ ہونے کے سبب معاصر علما نے جب ان سے نیچا دیکھا تو ان پر کفر و الحاد کا فتوٰے لگا دیا۔ فیضی کی تفسیر موجود ہے۔ کوئی بات حدیث نبوی صلعم اور اقوال سلف رح کے خلاف نہیں لکھی ہے۔ پھر وہ کیسا ملحد تھا ٭

اخلاق و عادات:۔ فیضی شگفتہ مزاج۔ ملنسار۔ مہمان نواز۔ رحم دل۔ فیاض اور خلق دوست تھا۔ اس کا دیوان خانہ علما۔ شعرا اور اہل کمال کے لئے جائے پناہ اور راحت منزل تھا۔ اکثر بلکہ تمام کاملین پہلے اس کے مہمان ہوتے۔ خود اُن سے اچھا سلوک کرتا۔ دربار میں پیش کر کے انعام و اکرام دلاتا۔ مساکین اور مظلوموں کی مدد میں کبھی کمی نہیں کرتا تھا۔ گنہگاروں کی سفارش کر کے معافیاں دلا دیتا۔ مخدوم و خادم سب کو خوش رکھتا۔ ہاں اہل حسد

پر اس کا قابو نہ تھا جو اپنی آگ میں خود جلتے تھے۔

وفات:۔ ۱۰۰۳ھ کے اخیر میں مرض موت لاحق ہوا۔ دمہ نے ناک میں دم کیا۔ چار مہینے یہ مصیبت جھیل کر یہ رباعی زبان سے نکلی:۔

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد مرغ دلم از قفس بدآہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے درو مے گنجید تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

بیماری روز بروز بڑھتی اور پیچ در پیچ ہوتی چلی گئی۔ دمہ تو تھا ہی۔ جلندھر بھی ہو گیا۔ ہاتھ پیروں پر ورم آیا۔ خونی قے آنے لگی۔ نڈھال ہوتا چلا گیا۔ آخر میں سب سے دل اٹھا لیا۔ دو دن بالکل چپ رہا۔ بادشاہ اکبر خود عیادت کو آئے۔ پکارا تو آنکھ کھولی۔ آداب بجا لائے اور کچھ کہ نہ سکے دیکھ کر رہ گئے۔ بھلا یہاں شاہی کا کیا زور تھا۔ بادشاہ بھی دل میں کڑھے اور آنسو پی کر واپس ہوئے۔ بادشاہ اسی دن شکار پر چلے گئے۔ فیضی عالم آخرت کے سفر پر پا بر کاب تھا۔ بھائی سے کہا کہ تم چار دن کی رخصت لے لو اور میرے پاس رہو۔ چوتھے دن ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ کو خود دنیا سے رخصت ہو گئے۔

فضل و کمال کے گھر میں ماتم پڑ گیا۔ شعر و سخن نوحہ خواں ہوا کہ ہائے! لفظوں کا پرکھنے والا اور معنی کا سادہ کار دنیا سے اٹھ گیا۔ بیماری کی حالت میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:۔

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ نشود پاسے یکے مور لنگ

سری کرشن

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ - ہندوستان جنت نشان کا بے نظیر خطہ - اور اگر سرزمین بھارت کو جسم فرض کیا جائے تو اس میں بمنزلہ "دل" کے ہے - اس ملک میں دریائے "جمنا" کے کنارے ہندی الاصل ویدانت مذہب کے معتقدین کا ایک متبرک مقام شہر "متھرا" آباد ہے - یہی وہ شہر ہے جہاں ہندو مذہب کے مقدس رہنما "سری کرشن" مہاراج نے ظہور فرمایا - اور جن کی پاکیزہ و سبق آموز زندگی کے حالات ہم ناظرین کی نذر کرنا چاہتے ہیں ؛

شہر "متھرا" کے مضافات میں کوسوں تک دریائے "جمنا" کی پُر لطف روانی زمین کو سیراب اور سرسبز بناتی چلی گئی ہے - اور دریا کی بالائی سمت میں شہر مذکور سے کچھ دُور پر ایک ہرا بھرا جنگل ہے - اس میں تمال[1] - بگل[2] - اور کدم کے جھلارے درختوں کے گھنے انبوہ تھے - جن کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سبزہ زاروں کا نکھار - اپنا روپ دکھا کر دل کو لبھاتا تھا - ان سبزہ زاروں میں ہر طرف ہرے بھرے پیڑوں کے سایہ تلے صاف اور

[1] ایک قسم کا درخت ہے جو اب بھی بندرابن میں پایا جاتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے - [2] مولسری کا درخت ؛

میٹھے پانی کے چشمے بہ رہے تھے ۔ دُوب کے سبز مخملی فرش پر مرگوں کے غول کلیلیں کرتے درختوں کی چھاؤں میں موہنی صورت کے مور اپنے منقش پروں کو پھیلائے ناچتے نظر آتے ۔ اور اس جگہ کو "متھرا باشیوں" کی دلفریب سیرگاہ بناتے تھے ۔ یہی وہ بندرابن ہے جس کو کنھیّاجی کے بزم طرب کا مقام مانا جاتا ہے ۔ اور "جادون" خاندان کے زن و مرد چھوٹے بڑے سب یہیں آکر آرام زندگی کے لطف حاصل کرتے ٭

شہر متھرا کے نشیب کی سمت تھوڑی سی مسافت پر لب دریا "گوکل" نامی ایک گاؤں تھا ۔ یہ گوالوں کی بستی اور بڑی پُر لطف جگہ تھی ۔ چرواہوں کی یہ قوم نوشت و خواند ۔ علم و فضل اور فلسفہ و حکمت کے فوائد سے تو آگاہ نہ تھی ۔ لیکن آزاد زندگی ۔ سادہ مزاجی ۔ طبیعت کی چلبلاہٹ ۔ دیانت و عفت اور رحم و محبت کے اوصاف و جذبات میں اپنی آپ نظیر تھی ۔ عورت و مرد لڑکے اور لڑکیاں ۔ جوان اور بوڑھے سب ان خوبیوں میں برابر اور زندگی کی سچی مسرت سے بہرہ ور تھے گوالوں کے سردار "نندجی" اور ان کی بی بی "جسودھا جی" دونو اپنی قوم کے لئے عمدہ عادات و پسندیدہ اطوار رکھنے کے باعث موجب فخر اور عمدۂ سرداری کے ہر طرح لائق ۔ جماعت میں سربرآوردہ

اور ہر دل عزیز تھے ”نند جی“ اپنے وسیع اخلاق کے سبب ”متھرا“ کے شاہی خاندان میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے *
متھرا کا راجہ کنس جو اس وقت تخت سلطنت پر تھا۔ ظلم و بے رحمی کا پتلا۔ غضب کا سفاک۔ سنگدل اور سخت گیر تھا۔ رعایا اس کے ظلم وستم سے نالاں تھی۔ اور اس کی شاہی سطوت کے آگے عاجز و حیران۔ مجال کیا تھی کہ کنس کے خلاف کوئی دم مارے۔ مجرم کا دل دُبدھے میں رہتا ہے وہ ضمیر کی لعنت سُنتا اور اس کی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ کنس بھی با ایںہمہ شان و شکوہ دشمنوں سے بہت ڈرتا اور اپنی جان کی طرف سے فکر میں رہتا تھا۔ ایک بار نجومیوں کو جمع کرکے پوچھا کہ علم جوتش کا حکم لگائیں اور بتائیں کہ اس کی زندگی کا دشمن کون ہے؟ جوتشیوں نے بچار کیا۔ اور بہت کچھ سوچ سمجھ کر حساب کرکے بتایا کہ اس کی بہن ”دیوکی“ کا آٹھواں لخت جگر اس کی جان کا گاہک بنیگا۔ اور اسے قید حیات سے چھڑاویگا۔ کنس نے بہن اور بہنوئی ”واسدیو“ کو قتل کرنے کا قصد کیا۔ مگر ان دونو بے گناہوں نے رو دھو کر اور یہ وعدہ کرکے کہ وہ اپنے پارہ ہائے جگر کو بخوشی کنس کے حوالے کرتے رہینگے تاکہ وہ ان کو قتل کر دے۔ اپنی جان بچائی۔ کنس نے بہن اور بہنوئی کو اپنے زیر نگرانی قید رکھا۔

جب ان کے کوئی بچہ ہوتا۔ ظالم کنس ہمشیرہ زادہ کے خون سے فوراً ہاتھ رنگتا۔ اور اسی طرح اس نے بہن کے سات فرزند تلف کئے اور اُن کے خون اپنی گردن پر لئے +

ولادت۔ پرورش اور تعلیم و تربیت:۔ سری کرشن مہاراج کے نسب۔ خاندانی حالات اور جائے سکونت کا پتا سُن چکے۔ اب یہ سنو کہ وہ پیدا ہوکر زندہ کیونکر بچے۔ اور کہاں اور کس طرح پرورش پائی +

ظالم راجہ کنس مظلومہ "دیوکی" کے سات نور چشم پے در پے بڑی بے رحمی سے مار چکا تھا اور "دیوکی" کو آٹھواں حمل رہا تو وہ سخت مغموم ہوئی۔ مامتا کا جوش اسے کسی طرح چین نہیں آنے دیتا تھا" واسدیو" بھی اس سے کم پریشان و رنجیدہ نہ تھے۔ دونو نے صلاح کی کہ اس مرتبہ اپنے دل کے ٹکڑے کو جیسے بھی بن پڑے زندہ بچانا چاہئے۔ "واسدیو کی" نند جی" سے بڑی گہری دوستی تھی۔ دونو میں باہمی صلاح ہوئی۔ اور ایسی تجویز قرار پاگئی۔ جس سے "واسدیو" کا آٹھواں بیٹا موت کا شکار نہ ہونے پائے +

"سری کرشن جی" نے جنم لیا تو اس دن اور وقت خدا کی خاص قدرت سے نہایت زور کی بارش ہو رہی تھی۔ رات کا وقت۔ گہرے بادل۔ اندھیرا چھایا ہُوا۔ ہوا تند تاٹے کی چلتی تھی۔ "واسدیو" بچہ کے وجود میں آتے ہی اس کو کمبل میں لپیٹ کر

"گوکل" لے گئے - اور "نند جی" کی لڑکی اس کے بجائے لے آئے - جو اسی وقت پیدا ہوئی تھی - یہ کارروائی نہایت پردہ داری سے انجام کو پہنچ گئی - اور راجہ کنس نے صبح کو معصوم لڑکی کے خون سے ہاتھ رنگے - "سری کرشن" زندہ بچ رہے +

"نند" اور "جسودھا" دونو پاک دل شوہر اور بیوی حقیقی ماں باپ سے بڑھی ہوئی شفقت کے ساتھ "واسدیو" اور "دیوکی" کے اس لخت جگر کو پالنے لگے - یہ "جادون" خاندان کا شہزادہ "گوکل" میں گوالوں کے بچوں کی طرح پرورش پا کر پروان چڑھا - سارا گاؤں اس کی موہنی صورت پر فدا تھا - بہت سے پیارے پیارے نام اس کو دئے گئے تھے - مگر دو نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں - اوّل وہ نام جو پالنے اور دودھ پلانے والی ماں "جسودھا" کا دیا ہوا تھا - وہ ان کو "کنھائی" کہ کر بلاتی تھیں - اور دوسرا عام نام جو گوالوں کے فرقے میں مشہور تھا وہ "سری کرشن" تھا +

تعلیم و تربیت کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں - گوالوں کے فرقے میں پڑھنے لکھنے یا آداب مجلس وغیرہ کا ذکر ہی کیا تھا - ہاں وہ مویشی کی پرورش - ان کی حفاظت - اور اُن کا دودھ دوہنے - دہی جمانے - اور گھی بنانے کے فن میں ماہر تھے - اور اسی لحاظ سے مویشی چرانے کی خدمت "سری کرشن"

کو بھی سپرد ہوئی۔ کیونکہ گوالوں کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا پہلا زینہ یہی تھا ٭

سری کرشن "بانسلی" خوب رسیلی بجاتے تھے۔ سننے والے مست ہوکر ان کے گرد جمع ہو جاتے گوکل کی گوالنیں ان کی نے نوازی پر فریفتہ تھیں۔ اور انہیں گھیر کر ان کی سریلی نے کی بیخود کر دینے والی تانیں سنا کرتی تھیں۔ اِسی "نے" کا منصب "سری کرشن" کے آخری حصۂ عمر میں "ناقوس" (سنکھ) کو حاصل ہوگیا جس کی مہیب اور دل ہلا دینے والی آواز میدان جنگ میں بہادروں کا جوش جوانمردی بڑھایا کرتی تھی ٭

"سری کرشن" "گوکل" کے باشندوں کی جان تھے۔ ان کی محبت اہل "گوکل" کے دلوں میں عام انسانی الفت سے بہت بڑھ کر اور عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ لڑکے لڑکیاں۔ جوان مرد اور عورتیں۔ اور بڑے بوڑھے سب ایک ساں ان سے مانوس تھے۔ بچپن کے ایام کا وہ حصہ جو گھر میں گزرا۔ اس میں "سری کرشن" کی شوخیاں گوکل والوں کو تنگ کرتی تھیں۔ پڑوسیوں کے گھر میں چھپکے سے جا کر دودھ اور مکھن چکھ آنا۔ برتن توڑ ڈالنا۔ اور ایسے ہی بہت سے نقصان کر دینا ان کا کام تھا۔ مگر کوئی ان کی شکایت نہ کرتا۔ یہ حالت اُس وقت خاتمہ کو پہنچ گئی جبکہ "سری کرشن" اپنے باپ کی گائیں چرانے کی خدمت پر مامور ہوتے۔ "جسودھا جی" تو اس نور دیدہ کو اس کام پر بھیجنا

نہ چاہتی تھیں۔ لیکن مجبوراً انہیں ماننا ہی پڑا۔ پھر بھی طرح طرح کے مرغوب کھانے پکاکر ان کے ساتھ کر دیتیں۔ اور گھر سے بہت دُور نہ جانے۔ دریاے جمنا کے پار نہ ہونے۔اور راجہ کنس کی نظر سے بچنے کی ہدایت کرتی رہتیں۔ سری کرشن کے ہمسن لڑکے اس وقت تک کبھی چراگاہ کو نہ جاتے۔ جب تک ان کے پیارے "کنھائی" ساتھ نہ ہوں۔ ہر ایک کھیل بغیر ان کی شرکت کے کھیلا ہی نہ جاتا۔ان کی ایجاد سے نئے نئے کھیل انہیں معلوم ہوتے "بانسلی" کی میٹھی تانیں سننے میں آتیں۔اسی بچپن کے عہد میں "سری کرشن سے چند ایسے کام ظہور میں آئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر خیال کئے گئے۔بہت سے خونخوار جنگلی جانور اُنھوں نے ہلاک کئے اور ایک مرتبہ دریاے جمنا کے اندر ایک قاتل کالا سانپ مارا جس کو "کالی ناگ" کہا جاتا تھا ٭

سری کرشن کی عمر گیارہ بارہ سال کی ہوگی جب اُن کی ہم عمر گوکل کی گوپیاں ان کے بانسلی بجانے کی عاشق زار ہو گئیں۔ پہلے دریاے جمنا کے "پنگھٹ" پر اور پھر قرب و جوار کے سبزہ زاروں میں گوپیوں کا سری کرشن کے گرد جماؤ رہتا۔ چاندنی راتوں میں ان کی نے نوازی سے نازنین گوپیاں مست ہو کر وجد و رقص میں آیا کرتی تھیں۔ مختلف کھیل تماشے ہوتے۔ بارش میں جھولے پڑتے اور بہار کے موسم

میں عبیر و گلال کے قمقموں سے ہولی کھیلی جاتی - ان جلسوں میں گوکل کے سارے گوال اور گوپیاں شریک ہوتیں - یہ صحبتیں بیہودہ نفسانی جذبات سے پاک تھیں - یہاں صرف سچی محبت کی روحانی لذت حاصل کی جاتی تھی - ایک بار "بندرا بن" میں "سری کرشن" نے "رہس" یعنی دائرہ بنا کر ناچنے کا عظیم الشان جلسہ ترتیب دیا - قرب و جوار کی حسین و مہ پارہ گوپیاں عمدہ لباس اور پھولوں کے زیور سے آراستہ اس میں شریک ہوئیں - نکھری ہوئی چاندنی رات کا سناٹا اور اس میں ایسا دلفریب نظارہ - قلم کی زبان چاک ہے اور طاقت نہیں رکھتی کہ اس کا خاکہ لفظوں میں کھینچ کر دکھا سکے ❊

"سری کرشن" سلطنت عشق و محبت کے بادشاہ تھے - خیلِ خوبانِ گوکل ان کا لشکر تھا - گوکل کا ایک ایک آدمی ہر عمر و درجہ کا دل سے ان پر فدا اور ان کا معتقد تھا - اس ارادت اور عقیدت کا ثبوت حسب ذیل واقعہ سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ - ایک بار گوکل کے سب بزرگ "اندر دیوتا" پر قربانیاں چڑھانے کے واسطے بڑا بھاری جگ (جشن) کرنے والے تھے - تیاریاں دیکھ کر "سری کرشن" نے اپنے بزرگ باپ سے دریافت کیا "یہ کیسا سامان ہے"؟ "نند" نے جواب دیا ❊

"پیارے بیٹے! ہم زمانہ کی رسم کے مطابق اندر دیوتا کی پوجا اور اس پر بھینٹ چڑھانے کی تیاری

کرتے ہیں ۔ اندر بارش کا دیوتا ہے ۔ مینہ اسی کے حکم سے برستا ہے ۔ اور بارش سے کھیت ہرے ہوتے ہیں ۔ اناج کی پیداوار ہوتی ہے ۔ اور انسان کی روزی کا سامان حاصل ہوا کرتا ہے"

"سری کرشن" کی عمر ابھی بچپن ہی کی حد میں تھی ۔ وہ کوئی عالم اور ہنر والے نہ تھے ۔ مگر باپ کی گفتگو سن کر انھوں نے جو موثر وعظ کیا ۔ اس کا گوالوں کے دل پر ایسا گہرا نقش جما کہ وہ اپنے مدتوں کے قدیم عقاید کو ترک کر کے ان کی نئی تعلیم کے پابند ہو گئے ۔ "سری کرشن" نے فرمایا :-

انسان کی ہستی اس کے کاموں کا پھل ہے ۔ اس کی پیدائش ۔ اس کا دکھ اور سکھ ۔ اس کی بھلائی برائی سب کرموں کا نتیجہ ہے ۔ نہ آدمی کوئی کام کرے اور نہ کوئی انجام نکلے ۔ بس دنیا میں جو چیز اعلےٰ اور برتر ماننے کے قابل ہے وہ یہی اعمال ہیں ۔ اندر کی پرستش ایک عبث فعل ہے ۔ اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ۔ دنیا قدرتِ کاملہ سے وابستہ ہے اور قدرت خالقِ اکبر کا فعل ۔ اس لئے فعل ہی خدا ہے ۔ اور ہماری زندگی کرموں پر مبنی ہے ۔ اگر ہم کو جینا منظور ہو تو چاہیئے کہ ہم کام کریں ۔ اور پرستش کے لائق بھی وہی چیز ہے جو ہم کو زندہ رکھتی ہے ۔ گائیں ہماری زندگی بسر کرنے اور روزی کمانے کا ذریعہ ہیں ۔ اور ان کی پرورش کا ذریعہ ہمارے سامنے والی

گوبردھن پہاڑی - ہم قربانیاں کریں تو انہی کے واسطے کریں - اندر کو بھینٹ چڑھانا لا حاصل ہے"+

سری کرشن کی یہ تعلیم گوالوں کے دل میں تیر گئی - وہ اپنے کہنہ عقیدے سے دست بردار ہوئے - روحانی بہبودی کا سیدھا راستہ پاکر" سری کرشن" کے پیرو بنے - اور گوبردھن پہاڑی پر جاکر قدرت کاملہ کی پرستش میں مصروف ہوئے +

سری کرشن کے کارنامے پہلے ہی سے شہرت پا چکے تھے - اس واقعہ نے ان کا نام اور چمکا دیا - یہ خبریں "متھرا" کے گلی کوچوں میں مشہور ہوئیں - راجہ کنس نے بھی سن گن پائی - مجرم کا دل کانپ گیا - فکر دامنگیر ہوئی "سری کرشن" کا حال چال دریافت کرنے پر مخبر اور جاسوس لگائے چند مرتبہ چھلے سے اُن کو ہلاک کرا دینا چاہا - مگر یہ تدبیر پیش نہ گئی - کنس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ "سری کرشن" اس کی بہن "دیوکی" کا بیٹا ہے نند کا فرزند نہیں - غم و غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا - بظاہر ضبط کیا - لیکن دل میں آگ لگی تھی - اور آنکھیں اس آگ کے شعلوں کو نمایاں کرتی تھیں - کھلے بندوں "سری کرشن" پر ہاتھ ڈالنا غیر ممکن تھا رعایا جو ان کی عاشق اور مرید تھی بگڑ جاتی - فوج کی طرف سے دھڑکا تھا کہ "سری کرشن" سے مقابلہ نہ کریگی - منصوبہ باندھا کہ مکر سے اُن کو مروا ڈالے +

متھرا کا ایک شخص "اکرور" نامی "سری کرشن" کا یار غار تھا۔ راجہ کنس نے اس کو دربار میں بلوایا۔ بڑی آؤ بھگت۔ عزت سے بٹھایا۔ اور تحائف دے کر یوں کہنے لگا:-

"اے نیک مرد! ہم نے سنا ہے کہ "کرشن" ہماری بہن "دیوکی" کے فرزند ہیں۔ ہمیں غیرت آتی ہے کہ جادوں خاندان کا شہزادہ گھوسی کا بیٹا بن کر رہے۔ ان کو متھرا میں آکر شہزادوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہاری "سری کرشن" سے گہری دوستی ہے۔ تم ہی یہ پیغام لے کر جاؤ اور انہیں متھرا میں لے آؤ۔ تاکہ وہ یہاں آکر شاہانہ شان سے زندگی بسر کریں"۔

"اکرور" یہ شاہی پیغام لے کر "گوکل" پہنچا۔ وہاں خوشی اور غم کی توام حالت پیدا ہوئی۔ گوالوں کی قوم اپنے محبوب رہنما کی جدائی سے بیچین اور اس کے عروج سے خوش تھی۔ مگر مفارقت کا صدمہ خوشی پر غالب تھا۔ "سری کرشن" نے ان کو تسکین دی۔ اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے "اکرور" کے ساتھ "متھرا" میں آئے۔

راجہ کنس نے بڑی شان و شوکت سے ان کی آمد پر خوشی کا جلسہ کیا۔ خوب خاطر داری کی۔ الفت بزرگانہ کا اظہار کیا۔ اور جلسہ میں خوشی کے کھیل تماشوں کا انتظام فرمایا۔ کھیلوں میں گھونسہ بازی کا حصّہ

بھی رکھا تھا - اس کام کے جاننے والوں کو پہلے ہی چپکے سے سکھا دیا تھا - کہ "سری کرشن" کو زندہ نہ چھوڑنا - "سری کرشن" سے کہا گیا کہ وہ گھونسہ بازی کے کرتب میں شریک ہوں - یہ تاڑ گئے کہ "ہو نہ ہو کچھ دال میں کالا ضرور ہے" اہل جلسہ کو بھی راجہ کی بد نیتی کا حال معلوم ہو گیا - اور اب اس راز کا پردہ اُلٹ گیا تھا *

سری کرشن نے خونخوار مشت زن کو دم کے دم میں مار ڈالا - اور اس سے نبٹ کر راجہ کنس کو بھی ہلاک کر دیا - جلسہ میں ہلچل پڑ گئی - ہر طرف سے واہ واہ اور مرحبا کی آوازیں اُٹھیں - متھرا والوں نے متفق ہو کر "سری کرشن" کو تاج و تخت پیش کیا - مگر ان کو حکومت اور سلطنت کی ہوس نہ تھی - انھوں نے اپنے بڈھے نانا "راجہ اُگرسین" کو جسے نالائق کنس نے قید کر رکھا تھا - بندی خانہ سے نکلوا کر تخت پر بٹھایا اور اس سے کہا :- "میں نے کنس کو اس لئے نہیں مارا کہ تاج و تخت لوں - وہ بڑا ظالم تھا - اس کی بدکرداری حد سے بڑھ گئی تھی - میں نے محض خلق خدا کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی جان لی - تمہارا تخت و تاج تمہیں مبارک رہے - تم جادوں خاندان کے مکھیا ہو - اب تخت پر بیٹھو اور حکومت کرو - میری دلچسپی کا سامان گوکل کے رمنوں سے بڑھ کر اور کہیں نہیں ہو سکتا" *

" پھر کنس کی بیوہ رانیوں اور دیگر عزیزوں کی طرف جو گریہ و نوازی کر رہے تھے متوجہ ہو کر ان کے قدموں پر گرے - خطا کی معافی مانگی - اور شاہی جلوس کے ساتھ کنس کو اوّل منزل پہنچانے کا حکم دیا - پھر سب کو تسکین دلائی - راجہ کنس کی لاش جلا دی گئی - اور راجہ "اگرسین تخت پر بیٹھا - "سری کرشن" کو تحصیل علم کا شوق ہوا - اور ایکبارگی طبیعت نے ایسا پلٹا کھایا کہ اس شعر کے مصداق ہو گئے - ؎

" اگلا سا وہ مزاج وہ عادت نہیں رہی
وہ ہم نہیں رہے وہ طبیعت نہیں رہی "

" سری کرشن " میں بچپن کی شوخیاں - طفلی کی عاشق مزاجی - دل لگی - اور چہل بازی - کوئی بات نہیں رہ گئی تھی وہ اب متین - مُدبّر - حکمرانی کے اچھے ماہر - اور بہت اعلےٰ درجہ کے منتظم ہو گئے تھے - عزیز ہمسن - لنگوٹیئے یار - پیاری گوپیاں - مہربان ماں باپ جسودھا اور نند بھول گئے - بلکہ جب وہ گوکل سے چل کران کو لینے کے واسطے متھرا آئے تو سری کرشن نے کمال متانت کے ساتھ انہیں سمجھایا کہ اب مجھے وہ پہلا " سری کرشن " نہ سمجھو بلکہ خاندان جادوُں کے شہزادہ کی نظر سے دیکھو - بہرحال متھرا میں خوشی اور گوکل میں غم و الم چھایا - اور " سری کرشن " کو اہل عالم کی تلقین و اصلاح کے لئے علم حاصل کرنے کی ضرورت نے " سندی پن " رشی کی خدمت میں پہنچایا +

اعلےٰ تعلیم:۔ "سری کرشن" اور ان کے سوتیلے بھائی "بلرام" نے "سندی پن" رشی کی خدمت میں کئی سال بسر کئے۔ اس عرصہ میں یہ گوشہ نشین عابد اور روشن ضمیر عالم و فیلسوف اپنے فیضان علم سے ان کے باغ طبع کو سیراب و شاداب بناتا رہا۔ سری کرشن اور بلرام اس کامل استاد کے پاس علوم فلسفۂ الہیات۔ سیاست مدن، اور اصول حکمت کی اعلےٰ اور اکمل تعلیم پاکر فارغ ہوئے۔ اسی دوران میں وہ جنگی فنون میں بھی دستگاہ حاصل کرتے رہے تھے۔ فطری قابلیت کو تعلیم و تربیت نے خوب جلا دے دی۔ اور یہ تمام مروجہ زمانہ علوم و فنون میں طاق ہوکر متھرا میں واپس آئے +

جنگی اور انتظامی لیاقت:۔ سری کرشن میں عالی دماغی۔ فکر رسا۔ بلند حوصلگی۔ استقلال اور جرأت کی خوبیاں پہلے ہی موجود تھیں۔ علم کے جوہر نے ان اوصاف کو اور چار چاند لگا دئے۔ وہ اب اپنے وطن کی سچی اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ خاک ہند کی حالت اندرونی جھگڑوں۔ ظالم راجوں اور شریر آدمیوں کی وجہ سے سخت نازک ہے۔ رحم دل۔ انصاف پسند حکمران نایاب ہیں۔ مظلوموں کی مدد اور ملک میں امن و آسایش قایم کرنے کی بیحد ضرورت ہے۔ کیونکہ بروں کا دور دورہ ہونے سے اچھے اور نیک آدمی جنگلوں میں بھاگ گئے تھے اور جان چھپاتے پھرتے تھے۔ متھرا کی سلطنت کے رکن بن کر پہلے وہ اپنے ہی

وشیع وطن اور صوبہ کی حالت سُدھارنے میں مصروف ہوئے۔
۔ سری کرشن کے طالب علمی کے زمانے اور غیبت میں
راجہ " جراسندھ " متھرا پر چڑھ آیا۔ اس کی دو بہنیں
راجہ کنس کو بیاہی تھیں۔ کنس مارا گیا تو رنڈاپا کاٹنے
کے ارادے سے اپنے بھائی کے ہاں چلی گئیں اور جادوں
خاندان اور سری کرشن کی شکایتیں کر کے اس کو طیش
دلا دیا۔ " جراسندھ " ایک زبردست راجہ تھا۔ اس نے
بھاری لشکر لے کر متھرا پر دھاوا کیا۔ لیکن غنیمت یہ
ہوا کہ سری کرشن عین وقت پر متھرا پہنچ گئے۔
اور غنیم کو مملکت جادوں کی حدود سے مار کر باہر نکال
دیا۔ اور صرف یہی نہیں کیا۔ بلکہ " جراسندھ " کے سترہ
زبردست حملے پے در پے رد کئے اور اس کو شکست
پر شکست دیتے رہے۔ اٹھارھویں دفعہ " جراسندھ "
شودر راجہ " کالباہن " سے مل گیا۔ " کالباہن " شمالی
علاقہ کی سب شودر پہاڑی قوموں کا زبردست لشکر
لے کر متھرا پر بڑھا۔ سری کرشن کے پاس کافی فوج
نہ تھی۔ انہوں نے تہوّر چھوڑ کر دور اندیشی سے کام
لیا جو اصلی شجاعت ہے۔ پیش بندی کے طور پر سمندر
کے کنارے ایک نیا اور بیحد مستحکم شہر " دوارکا " نامی
تعمیر کیا۔ اہل متھرا کے عیال و اطفال اس میں بھیج
دئے۔ دوارکا پر قبضہ کرنا بڑا کٹھن کام تھا۔ بلکہ
ناممکن۔ پھر جوانمردوں کی جماعت ساتھ لے کر خود
" کالباہن " سے لڑے۔ دشمن کو لڑائی کی گھات سے

مار لیا۔ اور اس کی فوج کے دانت کھٹے کر کے فتحیاب ہونا ہی چاہتے تھے۔ کہ یکایک "جراسندھ" بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اور "سری کرشن" کے بہادر سرفروش بدحواس ہو کے میدان سے بھاگ نکلے ہزیمت خوردہ سپاہ روکے سے نہ رکی۔ اور غنیم کے تعاقب نے اس کو فنا اور پراگندہ کر ڈالا "سری کرشن" کسی تدبیر سے بچ کر بخیریت "دوارکا" میں پہنچ گئے*

اگرچہ اس شکست نے "سری کرشن" کی جنگی قوت مضمحل اور سست کر دی تھی۔ لیکن ان کا تدبر اور اعلٰے لیاقت انتظامی تو ان کے پاس ہی تھی۔ انہوں نے بہت جلد اپنی خطا نہ کرنے والی تدبیروں اور بے نظیر حکمت عملیوں کے ذریعے سے ملک ہند کے تمام حکمرانوں پر وہ فوقیت حاصل کر لی کہ ہر تاجدار کو ان کی نظر مہربانی کی آرزو اور چشم عتاب کا خوف رہتا تھا۔ معمولی راجوں مہاراجوں کا ذکر ہی کیا ہے۔ کورو اور پانڈو جیسے زبردست مہاراجگان۔ کہ شہنشاہ ہند تھے "سری کرشن" جی کی اطاعت و فرماں برداری کو اپنی سعادت تصور کرتے اور ان کی رہنمائی کے محتاج تھے "بھیشم پتامہ" جیسا بے مثل جنگجو بہادر اور ملکی مدبر "سری کرشن جی" کو خدا کا اوتار اور پرستش کا سزاوار مانتا تھا۔ کوہ ہمالیہ سے متھرا اور دوارکا سے کچھیا تک تمام تاجور اُن کے زیر حکم تھے۔ اور ہندوستان کی سیاست اور مذہب دونو کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں آ گئی

تھیں۔ سب آدمی ان کی اعلےٰ فراست کے قائل۔ اور دل و جان سے سچے عشق کے ساتھ ان کی پرستش کرتے تھے ۔

سری کرشن نے متعدّد شادیاں کیں۔ پہلی شادی رانی "رکمنی" سے ہوئی۔ ان کی تمام بیبیاں اعلےٰ حکمران گھرانوں کی بیٹیاں تھیں۔ انہوں نے گوکل کے طاقت ور گوالوں میں سے دلیر و شیر دل جوان منتخب کر کے اپنی فوج میں بھرتی کئے۔ رعایا کو خوشحال بنایا اور ظاہر ہے کہ بغیر ان تدابیر کے کوئی حکمران ملک میں ہر دلعزیز۔ اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ ملک کے اندرونی جھگڑے سب طے کر دئے۔ تباہی اور بربادی کا گھر اُجاڑ دیا۔ ظالم تاجداروں کو سزائیں دیں۔ دُنیا کو ان کے وجود سے پاک کیا۔ جابروں کو رحم دل۔ ظالموں کو عادل اور بے اطمینانوں کو مطمئن بنایا۔ ان کارروائیوں سے ہندوستان درحقیقت جنت نشان ہو گیا۔ اور لطف یہ کہ "سری کرشن جی" نے یہ سب کچھ فوج و اسلحہ کے زور سے نہیں کیا۔ بلکہ اپنی سیاست دانی اور بے مثل فہم و تدبر کے وسیلہ سے۔ اصل یہ ہے کہ اہل ہند کیا راجا۔ اور کیا پرجا اطوار سب کے بگڑ گئے تھے۔ دلوں میں رحم و محبت کی کسک باقی نہ رہی تھی۔ بد اخلاقی اور جور و تعدّی کی بلا عام تھی "سری کرشن جی" نے اپنی تلقین اور تدبیر سے ان خرابیوں کو دُور کر دیا تو دنیائے ہند کے چمن میں پھر تازہ رونق اور

بہار آگئی *

اخلاق و عادات :- ایک مصلح ملک - مدبر - نیک خصال فیلسوف کی حیثیت سے دیکھو تو - اور مذہبی ریفارمر واضع آئین انصاف اور تائید غیبی سے موئید مانو تو بھی - بہر حال "سری کرشن جی" کی زندگی ایک بیحد پاکیزہ زندگی ہے - اُن کے اخلاق و عادات کا جلوہ اگرچہ ان کے کارناموں کے آئینوں میں بخوبی موجود اور نمایاں ہے - لیکن اچھا ہوگا کہ ہم آپ کو خود انہی کی زبان سے سُنوا دیں کہ وہ کیا تھے اور اپنی نسبت کیسی رائے رکھتے تھے سری کرشن جی" اپنی عزیز بی بی" رکمنی" مہارانی سے فرماتے ہیں :-

" تم نے بڑے بڑے بادشاہوں اور راجوں کی درخواست شادی نامنظور کر کے مجھے اپنی زندگی میں شریک بنانا منظور کیا تو کیوں ؟ میں کسی سلطنت کا حکمران نہیں - دشمنوں کے ڈر سے ساحل سمندر کے ایک شہر میں بند پڑا ہوں - میرا چال چلن دُنیا بھر سے نرالا ہے - برتاؤ کی وہ کیفیت کہ عام لوگوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا - میرے دل کا راز کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا - میری بی بی کیا زندگی کا لُطف پا سکتی ہے - مجھے غریبوں - اور آفت کے مارے ہوؤں سے اُنس ہے - امیروں کے ساتھ میل ملاپ پسند نہیں - عیش و عشرت - گھر بار - بال بچے کسی کی محبت اور تمنا میرا دل نہیں گرماتی - حتےٰ کہ اپنے بدن تک کی بھی مجھ کو خبر نہیں رہتی -

میرے جیسے آدمی ہمیشہ اپنے ہی اوپر بھروسہ کیا کرتے ہیں۔ اور انہی پر قانع رہتے ہیں۔ پیاری! تم نے مجھ سے شادی کر کے بڑی غلطی کی ہے"۔

سری کرشن سچے عاشق۔ پکے دُنیا دار۔ مشہور ملک کے منتظم۔ لائق سلطنت کے مدبّر۔ بیحد کامل فیلسوف۔ اور نہایت بزرگ راہنما تھے۔ ایک ادنےٰ دودھ بیچنے والے کے بیٹے سے ترقی کر کے اعلےٰ درجہ کے آدمی ہو گئے۔ تمام حکمرانان ہند ان کی سرداری کو دِل سے مانتے۔ اور ان کی رہنمائی کے پیرو بنتے تھے۔ وہ فیلسوفانِ عصر کے استاد ہوئے۔ اور ہر بات میں کمال کا مرتبہ پایا۔ مگر خود نمائی۔ ذاتی عزّت کا خیال۔ اور خود غرضی ان میں مطلق نہ تھی۔ ان کا اصلی منشا دُنیا میں سچی محبّت اور ہمدردی۔ حقیقی امن اور خوشحالی۔ بے داغ مسرّت اور سعادت کی اُمنگ پیدا کرنا تھا۔ اور جس طرح بن پڑا وہ اپنی اس غرض کو مکمّل کر گئے۔

ان کی مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کا جلوہ پانڈوں شہزادوں کے حالات کا آئینہ سامنے رکھ کر دیکھو۔ راج کنواری دروپدی کے سوئمبر[ل] میں شہزادہ ارجن نے مچھلی

[ل] راجپوت قوم کے راجوں کا دستور تھا کہ دوشیزہ لڑکیوں کی شادی کے لئے ایک جشن کرتے۔ اس میں تمام راجے اور راج کنور جمع ہوتے۔ لڑکی محفل میں آتی اور جس کو پسند کر کے ہار پہنا دیتی اسی کے ساتھ بیاہ دی جاتی۔ اس جشن کا نام "سوئمبر" تھا۔ کبھی اس میں کوئی خاص شرط بھی ہوتی تھی جس کی تکمیل حصول مراد کا سبب بنتی۔ مولف

کی آنکھ کا نشانہ اُڑایا اور راج کنواری کو جیت لیا۔ راجپوت دلیروں کو غصہ آیا کہ ایک برہمن اُن کے گھرانے کی لڑکی پر قابض ہوا جاتا ہے۔ پانڈو شہزادے حالت جلا وطنی میں بھیس بدلے اور برہمن بنے پھرتے تھے۔ جلسہ میں تہلکہ پڑ گیا۔ ناکام اور مایوس بہادر شہریار "ارجن" پر جھپٹے۔ مگر سری کرشن جی" نے سب کو روکا اور" ارجن" کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس امر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے با اثر شخص تھے۔ اور تمام ہندوستان کے حکمران کیونکہ ان کی بات دل و جان سے مانتے تھے۔ پانڈو شہزادوں کو انہوں نے پہچان لیا تھا۔ اُسی وقت سے وہ پانڈو کے دوست۔ مشیر اور رہنما ہو گئے +

مہابھارت کی خونریز لڑائی میں پانڈو کبھی کامیاب اور منصور نہ ہوتے اگر" سری کرشن جی" کی اعلےٰ جنگی تدابیر اور انوکھے فلسفہ اور نئی تعلیم کا قدم درمیان نہ ہوتا۔ بھیشم اور درونا جیسے سرآمدِ دلیرانِ زمانہ ان ہی کی تدبیر سے مارے گئے۔ ارجن کا یہ عہد کہ وہ عزیزوں اور بھائیوں کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائیگا سری کرشن جی نے تُڑوایا +

مگدھ دیش کے ظالم و خونخوار راجہ "جراسندھ" کی زندگی کا خاتمہ ان ہی نے کیا یہ بد سرشت راجہ کمزوروں کو ستایا اور ان کا ملک دبا لیا کرتا تھا۔ اور یوں پانڈو مہاراجوں کا" راج سوجگ"[1] بے خطر بنا دیا" جراسندھ" شہزادہ

---

[1] یہ جشن وہی فاتح راجہ کر سکتا تھا۔ جو تمام معاصر حکمرانوں کو مغلوب اور زیر اثر بنا لیتا تھا + مولف

"بھیم" (پانڈو) کے ہاتھ سے دست بدست جنگ میں مارا گیا۔ خاص جشن کے دوران میں "راجہ سسپال" کے غرور اور بد زبانی کی وجہ سے "سری کرشن" نے اس کو خود قتل کیا۔ اور کوروں کو اس سبب سے تباہ کرایا۔ کہ وہ بد باطن۔ شریر۔ غاصب۔ اور ناحق کوش تھے۔ پہلے ان کو بہت فہمایش کی کہ "پانڈو" بھائیوں کو تھوڑا سا علاقہ دے دو اور انہیں دربدر سرگرداں نہ پھراؤ۔ لیکن "کوروں" کو اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا۔ اُنہوں نے یہ نصیحت آئی گئی کر دی اور لڑائی کے سوا کسی امر کو نہ مانا۔

سری کرشن کی تعلیمات:- ہم اوپر کہیں مختصر طور پر سری کرشن جی کی تعلیمات کا ماحصل درج کر چکے ہیں۔ اور اب "جنگ مہابھارت" کا ذکر آجانے پر ان کے فلسفہ اور سیاسی مذہب کا کسی قدر اجمالی ذکر بھی مُناسب سمجھتے ہیں۔ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے کہ بہادر "ارجن" نے اس خونریز لڑائی میں جنگ سے باز رہنے کا عہد کر لیا تھا۔ حالانکہ بغیر اس کے شریک رزم ہونے کے پانڈو بھائیوں کے سر فتح کا سہرا کبھی نہیں چڑھ سکتا تھا۔

سری کرشن جی نے ارجن سے کہا:- روح کو قاتل یا مقتول سمجھنا نادانی اور حماقت ہے۔ وہ ہمیشہ قائم رہنے والی چیز ہے۔ تم کو یہ مان کر کہ روح غیر فانی ہے۔ کسی بات کا رنج و غم ہی نہ کرنا چاہئے۔

دُنیا عالم مثال[۱] ہے یا عالم برزخ[۲] کا سایہ۔ اس نمود کے سایہ کے پرے ایک اور لازوال عالم ہے۔ تمہارے دنیوی کام سراب کے مانند بے اصل ہیں۔ وہ ذاتی طور پر مطلق پائدار نہیں۔ نہ عالم برزخ پر کوئی اثر ڈالتے ہیں۔ غرضکہ اس عالم کے لئے تمہارے کسی فعل کا نفع نقصان کچھ بھی موثر نہیں ہوتا۔ اور تمہاری ہستی ایک خواب سے زیادہ نہیں ✦

انسان خودبینی کے دھوکے میں آکر اپنے تئیں افعال کا خالق اور فاعل تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں۔ ہر کام قدرت کاملہ کی خاصیتوں سے وجود میں آتا ہے۔ خالق حقیقی مصدر افعال ہے۔ اور وہی اس کل کو چلاتا رہتا ہے۔ انسان کو بلا خواہش اجر اور کسی غرض رکھنے کے بغیر کام کرنا لازم ہے۔ انسانی وجود کی بقا افعال پر منحصر ہے۔ انسانی افعال اپنے نتیجوں کی صورت میں قائم رہتے۔ اور وہ نتائج پھر دوسرے نئے افعال پیدا کر دیتے ہیں۔ انسان مرتا ہے مگر اس کے باطنی افعال نہیں فنا ہوتے۔ روح کو قید مادّہ سے قطعی آزادی دلانے کا ذریعہ جوگ اور ریاضت ہے۔ زہد باطنی کے لئے انسان کو اپنے لازمی فرائض ادا کرتے رہنے کی حاجت ہے۔ اپنی زندگی کے فرائض ادا کرنے

---

[۱] خواب کا سا عالم جس کی اصلیت کچھ نہ ہو۔ محض دھوکے کی شئے ✦

[۲] وہ عالم جو حقیقت و مجاز کے مابین ہے۔ مگر یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم حقیقت مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم ✦ مؤلف

والا شخص جس کو اجر اور صلہ کی خواہش نہیں ہوتی وہ دنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی طرح تیرتا ہے۔ اور حوادث کی موجوں کے تھپیڑے اس کو ذرا بھی صدمہ نہیں پہنچا سکتے +

انسان کو اپنے نیک و بد ہر قسم کے فرائض ادا کرنے ضروری ہیں۔ جو شخص اپنی وہ خدمت بجا لاتا ہے جسے قانون قدرت نے اس کے حوالے کیا ہے وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں۔ انسان کو اپنے وہ فرائض ضرور ادا کرنے لازم ہیں جن کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ زاہد و عابد وہی شخص ہے جو اپنے کرم کا ثمرہ پانے کی آرزو کئے بغیر کام کرتا رہے۔ ایسے اعمال کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ ان کی کوئی غرض اور خاص خواہش نہ ہو۔ اور دوم یہ کہ وہ نیک اور پاک عمل ہوں۔ انسان خدا پر بھگتی (عشق حقیقی) کے ذریعے سے ایمان لا سکتا ہے۔ وہ قدرت کاملہ کے صحیفہ کا مطالعہ کرتا ہے اور ہر شے میں ایک ایسی روح اور ہستی کا معائنہ کرتا رہتا ہے جس کا دریافت کر لینا غیر ممکن ہے۔ اور اس کے آگے اپنی ہستی بالکل ہیچ پاتا ہے۔ قدرت کاملہ کی معرفت تربیت کی محتاج ہے۔ اور تربیت تعلیم سے حاصل ہوتی ہے +

بہر حال یہ روکھی بحث ہم زیادہ نہیں بڑھاتے۔ کیونکہ ناظرین کی دلچسپی میں خلل آنے کا خوف ہے۔ صرف اس خیال سے کہ ایسے اعلیٰ اور اہم رہنما کی

تعلیمات کا بیان نہ کرنا ایک قسم کی فروگزاشت ہوگی۔
ہم نے موٹے موٹے اصول مجمل طور پر درج کر دئے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے "گیتا" کا ترجمہ دیکھنا چاہیئے جو ہمارا ماخذ ہے۔ اب ہم صرف اس قدر اور بتائے دیتے ہیں کہ اسی تعلیم نے "ارجن" کو جنگ پر آمادہ کیا۔ اور وہ میدان رزم میں دلیری اور تیغ زنی کے جوہر دکھا کر "کوروں" پر "پانڈو" کی فتحیابی کا سبب بنا۔ سری کرشن کی تعلیم نے "ارجن" پر یہ بات واضح کر دی کہ گو "کورو" اس کے عزیز ہیں چچا زاد بھائی ہیں۔ ہم خون ہیں۔ لیکن جب ان کو اس عزیزداری اور قرابت کا پاس نہیں۔ وہ ہمارا حق نہیں دیتے اور سرکشی دکھا کر جنگ پر آمادہ ہیں۔ ہمارے خون کے پیاسے بنے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کے مقابلے کی ہر طرح کوشش نہ کریں۔ اور حق شناسی اور حفاظت خود اختیاری کے طریقے پر نہ چلیں۔ جنگ میں لڑنے والے کا فرض اپنے حریف کو مغلوب بنانا ہے۔ اور یہ فرض جس طرح بھی ممکن ہو ادا کرنا واجب۔ لڑائی میں دھوکا کھیلنا ضروری ہے اور نشان دانائی۔ چنانچہ "ارجن" لڑا اور کامیاب ہوا +

وفات:۔ "سری کرشن جی" کے حالات میں آپ دیکھ چکے ہونگے کہ وہ کس مقصد کو اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ نیکوکاری اور امن و امان کا دور دورہ کرنا ان کا اصلی مدعا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندوستان

کے تمام شریر اور بد طینت لوگوں کو فنا کیا اور کرایا۔ لیکن ابھی ایک جرگہ شیطان سیرت انسانوں کا اور باقی تھا۔ اور وہ ان کے خاندان کے آدمی مع ان کے بیشمار بیٹوں اور پوتوں کے تھے۔ ان کو سزا نہ دینا اور دُنیا کو ان کے وجود سے پاک نہ کرنا ہم کو سری کرشن جی کے پاکیزہ مقصد کا قائل نہ بناتا۔ مگر اُنہوں نے اپنی تعلیم کو عملاً ثابت کر دکھایا ہے۔ اس واسطے ہم مجبور ہیں کہ انہیں کامل اور سچا رہنما مانیں "کوروں اُن کے قریبی رشتہ دار تھے انہیں تباہ کرا دیا۔ تو سری کرشن نے خاص اپنے کنبے والوں کی سزا دہی کا سر انجام کیا۔

وہ ان سب کو "پرواسش" کی بڑی جاترا کے لئے لے گئے۔ یہ مقام نہایت پُر فضا ہے اور متبرک۔ جادون خاندان کے شہزادوں کو اس جاترا کی بڑی خوشی ہوئی۔ سب نے زور شور سے سفر کی تیاریاں کیں۔ ہر قسم کے سامانِ راحت بافراط لئے۔ شراب ناب کے خم کے خم ہمراہ تھے۔ جاترا کے متبرک مقام میں پہنچ کر پہلے دینی رسمیں بجا لائے۔ غریبوں اور برہمنوں کو خیرات اور نذر تقسیم کی۔ پھر عیش و طرب کی محفل جمی اور جام شراب کا دَور چلا۔ اس خانہ خراب بلا کی مضرتیں محتاج بیان نہیں ہیں۔ اس کے نشہ نے دماغ گرم کئے اور عربدہ بازیاں ہونے لگیں۔ ہوتے ہوتے سخت کلامی۔ اور پھر کشت و خون کی نوبت آ گئی۔ آپس میں

لڑنے لگے۔ جادوں خاندان کے شہزادے کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور ان میں زور کی خانہ جنگی برپا تھی۔ "سری کرشن" بجائے اس کے کہ بیچ بچاؤ کرتے خود بھی بلوائیوں میں رل کر اپنے ہی ہاتھوں سے اولاد احفاد کے سر کاٹتے رہے۔ اس طرح بہت جلد تمام خاندان تباہ ہوگیا۔ اور اکیلے "سری کرشن" باقی رہ گئے *

اس واقعہ کے بعد سری کرشن نے اپنے رتھ بان کو حکم دیا کہ "ہستنا پور" جائے اور ان کے دوست اور شاگرد رشید "ارجن" سے پیغام کہے کہ "دوارکا" کی بیکس اور بیوہ شہزادیوں کو اپنے زیر سایہ "ہستنا پور" میں لاکر رکھیں۔ اور ان کی حفاظت کریں *

اس سے عیاں ہے کہ اب سری کرشن کا ارادہ اپنے دار الملک "دوارکا" میں واپسی کا نہ رہ گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے تھے اور سرزمین ہند کو شریروں سے خالی کر کے یہاں امن و آسودگی کا دور دورہ مکمل بنا گئے تھے۔ لہذا اب دنیا میں ان کے وجود کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو۔ سری کرشن نے اپنے رتھ بان کو روانہ کر کے مقتول عزیز و اقارب کی بے گور و کفن لاشوں پر ایک غلط انداز نگاہ ڈالی۔ اور پھر پیادہ پا ایک طرف کی راہ لی *

راستہ طے کرتے کرتے ایک سرسبز درخت کے سایہ میں ٹھیرے۔ اور وہیں پڑ کر سو گئے۔ کچھ دیر کے

بعد اس طرف ایک شکاری کا گزر ہوا ۔ وہ گھنے اور جھاڑیوں سے گھرے ہوئے درخت کے نیچے پتیوں کی آڑ میں سری کرشن کے جسم کی جھلک دیکھ کر سمجھا کہ کوئی شکار ہے ۔ فوراً شست باندھ کر نشانہ لگایا۔اور سری کرشن نے تیر کے کاری زخم سے اسی درخت تلے جان شیریں اپنے خالق کے سپرد کر دی ۔ اور ظلم و ستم اور بد اخلاقی اور بد اطواری کی تاریکی کا مٹانے والا مشعل افروز ہدایت پھر اسی اخفا کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں چھپ گیا جہاں سے اس نے ظہور کا نور چمکایا تھا ۔

کنفیوشیس

برِّ اعظم ایشیا میں علم الٰہیات اور فلسفہ و حکمت کے شائع کرنے والے ۔ اور خدا کی مخلوق کی اصلاح و بہبودی میں جد و جہد سے کام لینے والوں میں "کنفیوشیس" ایک اعلےٰ مرتبہ کا شخص ہوا ہے ۔ یہ نامور حکیم اور مقنّن ملک چین میں حضرت مسیحؑ سے پانسو برس قبل پیدا ہوا ۔ اور اس نے اپنی زندگی کا اکثر حصّہ بندگان خدا کے اخلاق و اطوار کے سُدھارنے میں بسر کیا تھا۔ سیاست مُدُن کے متعلق کنفیوشیس کی تحقیقات اور اس کی تعلیمات

کا پایہ بہت بلند ہے۔ اور اس علم میں اسے امام زمانہ بلکہ موجد اور یگانہ مانا جا سکتا ہے ٭

نام و نسب:۔ کنفیوشیس۔ مشہور نام۔ اور کنگ فوزی اصلی نام ہے۔ اس کے نسب کا سلسلہ ایک بادشاہ سے ملتا ہے۔ وہ بادشاہ حضرت مسیح[ؑ] سے دو ہزار سال قبل گزرا تھا۔ کنگ فوزی کا باپ اپنے ملک میں حاکم فوجداری (مجسٹریٹ) تھا۔ اور ملک چین میں یہ منصب خاص اہل علم کا حق مانا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے کہ سکتے ہیں کہ کنگ فوزی کا خاندان علم و حکومت کا گھر اور ملک کے ممتاز طبقہ میں شامل تھا ٭

ولادت:۔ کنگ فوزی ملک چین کے صوبہ "لُو" کے ایک ضلع میں پیدا ہوا۔ اس کی ولادت ۵۵۱ سال قبل مسیح ہوئی تھی۔ اور وہ یونان کے نامور حکیم فیثا غورث کا ہمعصر تھا ٭

تعلیم و تربیت:۔ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہونے والا بچہ اکثر خود بھی علم و فضل کا شائق ہوتا ہے۔ اور ایسا نہ بھی ہو تو خاندان کا طرز معاشرت اور ممتاز درجہ اسے علم کی طرف راغب بنا دیتا ہے۔ ملک کے نامی گرامی خاندان میں پیدا ہو کر کنگ فوزی اچھی تربیت اور مناسب تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ اور یہی ہوا۔ یعنی اس نے لڑکپن ہی کے زمانہ میں ابتدائی علوم۔ زباندانی۔ ملکی قانون اور فلسفہ و حکمت میں حیرت انگیز ترقی حاصل کر لی ٭

ابھی کنگ فوزی اپنے گلشن عمر کی صرف تیسری بہار تک پہنچا تھا کہ باغبان مجازی یعنی باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ دادا پرورش کا کفیل ہوا۔ اور ماں خدمت گزاری کرتی رہی۔ مگر وہ بیوہ و بیکس سر کا تاج اُترتے ہی افلاس کے مہیب چنگل میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اور اسی وجہ سے اپنے لعل کی پوری طرح دل کھول کر پرورش اور اس کے لئے ناز و نعمت کے سامان مہیا نہیں کر سکتی تھی۔ کنگ فوزی اپنی طبیعت سے بیحد متین اور مہذب واقع ہوا تھا۔ جبکہ اس کی عمر کے اور بچے اپنا وقت فضول کھیل کود میں گزارتے اُس وہ اپنے بزرگ۔ عالم اور صاحب عزت دادا کی صحبت میں رہ کر اس کے اخلاق و اطوار کی تقلید کرتا اور یوں خاموشی کے ساتھ ایک نہایت مفید سبق حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کا دل قدرتاً متقدمین اور اگلے زمانہ کے مشہور آدمیوں۔ عالموں اور حکیموں کا قدر شناس تھا +

کنگ فوزی اپنے دادا سے تعلیم حاصل کرتا رہا تھا۔ اور جب اس کا دادا فوت ہو گیا تو ایک دوسرے عالم سے جو قضاۃ اور حکومت کے منصب پر مامور تھا۔ تحصیل علم کی۔ وہ ۱۶ برس کی عمر ہونے تک اس دوسرے استاد کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا اور اس عرصہ میں اس نے وہ کمال بہم پہنچایا جو اس کی فطری ذہانت اور خاندانی عزت کے شایان شان تھا +

ملازمت سرکاری:۔ تحصیل علم کے بعد جب کنگ فوزی کو کمال و فضل میں شہرت حاصل ہوئی تو اسے سلطنت کی خدمت سپرد ہو گئی۔ وہ نائب قاضی بنایا گیا۔ اس کا خاص کام غلہ کی اور اس کی تقسیم کی نگرانی تھی۔ اس لین دین میں مدتوں سے بڑی ابتری پھیل رہی تھی۔ دکاندار اور غلہ کو تقسیم کرنے والے کئی قسم کی سخت بے ایمانیاں اور بہت سے فریب کر کے لوگوں کو پریشان کرتے اور نقصان پہنچاتے تھے۔ "کنگ فوزی" کی جد و جہد نے یہ تمام خرابیاں بہت جلد دور کر دیں۔ اور اس کی کارگزاری نمایاں ہوتے ہی اس کو ۲۱ سال کی عمر میں معقول ترقی مل گئی۔ اب وہ مویشیوں کے گلوں اور ان کی چراگاہوں کا اعلےٰ نگراں مقرر ہوا۔ اس خدمت کو حاصل کرتے ہی کنگ فوزی نے ایسا عمدہ انتظام کیا کہ ملک کی زرعی حالت اور زراعت پیشہ جماعت میں ترقی و خوشحالی کی ایک نئی روح پھنک گئی۔

یہ دوسرا عہدہ پانے سے تین سال قبل ۱۹ سال کی عمر میں کنگ فوزی نے ایک نامی خاندان کی عورت "کی گوانشی" کے ساتھ شادی بھی کر لی تھی۔ اس بی بی سے اس کے یہاں ایک ہونہار لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام "پی یو" رکھا گیا۔ اور یہ فرزند باپ کے سامنے ہی ایک اولاد نرینہ اپنی یادگار چھوڑ کر پچاس سال کی عمر میں فوت ہوا۔ "پی یو" کا بچہ اور کنگ فوزی کا پوتا بھی اعلےٰ درجہ کا ذہین اور تیز طبع شخص نکلا۔ اور وہ

اپنے نامور دادا کا سچّا خلف ثابت ہوا ٭

کنگ فوزی کا دل عورتوں سے کچھ بھی مانوس نہ تھا۔ اس نے نوع اِنسان کے اس حصّہ کی طرف کوئی خاص التفات نہیں کی۔ خود اس نے اپنی بی بی کو شادی کے چار ہی برس بعد طلاق دے دی۔ اس علیحدگی کی وجہ یہ ظاہر کی کہ بی بی کی موجودگی اس کے مطالعہ اور سرکاری کاموں کی انجام دہی میں خلل انداز ہوتی ہے ٭

مطالعہ اور علمی زندگی:- ۲۳ سال کی عمر میں کنگ فوزی کی ضعیفہ ماں دُنیا سے کوچ کر گئی۔ اب ملکی رسم و رواج کے موافق کنگ فوزی کو اپنا سرکاری منصب ترک کرنا پڑا۔ کیونکہ چین میں یہ قدیم دستور تھا کہ ملازم سلطنت اپنے والدین میں سے کسی ایک کے مرتے ہی ملازمت سے قطع تعلق کر لیتا تھا۔ کنگ فوزی نے ماں کو بڑی دھوم دھام سے اوّل منزل پہنچایا۔ اور اس کا یہ فعل ملک میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ لوگ اسے نمونہ بنا کر اس کے مقلّد ہوئے۔ مُلکی طریقہ یہ تھا کہ مُردوں کو بنجر اور ویران زمین میں دفن کیا کرتے تھے۔ کنگ فوزی نے اس کے خلاف اپنی ماں کی لاش ایسی جگہ سپرد خاک کی جو نہایت سرسبز اور دلکشا تھی۔ اسی طرح اس نے دوسری رسموں میں بھی کتر بیونت کی۔ اور پھر اس کی ہر ایک بات اہل ملک کے واسطے دستورالعمل بن گئی۔ حتیٰ کہ آج تک چین میں نادار اور مفلس

شخص کے سوا باقی تمام آدمی اپنے یہاں کے مُردوں کو نہایت دھوم اور جلوس سے کفن دیتے اور دفن کرتے ہیں *

کنگ فوزی نے تجہیز و تکفین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے کے علاوہ یہ رسم بھی نکالی کہ والدین کی وفات کے بعد ان کی اولاد ایک معیّن عرصے تک ان کا سوگ رکھے۔ اور پھر خاص خاص اوقات میں ان کی یاد برسی کے فاتحہ یا عرس کے ذریعے تازہ کرتی رہے اس رسم کا اصلی مقصد تو یہ تھا کہ نامور اور اہل علم و فضل کے پس ماندگان اپنے بزرگوں کا نام و ناموس محفوظ رکھنے میں سعی کرتے رہیں۔ اور ان کی یاد سے اپنے خاندانی اعزاز کی یاد کو تازہ کیا کریں۔ مگر افسوس ہے کہ مرور آیام کے ساتھ یہ پاکیزہ غرض تو فوت ہو گئی اور اس کی جگہ بت پرستی اور مشاہیر پرستی نے اپنے قدم جما لئے ہیں۔ اگرچہ چینی اب بھی اپنے بزرگوں کی برسیاں کرتے اور ان کے نام سے مکان میں الگ حجرے اور کمرے بناتے ہیں۔ لیکن یہ بات کنگ فوزی کے مدّعا سے بالکل مختلف ہے۔ اس نے قبروں پر یا گھروں کے خاص حصّوں میں بزرگوں کے عرس کا جلسہ کرنے کی یہ رسم تجویز کی تھی کہ اولاد اپنے باپ دادا کی خوبیاں یاد کرکے ان کی مقلد بنے اور سعادت حاصل کرے۔ نہ یہ کہ اس طرح بت پرستی کا رواج ہو جائے *

کنگ فوزی نے دیکھا کہ اس کے طرز عمل کو اس کے ہم وطن اس قدر پسند کر رہے ہیں کہ اب اسی کی پیروی خود بھی کرتے ہیں۔ تو اس نے اتنا اور اضافہ کیا کہ تین سال کامل اپنی ماں کے سوگ میں ایک الگ مکان کے اندر گوشہ نشین رہا۔ اس عرصہ میں اس کا شغل صرف کتب بینی تھی۔ وہ اخلاقی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا۔ اور کوشش کرتا رہتا تھا۔ کہ اصول اخلاق کی ماہیت سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی قوت پائے۔ اور اپنے دل میں اس کا شوق پیدا کرے۔ وہ اپنی خاندانی عزت سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ دولت و حشمت پیدا کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے دولت دُنیا کی پروا نہیں کی۔ اور اپنے اہل ملک کو اخلاق و عمل کی تعلیم دینے پر کمر باندھ لی ؎

کنگ فوزی کا خیال تھا کہ جب تک اگلی رسمیں بعد کی نا واجب زیادتیوں اور بے محل نقائص سے پاک ہو کر پھر ملک و قوم کے لئے دستور العمل نہ بن جائینگی۔ اس وقت تک ملک کا نظم و نسق۔ خانہ داری کا بندوبست۔ اور اہل ملک کی فلاح و بہبودی کبھی صورت پذیر نہ ہو سکیگی۔ کنگ فوزی نے اپنے ہموطنوں کو نیکی اور خوش اخلاقی کی طرف راغب بنانا شروع کیا۔ اور اس کام کی تکمیل کے لئے اس نے ایک خاص مدرسہ کھولا۔ اس مدرسہ میں وہ اپنے خیالات اور مسائل کی تعلیم دیتا تھا۔ اور اس کارروائی کے ساتھ ہی دوسری طرف وہ

اپنے فلسفہ اور تعلیمات کو چند کتابوں میں بھی مدوّن کرتا رہا تھا۔ تا کہ اس کی یہی تصانیف اس کی دائمی یادگار بنیں۔ اور نوع انسان کی اصلاح میں موثر ثابت ہوں ✦

کنگ فوزی کی عمر ابھی صرف سینتیس سال کی تھی کہ وہ ملک میں ایک مشہور فیلسوف۔ معلم اخلاق۔ اعلے درجے کا مدرّس۔ اور نامی گرامی واعظ ہو گیا۔ دُنیا کا جاہ و جلال اس کی نظر میں اگرچہ ہیچ تھا۔ لیکن ایک سرکاری عہدہ دار اس سے بالکل بے تعلق بھی نہیں بن سکتا۔ کنگ فوزی کے ساتھ نوکر چاکر۔ سواری اور سامان جلوس کا رہنا لازمی تھا۔ مگر امارت و حکومت کے ٹھاٹھ باٹھ پر اس کے علمی اقتدار کا پلّہ غالب تھا۔ اور طلبہ کی کثیر جماعت ہر وقت اس کے گرد حلقہ کئے رہتی تھی۔ اور اب وہ کنفیوشیس کے نام و لقب سے معروف تھا۔

کنفیوشیس نے ایک بزرگ حکیم کا ذکر سُنا جو چین میں مشہور تھا۔ یہ اس سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ملنے گیا۔ اس حکیم کا نام "لاوزی" تھا۔ لاوزی نے کنفیوشیس کو دیکھتے ہی کہا "عقلمند آدمی عزلت پسند ہوتے اور دنیاوی دولت و عزت کے فریب میں نہیں پھنستے۔ وہ زمانے کا رنگ ڈھنگ دیکھتے اور ہوا کا رُخ پہچانتے ہیں۔ بولنے کا موقع دیکھا تو بولے ورنہ چپ رہے۔ یہ ان کا طریقہ ہے۔ نیک آدمی اپنی نیکی کا اعلان نہیں کرتے اور نہ دُنیا میں اپنے عقلمند

ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ بس میں تم کو اتنی ہی نصیحت کرنا چاہتا تھا۔ اب تم اس سے جو نفع اُٹھا سکتے ہو اُٹھا لو۔" کنفیوشیس حکیم لاوزی کے یہ حکمت آمیز کلمات چپ چاپ رہ کر کمال غور سے سُنتا رہا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس ملاقات کے بعد سے اس کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ کوئی شاگرد کچھ دریافت کرتا تو وہ نہایت مختصر اور جامع جواب دے کر خاموش ہو جاتا تھا۔

کنفیوشیس بندگانِ خدا کو ترکِ دنیا۔ اور زہد و ریاضت کی تعلیم نہیں دیتا تھا۔ وہ حکیم سقراط کا ہم خیال تھا۔ اس کا اور سقراط۔ دونو کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو تارک الدنیا بننا زیبا نہیں۔ اور یہ کوئی تقوے نہیں۔ بلکہ سچا تقوے اور طاعت الٰہی یہ ہے کہ آدمی دُنیا کے کار و بار میں مصروف رہے سارے تعلقات کے جھگڑے انگیز کرے۔ مگر اپنے اخلاق۔ عادات اور اطوار ایسے پاک و صاف بنائے کہ دُنیا والے اس کی ذات سے امن و راحت پائیں اور وہ بھی مطمئن اور خوش رہ کر زندگی بسر کرے۔

کنفیوشیس نے تین سال کی غمگینی اور عزلت نشینی میں قدیم زمانہ کے حکما کی کتابیں غور سے دیکھی تھیں۔ وہ ان کی حکمت کا ماہر بن گیا تھا۔ وہ معائنہ کرتا تھا کہ اہل چین یوں تو اپنے بزرگوں کے بڑے مداح ان کے اقوال پر دلدادہ اور ان کی عزت و حرمت میں حد

درجہ کی کوشش کرنے والے ہیں - لیکن ان سے یہ نہیں ہوتا کہ اپنے سلف کے قول پر عمل بھی کریں۔ اور قول و فعل کو ایک کر دکھائیں - کنفیوشیس اپنے وطن والوں کو ایسا ہی بنانا چاہتا تھا - اور اسی غرض سے اس نے بہت سی کڑیاں جھیلیں - سختیاں برداشت کیں - اور ایذائیں سہیں ؎

کنفیوشیس نے کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد سیر و سیاحت کا قصد کیا - تاکہ جو مسائل کتابوں میں پڑھے ہیں ان کو تجربہ کی کسوٹی پر بھی کس کر پوری طرح ان کی صداقت آزما لے - وہ اپنے وطن سے نکلا۔ اور ایک غیر ریاست میں گیا جس کا نام "کن" تھا - یہاں کنفیوشیس نے علم موسیقی میں کمال حاصل کیا - اور بعد ازاں ملک بملک پھرتا پھراتا "زی" کے ملک میں پہنچ گیا - یہاں کے حکمران نے کنفیوشیس کو بندگانِ خدا کے بگڑے ہوئے اخلاق سدھارنے اور ان کی عادتیں سنوارنے کے عمل پر مامور کیا - مگر افسوس ہے کہ زمانہ کی ناموافقت نے کامیابی کی صورت دیکھنے کا موقع نہ دیا اور کنفیوشیس بہتیری کوشش کے بعد تھک کر وہاں سے بھی نکل بھاگا - وہ "زی" میں ایک سال تک مقیم رہا تھا - زی سے روانہ ہو کر کنفیوشیس سیدھا شہنشاہ چین کے دربار میں پہنچا - دار السلطنت کا شاہی کتبخانہ اس کے لئے کھول دیا گیا - اور یہ کئی مہینے ملک کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتا رہا - کنفیوشیس ملکی تاریخ کی

جس قدر زیادہ ورق گردانی کرتا تھا اتنی ہی زیادہ اُسے زمانہ کے تغیّر اور اہل وطن کے عادات و اطوار کی ابتری پر حسرت آتی تھی۔ آخر جب یہاں بھی اس کا دل نہ لگا اور نہ کوئی کام چلا۔ تو وہ پھر اپنے اصلی وطن "لو" میں واپس چلا آیا۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ خوب بڑھایا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تین ہزار سے زاید طلبہ اس کے پاس فراہم ہو گئے۔ جن میں سے پانسو مختلف ملکی ریاستوں کے مُعزز عہدہ دار تھے ✤

کنفیوشیس کے پیرو اکثر سن رسیدہ آدمی ہوتے تھے۔ وہ اپنے گھربار کے کام دھندوں میں لگے رہتے۔ محنت و مشقّت سے روٹی کماتے۔ اور اپنے اخلاق کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ جب کوئی شک و شبہ ہوتا۔ فاضل اُستاد کے پاس آکر اس کا دفعیہ اور اپنا اطمینان کر لیتے۔ کنفیوشیس کے شاگرد چار جماعتوں میں منقسم تھے۔ پہلی اور ابتدائی جماعت کو محض اخلاقی تعلیم دی جاتی تھی۔ دوسری جماعت میں فصاحت و بلاغت کا درس ہوتا تھا۔ تیسری جماعت علم سیاست مدن پڑھا کرتی تھی اور چوتھی جماعت میں اعلےٰ زباندانی اور انشا پردازی کا فن سکھایا جاتا تھا۔ لیکن اخلاقی تعلیم لازمی تھی۔ بغیر اس جماعت سے کامیابی کے ساتھ گُزرے ہوئے آگے ہرگز ترقی نہیں ملتی تھی ✤

کنفیوشیس کا قول تھا۔ "جس آدمی کے اخلاق دُرست

نہیں وہ کسی کام کا نہیں ہو سکتا ✦

وہ کہتا تھا کہ اگر آدمی کسی فن میں کمال حاصل کرنا چاہے تو پہلے اپنی عقل کو اس کدورت سے صاف کرے جو اس پر سچ کی خوبی اور جھوٹ کی بُرائی کھلنے نہیں دیتی۔ بغیر اس کے وہ کمال کی خوبیوں کو نہیں پا سکتا۔ اور طبیعت کا یہ زنگ جبلی ہوتا ہے۔ یا بچپن میں اچھی تربیت نہ ملنے کے سبب سے آئینۂ دل کو لگ جاتا ہے۔ لہذا انسان کا پہلا فرض یہی ہے کہ اپنے آئینۂ دل کو جلا کرے ✦

کنفیوشیس کو گانے بجانے کا از حد شوق تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا کہ "میرے نزدیک نغمہ صرف اتنی ہی دیر کے لئے دل بہلاؤ نہیں کہ جب تک آدمی اُسے سُنتا رہے اور وہ اس کے کانوں کو بھلا معلوم ہو۔ بلکہ اُس کی تاثیر بعد میں بھی رہتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے انسان کو نئے نئے خیالات سوجھتے اور نئے نئے تصورات اس کے دماغ میں آتے ہیں" کنفیوشیس شکار بھی بہت کرتا تھا۔ اس کے لئے اس نے قدما کی کتابوں سے ایک سند نکال رکھی تھی ✦

کنفیوشیس نے اپنے اہل وطن کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اس نے بڑی محنت اور جانکاہی سے چین کی تاریخوں کے خلاصے کئے اور جو اگلی کتابیں بے کار ہو گئی تھیں، انہیں از سرِ نو درست بنایا۔ اور درس میں داخل کیا ✦

اثنائے سیاحت میں مملکت "زی" کے بادشاہ نے

کنفیوشیس کی اس درجہ تعظیم کی کہ اس کو اپنے سے بالاتر بٹھانا چاہا۔ اور کہا کہ حکما ہمیشہ بادشاہوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ مگر کنفیوشیس نے منظور نہ کیا۔ آخر اس بادشاہ نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ مگر درباریوں کی شرارت کے آگے اس کی کچھ حکمت نہ چل سکی۔ اس سبب سے تھوڑے عرصے بعد وہ پھر اپنے وطن میں چلا آیا۔ اب کنفیوشیس کا شہرہ اس درجہ ہو گیا تھا کہ وطن میں آتے ہی بادشاہ کی طرف سے بڑا منصب اسے عطا ہوا یعنی لوگوں کے اخلاق کی نگرانی اور تہذیب اس کو سپرد ہوئی۔ کنفیوشیس نے یہ کام اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ "لو" کے اخلاق بے انتہا سنور گئے۔ بادشاہ کے دل میں اس کی اتنی جگہ ہو گئی کہ اس کو تمام قاضیوں کا اعلےٰ افسر مقرّر کر دیا اور وہ اختیارات عطا کئے کہ بادشاہ کے بعد کسی اور شخص کو نہ تھے۔ جس وقت یہ منصب اسے عطا ہونے لگا تو اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ جب تک وزیرِ اعظم کو جس کے بد ہونے کے سبب خلقت میں بُرائیاں پھیلی ہیں پھانسی نہ ملیگی بندگانِ خدا کے اداب کا سُدھرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ بادشاہ اوّل یہ بات سُن کر اپنے دل میں ڈرا مگر آخر اس کے کہنے پر عمل کیا۔ کنفیوشیس نے خود کھڑے ہو کر اپنے سامنے وزیر کو پھانسی دلوائی اور جیسا کہ اس نے سوچا تھا کسی

طرح کا فتنہ و فساد نہ ہوا ۔

کنفیوشیس نے ملک کی حالت اتنی اچھی بنا دی تھی کہ قرب و جوار کے بادشاہوں کو مملکت "لو" کی ترقی پر رشک و حسد ہو گیا اور اس ملک کے قدیم مخالف "زی" کے بادشاہ نے "لو" کے بادشاہ کو دامِ فریب میں ایسا پھنسایا کہ کنفیوشیس کا کیا کرایا سب خاک میں مل گیا۔ اس نے اسی نہایت جوان اور پری تمثال عورتیں جو فن موسیقی میں طاق تھیں۔ لو کے حکمران کو ہدیتہً بھیجیں۔ ہر چند کنفیوشیس نے بادشاہ کو اس فریب کے مآل سے آگاہ کیا مگر بادشاہ پر اس کی نصیحت موثر نہ ہوئی۔ ان عورتوں میں سے ایک بیحد دلربا عورت نے "لو" کے بادشاہ کو اپنے دامِ محبت میں اسیر کر لیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس کی دوسری ساتھیوں نے دیگر درباری امرا اور ارکان سلطنت کو اپنا فریفتہ بنا کر انہیں عیش و عشرت اور راگ رنگ میں مبتلا کر دیا۔ حکام کی عیش پرستی اور غفلت نے ملک کا انتظام درہم و برہم کر دیا۔ تجارت میں بے ایمانی کا دخل ہوا۔ مخلوق تنگ آ چلی۔ اور بد اخلاقی عام ہو گئی۔ کنفیوشیس کی عقل چکرائی۔ اور جب پرانے پرانے امیروں کو بھی سمجھا کر دیکھ لیا اور اپنی بات کی کچھ تاثیر نہ پائی تو ناچار عہدہ سے مستعفی ہوا اور وطن کو چھوڑ کر ایسے شاگردوں کی تلاش میں نکلا جو کبھی لغزش نہ کھائیں ۔

کئی سلطنتوں میں پھرا مگر اس کا مطلب حاصل نہ ہوا۔ سب کو بد خصلتی اور بد اخلاقی میں خوش اور اسی پر قانع پایا۔ کنفیوشیس کو اگرچہ ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ لیکن وہ بے دل نہیں ہوا۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ حکیم کا گھر سارا جہان ہے۔ ایک جگہ کسی نے میری بات نہ سُنی تو دوسری جگہ بہت سے سُننے والے ہو جائینگے۔ مگر اس کو کوئی ٹھکانا نہیں ملا۔ جہاں گیا وہیں لوگ اس کے مخالف ہو گئے۔ بلکہ بعض جگہ کسی نے سُنا بھی تو حاکموں نے تلوار کے زور سے انہیں ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ وہ اسی سبب سے قید بھی ہو گیا۔ اور اس کا اور اس کے شاگردوں کا کھانا پینا بند رہا۔ اسی مصیبت کے عالم میں جب کنفیوشیس کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ اس کو خبر پہنچی کہ اس کی بی بی فوت ہو گئی ہے۔ کنفیوشیس نے اسی وقت خیال کر لیا کہ اب میری وفات کا زمانہ بھی قریب آ پہنچا ہے ؎

افسوس جس زمانہ میں کنفیوشیس ہوا اس زمانہ میں بڑا فتنہ اور فساد پھیل رہا تھا اور اس وقت کے لوگ ہوا و ہوس میں ایسے گرفتار تھے۔ کہ اگرچہ ہر جگہ بڑے بڑے آدمی کنفیوشیس کے شاگرد ہو جاتے تھے مگر مفلسی اسے نہیں چھوڑتی تھی۔ اور لوگ اسے بہت تنگ کرتے تھے۔ کنفیوشیس نے جب یہ دیکھا کہ تلقین اور فہمائش کا مآل بجز خطرۂ جان اور لوگوں

کی دشمنی کے کچھ نہیں نکلتا - تو ناچار اپنے وطن کو واپس آ گیا - اور یہاں پہنچ کر اپنے شاگردوں کی مدد سے وہ مشہور کتابیں تصنیف اور تالیف کیں جن کو چین والے اب تک نہایت مقدس اور متبرک مانتے ہیں - کنفیوشیس کی عمر ستر برس کی ہوئی تو اس کا ایک شاگرد جسے وہ نہایت عزیز رکھتا تھا مر گیا - کنفیوشیس کو اس سے یہ توقع تھی کہ "میرے بعد میرے مسائل کو جہان میں پھیلائیگا" اس لئے اس کے مرنے کا ایسا قلق ہوا کہ بے اختیار رونے لگا اور فرط حسرت میں اس کی زبان سے نکل گیا - کہ "خدا نے مجھے لوٹ لیا" تھوڑے روز اپنی وفات سے پہلے جب اس کی عمر نوّے ۹۰ برس کی تھی وہ ایک روز لاٹھی کے سہارے ٹہلتا ہوا آہ سرد بھر کر کہنے لگا - پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتا ہے - مضبوط شہتیر جھکا جاتا ہے - اور حکیم پودے کی طرح کمھلایا جاتا ہے" پھر اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ "میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ میری موت کی خبر دیتا ہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی وہ سات روز تک بیہوش پڑا رہا - اور ۴۷۹ برس قبل مسیحؑ اس جہان سے انتقال کر گیا - مرنے کے بعد اس کے شاگردوں نے اس کی آنکھیں بند کیں - اور تین چٹکی چاول اس کے منہ میں ڈال کر اس کو وزیروں کا سا لباس پہنایا - پھر اس کی لاش کو ان تمام رسموں

کے موافق جن کا وہ خود اپنی زندگی میں بڑا پابند تھا۔ شہر کے باہر ایک قطعۂ زمین میں جو خاص اسی غرض سے خریدا گیا تھا۔ دفن کر دیا۔ اور نشانی کے لئے وہاں زمین ڈھیریاں مٹی کی لگا دیں۔ اور ایک درخت بو دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ درخت آج تک موجود ہے۔ اس کے ایک شاگرد نے چھ برس تک اس کا سوگ رکھا اور اس عرصہ میں کنفیوشیس کے مدفن پر ایک گاؤں آباد ہو گیا۔ جو آجکل ایک بڑا قصبہ ہے +

اگرچہ کنفیوشیس کی زندگی میں کسی نے اس کی بات نہ مانی اور سب برائی میں مبتلا رہے۔ لیکن اس کے مرتے ہی ہر جنس کے لوگ اس کی تعظیم کرنے لگے۔ لُو کے بادشاہ کو جس وقت اس کے مرنے کی خبر پہنچی وہ رو پڑا اور کہنے لگا۔ کہ "آج میری سلطنت کا نہایت بیش قیمت خزانہ مجھ سے چھن گیا"۔ یہی حال اور رئیسوں کا ہوا۔ اور سب آدمی اس کو ولی سمجھنے لگے۔ بادشاہ نے اس کا لقب **ملک المعانیین** رکھا۔ خاندان **منگ** نے جو مغلوں کے بعد چین کے بادشاہ ہوئے۔ اسے "**اگلے زمانے کا معلم اقدس**" کہا۔ چنانچہ آج تک چین کے تاتاری حکام اس کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں +

کنفیوشیس کی اولاد میں صرف اس کا ایک پوتا

باقی رہا تھا - اس کی اولاد سے ۶۷ یا ۶۸ پشتیں آج تک اس کے ملک میں گزر چکی ہیں اور اس کے خاندان کی بڑی عزت ہوتی ہے - اس گھرانے کے بڑے بوڑھے امارت کے منصب پر سرفراز کئے جاتے ہیں *

چین کے ہر ایک شہر میں کنفیوشیس کے نام کا ایک ایک مندر بنا ہوا ہے - جس کے اندر اس کا بت یا اس کے نام کی تختیاں جن کے حروف ہاتھ ہاتھ بھر لمبے ہوتے ہیں - رکھی ہیں - اور اُن کے گرد اُس کے شاگردوں کے بُت ہیں جن کو چین کے لوگ ولی مانتے ہیں - ہر مہینے کے پورنماشی اور دوج کے دن تمام قاضی جمع ہو کر مندر میں جاتے ہیں اور سر جھکا کر اور گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرتے اور لُبان جلاتے ہیں - اس کی سالگرہ کے دن کھانا اس کی نذر چڑھایا جاتا ہے - لیکن اُس سے کسی شے کے طالب نہیں ہوتے اور نہ دُعا مانگتے ہیں - کہتے ہیں کہ چین میں اس کے نام کے ۱۵۶۰ مندر ہیں جن میں ہر سال باسٹھ ہزار خنزیر اور خرگوش قربانی کئے جاتے ہیں - بعض مُصنّف یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا بُت کسی مندر میں نہیں ہے - بلکہ صرف نام کی تختیاں رکھی ہوئی ہیں *

گوتم بدھ

سری کرشن کے زمانہ سے ایک ہزار سال بعد اور ولادت مسیح سے پانسو برس قبل ہندوستان میں خلق خدا کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے مہاتما "گوتم بدھ" کا ظہور ہوا۔ جن کو دنیا نے اعلیٰ درجہ کا فیلسوف و حکیم اور اہل ہند نے دینی پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو روحانی حکیم کہنا اور دینی رہنما ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی تعلیم زیادہ تر روح کی اصلاح اور تقویت پر مبنی ہے +

نام و نسب:- سدھارتھ گوتم "بدھ" نام و لقب، راجہ "سدھادن" فرمانروائے قوم شاکیہ کے نور نظر۔ اور خاندان "گوتم" کے ذی عزت شہزادے تھے۔ بلکہ باپ کی اکلوتی اور بہت بڑی آرزوؤں سے حاصل شدہ اولاد ہونے کے سبب آیندہ حکمران اور مالک تاج و تخت ہونے والے +

ولادت:- "گوتم بدھ" حضرت مسیح سے تقریباً پانچ سو برس پہلے۔ شہر "کپل وستو" میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر دریائے "روہنی" کے کنارے شہر "بنارس" سے سو میل کے فاصلے پر شمال و مشرق کے گوشہ میں واقع تھا۔ اس جگہ سے ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں اگرچہ دور تھیں لیکن صاف دکھائی پڑتی تھیں۔ شہر

"کپل وستو" کے اردگرد کی پہاڑیوں سے بہت سی ندیاں نکل کر مختلف سمتوں میں اپنی روانی دکھاتی اور شہر مذکور اور اس کے علاقہ کو سیراب و زرخیز بناتی تھیں۔

بُدھ کا باپ راجہ "سدھادن" قریب ۴۵ پینتالیس سال کے عمر پا چکا تھا۔ لیکن اس کے دل کا کنول کسی اولاد کے نہ ہونے سے مرجھایا رہتا تھا۔ جب اس کو خبر ملی کہ اس کی بڑی ملکہ حاملہ ہوئی ہے وہ فرط مسرت سے باغ باغ ہو گیا۔ اور بہت کچھ خیرات کی۔ حاملہ ملکہ ملکی رواج کے موافق اپنے ماں باپ کے گھر روانہ کی گئی۔ تاکہ بچہ وہیں پیدا ہو۔ لیکن لڑکا راستے ہی میں بعض بلند اور گھنے درختوں کے تلے پیدا ہو گیا۔ اس واسطے زچہ و بچہ کو شہر "کپل وستو" میں واپس لائے۔ یہاں آنے کے ایک ہی ہفتہ کے اندر حقیقی ماں فوت ہو گئی۔ اور بچہ کی پرورش سوتیلی ماں نے اپنی اولاد بنا کر کی۔ اور "سدھارتھ" نام رکھا۔

تعلیم و تربیت:۔ بُدھ کی تعلیم و تربیت ابتدا سے ایک شہزادے کی طرح ہوئی اس لئے گو ہم کو ان کے بچپن کا حال معتبر کتابوں میں نہیں ملتا پھر بھی ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ضرورت وقت اور رواج ملک کے موافق بُدھ کو تمام نہیں تو اکثر ضروری علوم پڑھائے گئے ہونگے۔ اور آداب سلطنت وغیرہ کی بھی تعلیم دی

گئی ہوگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ راجہ "سدھادن" سے چند اہل دربار نے ولیعہد بہادر کی یہ شکایت کی کہ ان کو مردانہ کھیلوں اور جنگی کرتبوں سے دلچسپی نہیں۔ حالانکہ ایک شہزادہ کو ان کا جاننا لازمی ہے۔ شہزادہ کو بھی اس بات کی سُن گُن لگ گئی۔ اور اس نے نیزہ بازی کے میدان میں سپہ گری کے ہنر ظاہر کرکے شکایت کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈال دی +

طلب علم کا شوق:- گوتم بدھ کے زندگی کے حالات اُنتیس برس کی عمر تک بالکل نا معلوم ہیں۔ اس کے بعد ایک معمولی سے واقعہ کو دیکھ کر ان کو پرہیزگاری اور گوشہ نشینی کا شوق پیدا ہو گیا۔ بات یہ ہوئی کہ وہ اپنے وفادار خادم "چھین" کے ساتھ سیر اور دُنیا کے تغیرات کا نظارہ کرنے کے لئے نکلے۔ پہلے ایک بُڈھا ملا جس کو درازئ عمر نے فرسودہ حال بنا رکھا تھا۔ اس کے بعد ایک کمزور اور پریشان حال مریض نظر آیا۔ وہ کمزوری کے باعث چل نہیں سکتا تھا۔ اور آگے بڑھے تو ایک مُردے کا جنازہ چار آدمیوں کے کاندھے پر جاتے دیکھا۔ بڑھاپے۔ مرض اور موت کے رنگ دیکھ کر بُدھ کی سُدھ بُدھ سُسر چکی تھی۔ ان کا دل اس بات سے متاثر ہو گیا تھا۔ اور وہ خیال کر رہے تھے کہ ان ہی مصیبتوں سے ان کو بھی سامنا کرنا ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی اور انسان کی زندگی کا فانی ہونا ان کے ضمیر پر واضح ہو گیا تھا۔

اب اور آگے چل کر ایک صاحبدل درویش نظر آئے۔ جن کے چہرے پر وقار اور بزرگی کے ساتھ دِلی اطمینان کے آثار موجود تھے +

گوتم بُدھ کو خیال آیا کہ دُنیا کے جھگڑے اطمینانِ خاطر کے حصول میں سدِّ راہ ہوتے ہیں۔ اور یادِ الٰہی کے لئے تعلقات کا ترک کرنا ہی سچی دل جمعی کا ذریعہ ہے۔ یہ تصوّر دماغ میں لے کر وہ گھر میں واپس آئے۔ دل میں کہتے تھے۔ ع

بازار ہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے

گوتم کی شادی ہو چکی تھی۔ جسوودھارا ان کی بیوی حسن و جمال اور نسوانی خوبیوں میں بے مثال تھی۔ اس سے ایک فرزند نرینہ بھی ہو گیا تھا۔ لڑکے کا "راہل" نام تھا۔ مگر اُنہوں نے ان سب تعلقات کی زنجیریں تُڑا کر۔ آدھی رات کے وقت۔ اپنے خاص خدمتگار "چھین" سے اپنی سواری کا گھوڑا منگوایا۔ نوکر تو اس حُکم کی تعمیل کرنے گیا۔ اور گوتم اپنی زوجہ کی خوابگاہ کی طرف بڑھے کمرے کی چوکھٹ پر استادہ ہو کر دیکھا کہ پیاری بی بی عزیزہ لختِ جگر کے سر پر ہاتھ رکھے محوِ خواب ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں زوجہ کی آنکھ نہ کُھل جائے بچّے کو پیار بھی نہ کیا۔ اور بی بی بچّہ۔ ماں باپ۔ اور سلطنت و دولت سب کو تیاگ کر محل سے نکل آئے۔ "چھین" گھوڑا لئے ہوئے دروازۂ قصر پر منتظر تھا۔ سوار ہو کر چل نکلے۔ جب بہت دُور

نکل گئے ۔ اور دریائے "ایومہ" کا کنارہ آگیا۔ "چین" کو وہاں اپنے قیمتی جواہرات دے کر "کپل وستو" واپس جانے کا حکم دیا۔ "چین" نے زہد و ریاضت کے لئے ساتھ چلنے کی آرزو کی ۔ مگر اُس کو ہمراہ نہ لیا اور کہا ۔ "اگر تم کپل وستو نہ جاؤ گے تو باباجان کو میرا حال کس سے معلوم ہوگا ۔ تم اُن سے میرا ماجرا کہنا ۔ اور خوش رہنا"۔ غرض اس کو بڑی مہربانی سے رخصت کیا اور خود دریا کو عبور کر کے بھدرا کرایا ۔ یعنی سر ۔ ڈاڑھی ۔ مونچھ ۔ اور ابرو سب کو مُنڈا ڈالا ۔ اور ایک غریب کسان سے لباس کا تبادلہ کر کے فقیری اختیار کرنے کے لئے "راج گری" کی طرف روانہ ہو گئے +

"راج گری" مگدھ کی حکومت کا حاکم نشین شہر اور پُر فضا وادی کے اندر پانچ پہاڑیوں کے حلقہ میں واقع تھا ۔ پہاڑوں کے غار بعض مشہور گوشہ نشین درویشوں کے مسکن تھے ۔ گوتم ان کے پاس گئے ۔ اور ایک درویش کے مرید ہوئے ۔ اس کا نام "النر" تھا ۔ لیکن اس کی تعلیم سے ان کا دل نہ ٹھیرا تو دوسرے خدا پرست بزرگ سے رجوع لائے ۔ اس کو "اورک" کہا جاتا تھا ۔ اور "گوتم" نے ان دونو کاملین سے ہندو مذہب ۔ اور ہندوستان کے حکما کا فلسفہ مکمل طور پر تحصیل کیا +

تحصیل علم سے فارغ ہو کر "گوتم" کا دل جوگ اور جپ تپ کی طرف مائل ہوا ۔ وہ ایک جنگل میں

گئے - اس کا نام "اوروبل" تھا - اور اب یہ "بدھ گیا" کہلاتا ہے - "گوتم" اس جگہ چھ برس تک نفس کشی کی محنتوں میں مصروف رہے - ریاضت کے باعث آخرکار بدن سوکھ کے کانٹا ہو گیا - مگر افسوس کہ جو آرزو تھی وہ یوں نہ حاصل ہوئی - حقیقی اطمینان اور سچی خوشی کی منزل ہنوز اتنی ہی دور تھی جس قدر فقر و جوگ اختیار کرنے اور گھربار تیاگنے سے پہلے - ہاں ان عبادتوں نے اتنا اثر دکھایا کہ نام کی شہرت ہوئی اور دور و نزدیک کے چند مرید ان کے گرد فراہم ہو گئے ۔

ایک دن "گوتم" کو چند قدم چلنا پڑا - ضعف کا یہ عالم تھا کہ قدم اٹھانا دشوار تھا ابھی کچھ دور نہ گئے تھے کہ پیر لڑکھڑایا - گر پڑے - اور بیہوش ہو گئے - مرید تو سمجھے کہ پیر صاحب جاں بحق ہو گئے - لیکن کچھ دیر میں "گوتم" نے آنکھ کھول دی - سنبھل بیٹھے - اور انہوں نے دیکھا کہ یہ سخت پابندیاں کوئی نفع نہیں رکھتیں تو نفس کشی سے ہاتھ اٹھا لیا ۔

مرید پیر کی طبیعت کا یہ پلٹا دیکھ کر انہیں راہ راست سے منحرف سمجھے - اور ان کی رفاقت ترک کر کے "بنارس" چل دیے - گوتم جنگل کی جھاڑیوں میں سراسیمہ پڑے پھرتے تھے - دل کی تسکین کا گُر ان کو وید - شاستر - فلسفہ و حکمت - زہد و ریاضت کسی میں نہ ملا تھا - حیران تھے کہ کیا کریں اور کہاں ڈھونڈھیں - اس میں تو شک نہ تھا کہ سچی راحت دنیا

ہیں ضرور تھی۔ مگر یہ اُس کی طرف راہ نہیں پاتے تھے اور بھٹکتے پھر رہے تھے۔ دل بے قابو تھا۔ کبھی جنگل میں نکل جاتے تو کسی وقت بستی کے آس پاس آ جاتے۔ بھوک کی تکلیف محسوس ہوتی۔ تو کم ہمتی کہتی کہ چل اپنے گھر چل اور سلطنت و دولت پر لات نہ مار۔

گوتم اسی اُدھیڑ بن میں تھے کہ ان کو ایک کنواری کسان کی لڑکی نے دیکھا وہ سمجھی کہ فقیر پریشان و بے اطمینان ہے۔ خلقی مہربانی کے تقاضا سے ان کے پاس آئی اور مرحمت کے لہجہ میں کہا :-

"مہاراج! کیا آپ کو بھوک نے دق کیا ہے؟ حکم ہو تو روکھی سوکھی جو میسّر ہے حاضر کروں"؟

گوتم نے سر اُٹھا کر تھوڑی دیر اس لڑکی کو غور سے دیکھا اور دریافت کیا "بہن تمہارا نام کیا ہے"؟

لڑکی۔ "مہاراج! مجھے لوگ "سوجات" کہتے ہیں"۔

گوتم "ہاں مجھے بھوک تو ہے! اور سخت۔ لیکن کیا تمہاری تواضع سے میری بھوک مٹ سکتی ہے۔ بہن! یہ سوال کٹھن ہے"؟

معصوم کسان کی لڑکی اس رمز کو کیا سمجھتی۔ وہ کیا جان سکتی تھی کہ گوتم کے خیالات کیا ہیں۔ بہر حال اس نے کھانے کی چیزیں لا کر ان کے روبرو رکھ دیں۔ اور التجا کی کہ "مہاراج! کچھ تناول فرما لیں"۔

گوتم (مسکرا کر)۔ "میری مہربان سوجات! کیا ان

چیزوں سے میری بُھوک ٹھہر جائیگی؟"

لڑکی "مہاراج! ہاں یہ آپ کی آسودگی کا سبب بن سکتی ہیں"۔

گوتم ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کھانا تناول کرنے لگے۔ یہ درخت اسی دن سے "شجر دانش" کہلایا۔ سوجات تو کھانا کھلا کر چلی گئی۔ مگر یہ پیڑ کے نیچے دن بھر بیٹھے اپنے سوچ بچار میں ڈوبے رہے۔ معلوم نہیں کیا کیا خیالات ان کے دل و دماغ میں پیچیدہ ہوئے۔ صبح سویرے سے شام پڑنے تک وہ اسی درخت کے تلے بیٹھے رہے۔ اور شام کے قریب ان کی بھوک فی الواقع دُور ہو گئی۔ ان پر پوشیدہ بھید کُھل گئے۔ سچا اطمینان حاصل اور بہشت کا راستہ مل گیا۔ وہ بُدھ کے درجہ پر پہنچ گئے۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ "دوارکا" کے تاجدار نے جس نور سے بلند درخت کے زیر سایہ دُنیا کو محروم کیا۔ وہی نور اب ایک ہزار برس کے بعد اُسی بلند درخت کے سایہ تلے "گوتم بدھ" کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ یعنی بُدھ نے رہنمائی مخلوق کے لئے غیبی مشعل ہدایت سے اپنا چراغ علم روشن بنایا۔

گوتم خوشی میں مگن ہو کر اُٹھے اور "راج گری" کی پہاڑیوں کی طرف گئے۔ وہاں ان کو اپنے پُرانے اُستادوں کی وفات کا حال معلوم ہوا تو وہ اب سیدھے بنارس کے عازم ہوئے۔ راستہ میں ان کے ایک قدیم

دوست "اُپک" نامی ملے - اُپک نے "گوتم" کی صورت دیکھ کر کہا - تم تو اب بالکل تندرست و توانا ہو گئے ہو - صورت سے اطمینان اور دلی خوشی کے آثار نمایاں ہیں - کچھ مجھے بھی بتاؤ کہ کس طریقت نے تم کو اتنا بشاش بنا دیا ہے"؟

گوتم "آپ سچ کہتے ہیں - دُنیا کی جملہ روحانی اور اخلاقی طاقتوں کی کُنجی میرے ہاتھ میں آ گئی ہے - میں نے نفسِ امارہ کو مغلوب اور ہمیشہ کی آسایش کا راستہ دریافت کر لیا ہے"۔ اپک "اب پھر کہاں چلے؟" گوتم "بنارس"۔ اپک "کیوں" گوتم نے کہا "انسانوں کو قدرت کے مخفی راز جتا کر سچی خدا شناسی اور حقیقت بینی کا راستہ دکھانا میرا مقصد ہے - اور بنارس اس منادی کے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ ہوسکتی ہے میں اُن دینی اصول کو جو جہل و نادانی کی تاریکی میں چھپ گئے ہیں اہل عالم پر واضح اور نمایاں کرونگا - اور فانی جہان کے رہنے والوں کو ابدی زندگی کا مالک بناؤنگا"۔

اپک تو اس بیان کو مجذوب کی بڑ سمجھ کر اپنی راہ گیا - اور "گوتم بدھ" اس کی بے اعتنائی کا خیال کئے بغیر چند روز بعد بنارس کے قریب "ہرن بن" میں جا پہنچے ۔

"ہرن بن" میں ان کے پانچ قدیم مرید رہتے تھے - وہ ان کے ترک ریاضت کے بعد سے ان سے منحرف

ہو گئے تھے - اب جو ملے تو بڑی سرد مہری سے پیش آئے - عزت و تعظیم کچھ نہ کی - خاطر و مدارات سے بھی سروکار نہ رکھا - بدھ ان سے کہنے لگے - "میں بدھ ہو گیا ہوں اور نجات کا راستہ میں نے معلوم کر لیا ہے - تمہیں بھی وہ ترکیبیں بتا سکتا ہوں جو انسانی زندگی کی تکالیف سے بچا سکینگی" - الغرض ان سے دیر تک مباحثہ ہوا کیا - اور اخیر میں بدھ کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کا عمر رسیدہ سابق مرید "کنڈنیا" ان پر ایمان لے آیا - پھر باقی مریدوں نے بھی ان کا طریق نجات اختیار کر لیا ٭

گوتم بدھ تھوڑے عرصے تک اسی جنگل میں رہے - امیر - غریب - مرد - عورت - بچے اور بڑے سب کو وہ یکساں فیض بخشتے تھے - شروع میں دنیا دار اشخاص ہی ان کے زیادہ مرید ہوئے - ان میں دو عورتیں بھی تھیں - یاس نامی ایک بڑا دولتمند نوجوان ان کا پہلا دنیا دار چیلا ہوا تھا - اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت بھی تھی - اس کے ماں باپ اور اس کی بی بی بھی بدھ مت میں شامل ہوئی - لیکن یہ سب دنیا دار مرید تھے ٭

گوتم بدھ نے درخت دانش کے زیر سایہ فیض یاب ہونے کے پانچ اور "ہرن بن" میں آنے کے تین مہینے بعد اپنے ساٹھ مریدوں کو متعدد اطراف میں وعظ و ہدایت کے لئے ارسال کیا فقط ایک "یاس"

بنارس میں اپنے گھر رہ گیا۔ اور گوتم یہ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ مرید کیا کر کے آتے ہیں پھر گوتم "اروبل" کے جنگل میں گئے۔ یہاں تین نامور گوشہ نشین اور فلسفی بھائی طالبعلموں کی کثیر جماعت کے ساتھ رہتے تھے۔ گوتم بھی ان کے پاس جا کر ٹھیرے۔ اور تھوڑے دنوں میں ایک بھائی کو اپنا چیلا کر لیا۔ نئے مُرید کے دوسرے بھائی اور ان کے طلبہ بھی جلد ہی بُدھ کی تعلیمات کے ماننے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور اس واقعہ کے باعث ملک میں بدھ کی شہرت ایسی پھیلی کہ سینکڑوں آدمی دُور دور سے جوق جوق انہیں دیکھنے کے واسطے آنے لگے۔ گوتم کو زمین وسیع مل گئی۔ ان کے وعظ کا حلقہ بڑھا۔ اور مریدوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا ﴿

اروبل کے جنگل سے وہ مریدوں کا انبوہ ساتھ لیکر راج گری کے شہر میں آئے اور یہاں کا راجہ بڑے اعزاز و اکرام سے ان کا میزبان بنا۔ وہ ان کا مرید بھی ہو گیا۔ اس راجہ کا نام "بمباسُر" تھا۔ اس کی وجہ سے اور بھی بہت سے آدمی بدھ کی تعلیم قبول کر کے ان کے مُقلد بنے۔ بدھ شہر کے قریب "ویلوبن" کی ایک جھاڑی میں رہنے لگے۔ یہاں اُنھوں نے کئی سال بسر کئے اور اس عرصہ میں اپنے عقاید کی منادی کرتے رہے۔ اور بہت سے مضامین پر مباحثے بھی کئے ﴿

گوتم بُدھ کے ساتھ لوگوں کا جوش عقیدت بہت جلد فرو بھی ہو گیا۔ ان کے مُریدوں کو بھیک مانگتے ہوئے گالیوں اور بد سلوکیوں کا دان ملتا۔ اس بات سے وہ پریشان ہوتے لیکن صبر و سکون کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے تھے۔ اسی اثنا میں گوتم کے باپ نے اُن کو طلب کیا۔ اور لکھا کہ اخیر وقت میں ایک بار اپنا دیدار تو دے جاؤ۔ گوتم "کپل وستو" گئے۔ اور شہر سے باہر مع مُریدوں کے ایک جھاڑی میں ٹھہرے۔ ان کے باپ عزیزوں کو لے کر ملنے آئے۔ لیکن بیٹے کی حالت دیکھکر ایسے ناخوش ہوئے کہ مہمان نوازی بھی نہ کی۔ گوتم نے وہ دن یونہی کاٹا۔ دوسرے دن شہر میں بھیک مانگنا شروع کیا۔ اُن کے باپ کو یہ خبر ملی تو وہ خود اس حرکت سے منع کرنے کے لیے گوتم کے پاس آیا۔ اور گوتم نے اُس کو اپنے عقیدے کا وعظ سُنایا۔ مگر ان کا باپ بغیر اس کے کہ گوتم کی باتوں کا کچھ جواب دے۔ جھولی کو اُن سے چھین کر انہیں اپنے ساتھ راج محل میں لے گیا۔

محل میں ان کی بڑی عزت و خاطر ہوئی۔ لیکن گوتم کی بی بی ان کے پاس نہ آئی۔ اس نے کہا کہ "میری ان کے دل میں کچھ بھی جگہ ہوگی تو وہ خود مجھے سرافراز کرینگے"۔ گوتم کے ترک دنیا کرنے کے وقت سے یہ دکھیاری عورت بھی عیش و آرام کو تج چکی تھی۔ ایک دفعہ دن بھر میں معمولی غذا

کھاتی - اور چٹائی پر سوتی تھی - گوتم کو کپل وستو میں آتے ہی یہ خبریں مل چکی تھیں - لہٰذا اگرچہ ان کے مت میں عورت کو چھونا یا اپنے بدن سے اس کا ہاتھ لگنے دینا حرام تھا - لیکن گوتم دو مریدوں کے ساتھ اپنی زوجہ کے پاس گئے - "جسودھارا" ان کی بی بی گوتم کو جوگیوں کے لباس میں دیکھ کر ان کے قدموں پہ گر پڑی اور آنسوؤں کی جھڑی برسانے لگی - گوتم کو اس پر رحم آ گیا - اور اُنھوں نے اپنے مذہب کے حلقہ میں ایک شاخ عورتوں کے لئے بھی قائم کر دی - اور اس گروہ کی پہلی گوشہ نشین بیراگن گوتم کی زوجہ "جسودھارا" بنی +

جسودھارا نے اپنے نورِ نظر "راہل" کو گوتم کی صورت دکھا کر بتا دیا تھا کہ یہ تیرے باپ ہیں اور تُو ان سے اپنا ورثہ طلب کر" راہل" گوتم کے پیچھے پڑ گیا اور جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو گوتم نے اپنے مریدین سے کہا - "برادران! درخت دانش کے نیچے جو دولت عظیمہ مجھ کو ملی ہے وہ میں اس لڑکے کو دیتا ہوں - تم اس کو میرا خلف اور وارث تسلیم کرو - چنانچہ "راہل" گروہ میں شامل کر لیا گیا - اور "کپل وستو" کے بوڑھے راجہ کے لئے بیٹے کے ساتھ پوتے کا بھی ہاتھ سے جانا سوہانِ روح بن گیا - گوتم پندرہ دن کپل وستو میں رہ کر وہاں سے راج گرہی کی طرف واپس چلے - بہت سے ہموطن - اور عزیز و اقارب ان

کے گروہ میں داخل ہو کر ساتھ ہو لئے راستہ میں بُدھ ایک دریا کے کنارے چند روز مقیم رہے اور وہاں سے اپنے قدیم وفادار خادم "چین" کو رخصت کیا۔ اور خود آگے روانہ ہوئے +

چار شخص گوتم بُدھ کے ہموطن مریدوں میں خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں۔ انندا۔ اور دیودت۔ یہ دو ان کے رشتہ دار بھائی تھے۔ اور "اُپالی" حجام۔ اور "انرودھ" یہ بھی ان کے ہموطن تھے۔ اُپالی بُدھ مت کا مشہور پیشوا ہوا ہے۔ انرودھ اس دین کی حکمتِ نظریّہ کا زبردست عالم تھا۔ انند نے عمر بھر گوتم بُدھ کی رفاقت کی۔ اور دیودت ان کا حریف بن کر ایک جداگانہ طریقہ کا بانی ہوا +

بُدھ راجگری پہنچے۔ برسات کا موسم وہاں بسر کر کے مقام "سراوستی" کو گئے۔ یہ "کوسل" کی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ یہاں ایک دولتمند سوداگر ان کا میزبان بنا۔ اور ایک وسیع جنگل خوب سرسبز و شاداب ان کے رہنے کے واسطے خاص کر دیا۔ یہ جنگل بُدھ کے یہاں کئی برسات کے موسم بسر کرنے کے سبب انہی کی طرف منسوب ہوا۔ اس جگہ اُنہوں نے کئی بڑے بڑے مکالمے اور مُباحثے کئے تھے۔ اور یہاں ان کی ہدایت آمیز زندگی کا تیسرا سال ختم ہُوا +

بُدھ کی ہدایت و ارشاد کی زندگی میں چوتھے سال سے چوالیسویں برس تک جو اہم واقعات پیش

آپ ان کا مفصّل تذکرہ نہ تو کسی تاریخ میں ملتا ہے اور نہ اس کے بیان کرنے کی اس مختصر میں گنجایش ہے۔ اس لئے جتنے اجمالی حالات پائے گئے ہیں ان کا بہت ہی اختصار کے ساتھ یہاں درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

ان چالیس سال میں بُدّھ نے غالباً اپنے طریقہ کی اشاعت۔ اپنے گروہ کا قانون معاشرت و مذہب بنانے۔ اپنے فلسفہ کو پختہ اور محکم کرنے۔ اور اپنے دُنیادار مریدوں کو پاکیزگی و پاک باطنی کی نصیحت و ہدایت کرنے کے مہتم بالشان کام انجام دئے۔ "مہابن" میں ایک "نٹ" کو اپنا مرید بنایا۔ باپ کے آخری دیدار کے لئے پھر "کپل وستو" گئے۔ اور جب ان کا ضعیف العمر باپ مرگیا تو اس کی لاش آگ کی نذر کرکے "مہابن" میں پلٹ آئے۔ اس سفر میں سوتیلی ماں۔ بیوی۔ اور چند دیگر عورتیں ان کے ساتھ آئیں اور بڑی التجا کے بعد سلسلہ میں ملا لی گئیں۔ راجگری کی رانی چھماکا ان کے گروہ میں داخل ہوئی۔ ایک مرید کو اس موقع پر معجزہ نمائی سے منع کیا۔ اور ساتویں سال میں ایک بدکار عورت "چنچا" نامی مخالفوں کے اغوا سے بدھ کو بدنام کرنے پر آمادہ ہوئی لیکن اس کی قلعی کھل گئی اور وہ ناکام رہی۔ نویں برس ان کے طریقے کی جماعتوں میں باہمی فساد اور خانہ جنگی پھیل گئی۔ جب گوتم کی کوششیں اس فتنہ کو فرو کرنے

میں کارگر نہ ہو سکیں تو وہ مریدوں سے الگ ہو کر اکیلے "پارلیاک" کے جنگل کو چلے گئے اور یہاں کے پڑوسی دہقانوں نے ان کے لئے ایک جھونپڑا بنا دیا۔ برسات اسی میں کاٹی اس کے بعد ان کے نافرمان مرید انہیں تلاش کرتے ہوئے آئے اور اپنی خطا کی معافی چاہی۔ گوتم نے ان کا قصور بخش دیا۔ اور ان سے مہربانی کا برتاؤ کیا۔ پھر ان کے ساتھ "سراوستی" ہوتے ہوئے راجگری کو گئے۔ اپنے بیٹے "راہل" اور چچا زاد بھائی "موہانم" فرمانروائے کپل وستو کو وعظ سنایا۔ ایک شکاری کے جال میں پھنسے ہوئے ہرن کو دوب کھلا کر اور شکاری کو بحالت غیظ و غضب نصیحت کر کے نجات کا سیدھا راستہ دکھایا۔ کہاں تو وہ شکاری ان کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اور کہا ان کا مرید بن گیا۔ چلیا کے جنگل میں "انگولی مل" ڈاکو سے ایسا شفقت آمیز برتاؤ کیا کہ وہ ان کا شیفتہ ہو کر اپنے ظالمانہ فعل سے تائب ہو گیا۔ الغرض اس مدت کی باتیں سب یہی بتاتی ہیں کہ گوتم نے یہ زمانہ خلق کو راہ راست دکھانے اور انہیں خدا شناس بنانے میں صرف کیا تھا۔

گوتم بدھ عورتوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ نیک و بد۔ حسین و بد صورت۔ شریف و رذیل ہر طبقہ اور ہر درجہ کی عورتیں ان کی نگاہ میں برابر تھیں۔ بلکہ بد چلن عورتوں پر زیادہ مہربانی کرتے۔ ان کے

یہاں دعوت کھاتے اور اس وجہ سے معزز آدمی اُن سے بدظن ہو جاتے تو اس کی پروا نہ کرتے۔ عورتوں نے ان کے فرقہ کی امداد میں اپنا مال و جان تک وقف کر دیا تھا۔ "سراوستی" کی ایک عورت "بشاکا" نامی اس بارہ میں سب پر بڑھ گئی تھی۔ اس نے اہل فرقہ کے لئے ایک سایہ دار کنج وقف کیا اور سراوستی کے مشرق میں ایک خانقاہ بھی بنوا دی تھی۔

گوتم کا عورتوں کی اس قدر عزت کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ معصوم کسان لڑکی "سوجات" کی دعوت جس کے بعد انہیں معرفت کا بلند رتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ انہیں بھولی نہ تھی۔ اور وہ عورت کی اس پاک صفت یعنی رحم دلی اور ہمدردی کے بیحد قائل ہو گئے تھے۔

گوتم بُدھ کی تعلیمات کا مقصد انسانوں کو پاک اعمال کا پابند بنانا اور نجات ابدی کا سیدھا راستہ دکھانا تھا۔ اُس کے متعلق دو مفید و دلچسپ روایتیں باختصار ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) "کسا گوتمی" ایک جوان عورت اور دولتمند شخص کی بی بی تھی اس کا پہلونٹا کمسن بچہ فوت ہو گیا۔ "کسا گوتمی" مردہ بچّہ کو چھاتی سے لگائے پاک سیرت لوگوں سے اس کے لئے دوا دریافت کرتی پھرتی تھی۔ ایک عابد نے اسے گوتم بدھ کا پتا دیا۔ اور وہ ان کے پاس آئی اور اُنہوں نے دوا بتانے کا اقرار کیا تو "گوتمی" نے دوا کے اجزا دریافت کئے۔

گوتم نے اسے ہدایت کی کہ ایسے گھر سے جہاں کبھی کوئی موت نہ ہوئی ہو تھوڑی سی "سرسوں" مانگ لائے۔ "گوتمی" بہت کچھ سرگردانی اٹھا کر خالی ہاتھ واپس آئی۔ اسے کوئی کنبہ اس قسم کا نہ ملا جس کا کوئی آدمی مرا نہ ہو۔ "گوتمی" کے دل میں موت کا برحق ہونا جم گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ وہ مردہ بچّہ کو جنگل میں ڈال کر خالی ہاتھ بدھ کے پاس آئی۔ اور پھر ان کی نصیحت سے موثّر ہو کر ان کے گروہ میں شامل ہو گئی۔

(۲) ایک متموّل برہمن اپنے کھیت سے غلہ کی راس اٹھا کر گھر میں لایا۔ بدھ اپنی جھولی لے کر اس سے بھیک مانگنے گئے۔ برہمن نے جھنجلا کر کہا۔ "میں جوتتا۔ بوتا۔ رکھوالی کرتا اور بہت کچھ محنت کے بعد غلہ گھر لاتا ہوں۔ تم بھی محنت سے روٹی کماؤ۔ میرا سر نہ کھاؤ۔

گوتم نے جواب دیا میں بھی مشقّت کر کے روزی پیدا کرتا ہوں اور تخم ریزی سے غافل نہیں ہوتا۔

برہمن۔ "تم اچھے کاشتکار ہو کہ اپنے کام کی نہ کوئی علامت رکھتے ہو اور نہ سامان"۔

گوتم۔ میرے پاس جملہ سامان موجود ہے۔ سنو! ایمان بیج ہے جس کو میں بوتا ہوں۔ نیک اعمال کی بارش سے وہ کھیتی سیراب ہوتی ہے۔ عقل اور حیا میرے ہل کے پرزے ہیں۔ اور دل اس کا

ہلواہا۔ میرے اس ہل کا دستہ قانونِ شریعت ہے۔ شوق و متانت میرا تازیانہ اور سعی و محنت دو بیل ہیں۔ یہ جوتائی غفلت اور مغالطہ کے خود رو پودوں کو فنا کر دیتی ہے۔ اور اس سے جو پھل پیدا ہوتے ہیں وہ نجات کے ابدی پھل ہیں۔ ان کو کھاتے ہی سب تکلیفیں دُور اور طبیعت مسرور ہو جاتی ہے"+

گوتم بُدھ کے چچا زاد بھائی دیودت نے اپنا جداگانہ پنتھ اس لئے بنا لیا تھا کہ اس کی رائے میں بُدھ مت کے عابدوں کو جوگ اور نفس کشی لازمی تھی۔ اور بُدھ کہتے تھے کہ نہیں نجات کا راستہ اتنا آسان ہونا ضروری ہے کہ ہر طبیعت اور حالت کا آدمی اس پر چل سکے۔ کڑی پابندیاں آسانی پسندوں کو نہ بھائینگی اور انہیں ہدایت سے محروم رکھینگی۔ بہر حال دیودت۔گوتم سے الگ ہو کر ان کا مد مقابل اور دشمن بن گیا۔ اور "اجات سترو" نامی ایک حکمران کو اپنا طرفدار بنا کر بدھ کی جان لینے کے درپے ہوا۔ مگر تین مرتبہ اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ دیودت کی موت نے اس کو تو بہت جلد بدھ کی دشمنی کے افکار سے چھڑا دیا۔ لیکن "اجات سترو" موجود تھا اور اپنے پیشوا کی نیابت کا حق ادا کرتا تھا۔ وہ "سراوستی" پر جو بدھ مت کا مرکز تھا۔ حملہ آور ہوا۔ اور کپل وستو کو بھی اس نے برباد کیا +

"سراوستی" کو گوتم نے چوالیس برس اپنا صدر مقام رکھا۔ اور اس کے بعد وہ راجگری کو چلے آئے۔یہاں وادی راجگری کی پانچ قدرتی محافظ پہاڑیوں میں سے ایک سب سے بلند چوٹی کے غار میں ٹھیرے۔ پھر اس جگہ سے "امباپلی" کو گئے اور راستہ میں دریاے گنگا کو عبور کیا۔ ان کا معبر اس مقام پر تھا۔جہاں "اجات سترو" دشمن کی مدافعت کے لئے ایک نیا شہر اور قلعہ بناتا تھا۔ یہی شہر بعد میں مگدھ سلطنت کا حاکم نشین شہر ہوا۔ اور "پٹالی پتر" کہلایا۔ اور اب آجکل اس کا نام "پٹنہ" ہے۔گوتم "امباپلی" سے "بیلوگمنگ" کو گئے۔ پینتالیسویں سال کی برسات یہیں کاٹی۔ اسی موسم میں وہ سخت بیمار ہوئے۔اور مریدوں سے اپنے تین ماہ بعد دنیا سے رحلت کر جانے کی پیشینگوئی کی۔ پھر انہیں سمجھایا کہ "درویشو! تم دھیان گیان میں ثابت قدم رہنا اپنے ارادوں کو پختہ اور نفس کی خواہشوں پر قابو رکھنا۔اور ضبط کا دامن نہ چھوڑنا۔ اس قانون کی پابندی ہر شخص کو زندگی کی لاانتہا مصیبتوں سے محفوظ رکھیگی۔اور اس بے پایان سمندر سے ایمان کا بیڑا سلامت نکال کر کنارے لگا دیگی"۔

گوتم اس بیماری سے جلد تندرست ہو گئے۔ جسم میں سفر کی طاقت آئی تو "کشتی نگر" کی طرف چلے۔ راستہ میں بمقام "پاوی" چندا نامی ایک سنار نے

ان کی دعوت کی۔ سور کا گوشت اور چاول پکا کر کھلایا۔ گوتم دعوت کھا کے آگے بڑھے۔ مگر جب دریائے "کلشٹ" کے کنارے پہنچے تکان اور پیاس نے بہت دق کیا۔ ٹھیرے کہ آرام لیں۔ انند سے پانی منگوا کر پیا۔ کچھ تسکین ہو گئی۔ پھر ندی میں نہائے۔ اور چند گھنٹے آرام لے کر سفر شروع کر دیا۔ "کشتی نگر" پہنچنے پر گوتم کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ اور بیماری کا زور صاف بتانے لگا کہ یہ مرض الموت ہے۔ مریدوں میں چرچا تھا کہ چندا سنار نے ایسا کھانا کھلانا جس سے ہمارے پیشوا بیمار ہو گئے۔ بدھ نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو میرے دنیا سے گزر جانے کے بعد دنیا کے آدمی چندا غریب کو نام رکھیں۔ یا وہ خود اپنے اس فعل پر نادم ہو کہ اس نے کیوں کھانا کھلایا تھا۔ اس لئے انہوں نے انند کو ہدایت کی کہ جس وقت میرا رخت سفر دنیا سے عالم آخرت کی طرف بندھ جائے۔ تم چندا سے جا کر کہنا۔ کہ "تمہیں گوتم مہاراج کو کھانا کھلانے کا اگلے جہان میں نیک بدلہ ملیگا۔" اور "کہ دینا کہ یہ الفاظ خاص گوتم کی زبان کے ہیں" پھر کہا "میں نے زندگی میں بہت سے آدمیوں کے یہاں دعوت کھائی ہے۔ مگر ان میں دو شخص خدا کی رحمت کا حصہ سب سے زیادہ پائینگے۔ ایک "سوجات" جس نے مجھے بدھ کا درجہ حاصل ہونے سے قبل درخت دانش کے نیچے کھانا کھلایا تھا۔ اور دوسرا چندا سنار جس نے

میری وفات سے پہلے مجھے کھانا کھلایا"۔

گوتم ایک سایہ دار درختوں کے جھنڈ تلے بیٹھ گئے۔ مریدوں کو دیر تک ایسے قواعد کی تعلیم دیتے رہے جن کی پابندی گروہ کے لوگوں پر ان کی وفات کے بعد فرض ہونے والی تھی۔ پھر اپنی تجہیز و تکفین کے بارہ میں ہدایتیں کیں۔ اور انند کو اپنا مخاطب بنایا۔ انند کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے بزرگ اور عزیز پیشوا کی زندگی اب صرف ایک ہی دن اور ہے تو اس کا دل غم کے بوجھ سے دب گیا۔ وہ الگ گوشہ تنہائی میں جاکر رونے اور دل کی بھڑاس نکالنے میں مصروف ہوا۔ لیکن گوتم نے اس کو پھر اپنے پاس بُلا لیا اور تسکین دے کر کہا "انند تم مُدت سے میری صحبت میں رہے اور میرے چال چلن کے تجربہ کار بنے ہو۔ تم کو نروان حاصل ہونے کی توقع رکھنا لازم ہے۔ رنج کس بات کا ہے اور رونے کیوں ہو۔ یاد رکھو کہ ہر جاندار یا بیجان کے لئے اپنی لازمی صفت یعنی فنا سے علیحدہ ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ خدا نے یہ بات انسان کی سرشت میں امانت رکھ دی ہے۔ وہ مٹیگا اور ضرور مٹیگا۔ تم نے اپنے تئیں ہر طرح سعید ثابت کیا ہے۔ سعادت کا دامن نہ چھوڑو۔ تم بھی جہالت اور دُنیاوی خواہشوں کے جال سے آزاد رہو گے"۔

پھر اور مریدوں سے انند کی تعریف کرتے رہے +

گوتم کی حالت اب بہت خراب ہو چلی تھی۔ وہ ایک

درخت کے زیر سایہ پڑے تھے۔ ہلنے ڈلنے کی سکت نہ تھی۔ مرید خدمت کرتے اور آنکھوں میں رات کاٹتے رہے۔ آدھی رات کے وقت ایک فیلسوف برہمن بدھ سے کچھ سوالات کرنے آیا۔ انند نے مقدس استاد کی تکلیف کے خیال سے برہمن کو روکا۔ مگر بدھ نے آواز سن کر دریافت حال کیا۔ اور برہمن کو بلوا لیا اور سوالات سن کر اس سے کہا۔ "بھائی! یہ وقت ایسے سوالات کا نہیں۔ میں مباحثہ نہیں کر سکتا۔ ہاں مذہبی وعظ سننا ہے تو سن لو"! پھر کہا۔ "نجات کے حصول کا ذریعہ پاکیزگی اور خدا ترسی کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ طہارت کے آٹھ طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ پاکیزگی ہے اور آٹھواں خدا سے سچا عشق۔ ان کے اختیار کئے بغیر محال ہے کہ نجات مل سکے"۔

برہمن چلا گیا تو بدھ نے انند سے کہا۔ "شاید تم خیال کرتے ہوگے کہ ہمارے رہنما کی موت ہی ہمارے کام کا خاتمہ ہے! تم ہرگز اس بات کو دل میں جگہ بھی نہ دو اور میرے بعد ان ہدایتوں اور تعلیمات کو اپنا رہبر سمجھو جو کہ میں نے تمہیں سکھائی ہیں"۔ پھر ذرا توقف کے ساتھ انہوں نے بتایا کہ گروہ کے بڑے اور چھوٹے آدمی ایک دوسرے سے کیونکر خطاب کریں۔ اور یہ ان کے ایجاد کردہ قواعد میں سے آخری قاعدہ تھا۔

اس کے بعد انہیں کچھ افاقہ ہو گیا۔ مگر یہ افاقہ الموت

تھا۔ تاہم انہوں نے اس سکون کی حالت میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے یہ آخری کام کیا کہ چان نامی گروہ کے ایک آدمی کو بد زبانی کی سزا دی۔ پھر دو ایک گھنٹہ چپ رہ کر مریدوں سے کہا "تم کو کسی بات میں کچھ شبہ و شک ہو تو رفع کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں موقع نکل جانے پر پشیمان ہو" مگر مریدوں میں اتنی تاب کہاں تھی کہ وہ کچھ دریافت کرتے۔ ان پر رنج و الم طاری تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری۔ گوتم نے خود ہی ذرا دم لے کر کہا "دھیان اور گیان میں غرق رہنے والے درویشو! لو اب میں تمہارے دلوں پر اس بات کا گہرا نقش جمائے دیتا ہوں کہ دنیا کی تمام چیزوں کے اجزا فنا ہونے والے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ نہایت کوشش سے نجات حاصل کرو"

یہ گوتم کے آخری الفاظ تھے اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ ہمیشہ کے واسطے خاموش ہو گئے۔ حکمت و فلسفۂ الہیات کا روشن چراغ گل ہو کر رہ گیا۔ گوتم بدھ نے عالم آخرت کا سفر کیا۔ اور مرید گریاں و نالاں اُن کی مٹی ٹھکانے لگانے میں مصروف ہوئے +



شنکراچارج

نام و نسب: شنکراچارج کا نام "شنکر" تھا۔ باپ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ بزرگ باپ کا سایہ کم سنی ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اور ان کے نسب کا حال تاریکی میں رہنے سے یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ غالباً کسی نامی گرامی خاندان کے فرد نہ تھے۔

ولادت: شنکر کی تاریخ ولادت نا معلوم ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نویں صدی عیسوی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی جائے ولادت جنوبی ہند کا قصبہ "چنیامیر" ہے۔

تربیت اور تعلیم: ایک ایسا بچہ جو کسی مشہور علم و دولت یا عزت و شہرت کے گھر میں نہ پیدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کی تربیت و تعلیم قدرۃً ہی بہتر ہو جائے تو خیر۔ ورنہ اور کوئی صورت اس کے تربیت و تعلیم یافتہ ہونے کی نہیں۔ شنکر کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بارہ برس کے سن میں اپنی "ماں" کے ساتھ "مالابار" میں رہتے تھے۔ باپ صغرسنی کے زمانہ ہی میں مر چکا تھا۔ ہوش سنبھال کر "ماں" کے سوا کوئی مربی اور سرپرست نظر نہ آیا۔ اور وہ بیچاری بھی رانڈ اور

بے بضاعت - جس کو معمولی زندگی بسر کرنے کا سامان بھی مشکل سے میسّر آتا تھا - تاہم قدرت نے شنکر کی ماں میں یہ بڑا وصف رکھا تھا کہ اس نیک بی بی کی طبیعت ایک خاص قسم کی تھی - اور وہ بڑی مستقل مزاج عورت تھی - اس نے جس طرح بن پڑا اپنے نور نظر کو تعلیم دلائی - خود "شنکر" بھی بقول کسے کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" علم کے بیحد شایق تھے - مہرباں ماں کی توجّہ نے اس شوق میں بڑا اضافہ کر دیا تھا - اور وہ جلد جلد تعلیم کے مدارج طے کر کے ابتدائی سے اعلےٰ تعلیم کے بلند زینہ تک پہنچ گئے - یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں شنکر نے تمام "شاستروں" اور حکمت و فلسفہ اور علم الٰہیات پر پوری طرح عبور حاصل کر لیا - اب وہ علاقہ مالابار ہی میں نہیں بلکہ سارے جنوبی ہند میں یکتا عالم و فاضل شمار کئے جانے لگے ؞

شنکر کے بلند خیال اور عالی دماغ میں یہ بات جم گئی تھی کہ ہندوستان کے علم الٰہیات اور فلسفۂ دین کی اصلاح ضروری ہے - بُدّھ کی رحلت کو ان کے زمانہ تک تقریباً پندرہ سو برس ہو چکے تھے - اور جو سادہ اور اعلےٰ درجے کا مذہب اُنہوں نے قائم کیا تھا - جہل و تعصب کی بلا نے اُسے برباد کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا اور اس کی جگہ برہمنی قدیم مذہب نے اپنی ہوا باندھ رکھی تھی - ہندوستان

میں ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور علم کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔ شنکر نے ارادہ کر لیا کہ خواہ اس بارہ میں ان کو کیسی مشکلوں کا سامنا ہو۔ لیکن وہ سرزمین ہند کو جو کسی زمانہ میں آریہ قوم اور مقدس رشیوں کے لئے پُر مسرت زندگی کا رمنا تھی پھر آراستہ اور مامون بنائیں۔ اس مقصد میں کامیابی کا طریقہ ان کو صرف یہی نظر آیا کہ علم کی اشاعت کریں۔ کیونکہ علم ہی ایک ایسی نعمت ہے جو انسان کو حقیقی آسودگی سے ہم آغوش بنا سکتی ہے۔

شنکر نے دیکھا کہ ان کا یہ مُدّعا بغیر اطراف ہند میں سیاحت کرنے کے حاصل نہ ہوگا۔ مگر مُصیبت یہ تھی کہ ان کی ماں کسی طرح انہیں گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ہر چند شنکر نے عجز و اصرار کے ساتھ بار بار عرض کیا لیکن سب بے سود۔ آخر ایک دن جبکہ وہ اپنی ماں کے ساتھ نزدیک کے گاؤں میں مہمان بن کر گئے تھے۔ وہاں سے واپسی کے وقت راستہ کا ایک چھوٹا سا نالہ پانی سے لبریز دیکھ کر اس میں گھس گئے۔ اور گردن تک پانی میں جا کر ماں سے کہا۔ "اماں! اگر آپ مجھ کو سفر کی اجازت نہ دینگی تو لیجے میں ڈوبا مرتا ہوں"۔ بڑھیا ماں یہ حالت دیکھکر بے اوسان ہو گئی۔ دل پر جبر کر کے کہا۔ اچھا بیٹا! تو ایسا ہی بضد ہے تو چلا جائیو میں اب نہ روکونگی۔ شنکر اس بات کو سن کر

خوشی کے مارے باغ باغ ہو گئے۔ نالے سے باہر نکلے۔ ماں کو کندھے پر چڑھا لیا۔ اور پھر اس کو عبور کر کے گھر پہنچ گئے ؛

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد شنکر نے سیر و سفر کا ارادہ کر کے مالا بار کو الوداع کہا۔ دکھیاری ضعیفہ ماں کو اپنی جدائی پر روتے دھوتے چھوڑا۔ اور کوئی ان کا سرپرست اور رفیق نہ تھا جو ان کے ہجر سے بیتاب ہوتا۔ ایک غریب یتیم بچہ کے حالات کی خبر لینے والا کون ہو سکتا تھا۔ کسی کو اس بات کی فکر بھی نہ ہوئی کہ کس نے سفر کیا ہے۔ ہاں شنکر کی ماں اپنی گریہ و زاری سے گھر کے سامنے نکلنے والوں کو اپنے حال پر متوجہ بناتی اور ان کو اپنا دکھڑا سنا کر ان سے شنکر کو برا بھلا کہلاتی تھی لیکن یہ کسی سے نہ ہوتا کہ اس غمزدہ کی دلدہی کرے اور اس کے دکھ پر متاسف ہو کر اسے شنکر کی خبر لا دے ؛

کارنامے :۔ شنکر نے سولہ برس تک ہندوستان کی خاک چھانی وہ شمال میں ہمالیہ پہاڑ تک گئے۔ راستہ میں جتنے مشہور اور متبرک مقام اور جس قدر علم و حکمت کے گھر ملے سب کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اعلےٰ تعلیم گاہوں کے بڑے بڑے نامی علما سے بحث و مناظرہ کیا۔ اور ان کو اپنی سحر اثر تقریر کے زور سے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ ہندوستان کے علما و حکما۔ اور عبادت گزار زاہد آبادی سے الگ جنگلوں اور

پہاڑ کے غاروں میں رہا کرتے تھے۔ شنکر نے سب سے ملاقاتیں کیں۔ اور انہیں بتایا کہ شاستروں کے سمجھنے کا جو طریقہ انہوں نے نکالا ہے وہی راہ راست ہے۔ اور اس طرح انہوں نے تاریکی کو روشنی سے بدل دیا۔ اور نادانی کی جگہ علم و دانائی کو جلوہ گر کیا۔ غرض تقریباً۔ بلکہ تمام فضلائے ہند کو انہوں نے اپنا ہمصفیر بنا لیا ✣

شنکر نے گوتم بدھ کے مردہ فلسفہ اور تعلیم کو زندہ کیا۔ اس میں نئی روح پھونکی۔ اور بدھ کی طرح ایک مذہب کے بانی بنے۔ انہوں نے چہار اطراف ہند میں ایک ایک عظیم الشان درویش خانے کی بنیاد رکھی۔ یہ خانقاہیں "مٹھ" کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اور ان کے رہنے والے سنیاسی کہلائے۔ شنکر کی بنیاد کردہ خانقاہوں کے نام و مقام حسب ذیل ہیں:- (۱) سرنگاگری مٹھ۔ ملک کشمیر میں (۲) سرودھا مٹھ۔ دوارکا میں۔ (۳) گوبردھن مٹھ۔ سری کھیتر میں۔ (۴) جوشی مٹھ۔ بدورک آشرم میں۔ اور شنکر کے مقلدین نے جملہ دس مٹھ تعمیر کئے۔ جن میں سے ہر ایک کسی مشہور سنیاسی کے نام سے منسوب ہے۔ اور گو زمانہ کی نیرنگی نے بدھ مت کے زاہدوں کا نام و نشان تک باقی نہیں رکھا۔ لیکن شنکر کے سنیاسی اب تک دنیا میں موجود نظر آتے اور ان کے کام کی عظمت کا پتا دیتے ہیں ✣

شنکر نے گو ایک طرح مذہب بدھ کو تازہ اور

نئے روپ میں جلوہ گر کیا تھا۔ اور اس بارہ میں وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن آریہ مذہب کی اصلاح میں ان کو پوری کامیابی نہ ہو سکی۔ انہوں نے آریہ یا برہمنی مذہب کی دینی کتابوں پر بسیط اور اعلےٰ درجہ کی شرحیں لکھیں۔ ہندو فلسفۂ الٰہیات کو خوب چمکایا۔ اور اپنی تصانیف سے ثابت کر دیا کہ ان کی تیغ قلم علمی دنیا کی فاتح ہے۔ اسی وجہ سے ان کی تصنیفات نے "فتوحات" کا نام پایا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی یہ اصلاح کوئی عمدہ ثمر نہ لا سکی۔ اور ویدانتی مذہب جس کا ماخذ "وید" اور "اپنشد" تھے۔ زمانہ کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ بلکہ بعد میں ایسا خلط مبحث ہوا کہ شنکر کے مروجہ مذہب کو ویدانتی دین سے ممتاز ہو جانا پڑا۔ حالانکہ اس کا ماخذ وہی ویدانتی دین تھا اور مدعا بھی اسی دین کی استواری ؀

ہند کے تمام چلن سار مذاہب میں بُت پرستی نے ایسا رواج پکڑ لیا تھا کہ شنکر کا اس پر دماغ سوزی کرنا اور اس کو زائل بنانے میں کوشاں ہونا کچھ بھی کام نہ آیا۔ اور آخرکار انہوں نے تھک کر کسی قدر ترمیم کے ساتھ اپنے مٹھوں اور مندروں میں بھی مورتیاں قائم رکھیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جن لوگوں کی چشم بصیرت کھل گئی ہے وہ بتوں کو قابل تعظیم نہ سمجھینگے بلکہ خالق حقیقی کی طرف لَو لگا بیٹھینگے۔ لیکن عام جہلا کو پرستش کے لئے بُتوں سے بڑی مدد مل سکیگی۔ اور

ان کا وجود انہیں یہ نفع دیگا کہ عبادت کے وقت ان کا خیال ایک مرکز پر متوجہ ہو کر ان کی طبیعتوں میں خشوع و خضوع پیدا کریگا ؎

تصانیف:۔ شنکر کی تصنیفات زیادہ تر مذہبی کتب کی شرحیں ہیں یا تفاسیر۔ ان کی تصانیف کو "فتوحات" کا نام ملا ہے۔ اور تفسیروں میں ویدانت کے فلسفہ اُپنشد اور بھگوت گیتا کی تفسیریں ذکر کے قابل ہیں۔ شنکر کی تالیفات میں بڑی خوبی ان کی عبارت کا شستہ۔ شیریں۔ اور لوچ دار ہونا ہے۔ خیالات بیحد بلند ہیں۔ اداے مطلب کے طرز اور منشیانہ تحریر کی صفت نہیں کی جا سکتی۔ اور غالباً یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کسی زبان کے مصنّفین میں اتنا اعلےٰ درجہ کا قابل انشا پرداز مشکل سے مل سکتا ہے ؎

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شنکر نے تصنیف و تالیف کا کام ۱۶ برس کی عمر سے شروع کیا تھا۔ اور یہ عمر بچپن ہی میں شمار ہوتی ہے پھر دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ شنکر نے صرف ۳۲ سال کی عمر پائی وہ ۱۶ برس تک محض تعلیم اور تکمیل علوم میں مصروف رہے اور ۱۷ برس کی عمر سے اخیر وقت تک ۱۵ یا ۱۶ سال سیاحت اور تصنیف و تالیف میں بسر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ سفر اور جہان گردی کی حالت میں انسان کو ایسا اطمینان بہت کم نصیب ہوتا ہے کہ وہ دلجمعی کے ساتھ تصنیف کا نازک کام کر سکے۔

لیکن شنکر کا ۱۶ سال کے قلیل زمانہ میں جنوب سے لے کر شمال تک تمام بلاد ہند کی سیر کرنا۔ اور ہر جگہ وعظ و پند اور علمی گفتگو میں مصروف رہنا اور پھر ایسے زمانہ میں سفر کرنا جبکہ نقل و حرکت کے وسائل بہت کم تھے اور جو تھے وہ ناکارہ۔ یا کم از کم شنکر جیسے مفلس شخص کے واسطے مشکل سے حاصل ہونے والے۔ اس پر ان کا کثیر تعداد کی ضخیم کتابیں بھی اپنی یادگار چھوڑ جانا ایک ایسا کام ہے جو انسانی طاقت سے بالا تر خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ غیر معمولی انسان تھے۔ غرض شنکر نے ہندوستان کے فلسفۂ مذہب اور یہاں کی دینی کتب پر شرحیں لکھنے کے علاوہ بیشمار مستقل تصانیف بھی کیں اور ان کی کتابیں تمام مصنفین کی کتب سے افضل پائی گئیں۔

وفات:۔ شنکر نے ۱۶ سال کا زمانہ ہندوستان میں سیر و سفر اور دینی مناظروں میں بسر کیا۔ اس عرصہ میں وہ صرف ایک مرتبہ اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے اپنے ملک دکن میں بھی گئے تھے۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ دکھیاری عورت خدا کے ہاں جانے کی تیاری کر چکی تھی۔ چنانچہ اس کی مٹی ٹھکانے لگا کر شنکر پھر دکن سے کشمیر سے چلے آئے اور اپنی زندگی کا باقی حصہ "سرنگاگری" مٹھ میں بسر کیا۔ وفات سے چند مہینے قبل شنکر نے "جوشی مٹھ" کی طرف سفر کیا۔ اور وہاں سے "کدار ناتھ" کو گئے۔ جہاں کہ اس دین کے اعلےٰ

مصلح اور بے مثل واعظ و عالم نے ۳۲ سال کی عمر میں دار ناپائدار سے رخت سفر باندھا اور عالم آخرت کا رُخ کیا +

شنکر ایک بیکس اور یتیم لڑکا تھا۔ علم و فضل کے اکتساب اور ملک و قوم کی سچی خدمت نے اسے اتنی عزّت بخشی کہ وہ علماے وقت کا سرتاج۔ بے مثل مصلح۔ بے نظیر مُصنّف۔ اعلےٰ درجے کا راست باز۔ اور اپنے زمانہ کے تمام انسانوں سے ممتاز ہو گیا۔ شنکر سے "شنکراچارج" کہلایا اور اس کے ہموطنوں نے وفات کے بعد اسے دیوتاؤں کی صف میں جگہ دی۔ اس کی تصنیفات آج تک ہندوؤں کے فلسفہ اور علم دین کے سمجھنے کی کنجی تسلیم کی جاتی ہیں۔ اور بڑے بڑے بدھوان پنڈتوں کا انہی کتابوں پر دار و مدار رہتا ہے اس کی علمی زندگی اگرچہ صرف سولہ سال کی ہے۔ لیکن اتنے ہی عرصے میں وہ ایک گمنام لڑکے سے بڑھ کر ہندوستان کی علمی اور عملی دنیا میں چوٹی کا آدمی ہو جاتا ہے۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے یہ مفید سبق چھوڑ جاتا ہے کہ سعی و محنت ہی انسان کی زندگی کو کامیاب بنانے کا گُر۔ اور اسے ناموری و عزت کے آسمان پر چڑھانے والا زینہ ہے۔ اس کے بغیر نہ دُنیا میں کوئی ہوا ہے۔ اور نہ ہوگا +



کبیر

کبیر ہندوستان کے اُن خدا شناس فیلسوفوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی پنتھ (طریقہ۔یا۔ مذہب) کی نئی بُنیاد ڈالی۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ کسی سراپا جدید مذہب کے بانی تھے۔ نہیں وہ اپنے وقت سے قبل کے مروجہ مذاہب میں ضرورت زمانہ اور مناسبت حال کے مطابق ایک قسم کی اصلاح کرنے والے تھے اور بس۔ کبیر کے مذہب میں سرتاپا سادگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ خدا کا نامتناہی عشق ان کا مقصد تھا۔ وہ اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور عبادت الٰہی کو نجات کا طریقہ ٹھیراتے تھے*

کبیر کے نام و نسب اور ان کے ابتدائی حالات کا مستند طور سے کہیں پتا نہیں ملتا۔ جب وہ ایک خاص طریقہ کے موجد اور مذہب میں ایک نئی اُمت کے بانی ہوکر دُنیا سے روشناس ہوئے اُس وقت لوگوں میں ان کی اصل و نسل کا پتا چلانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور چار و ناچار رطب و یابس روایتوں ہی پر اکتفا کرنا پڑا۔ لہذا ہمیں بھی بجز ان روایات سے اخذ کرنے کے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور وہ روایات حسب ذیل ہیں:۔

مشہور قول یہ ہے کہ کبیر کی ماں ایک برہمن

کی بیوہ لڑکی تھی - بحالت بیوگی یہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے اور ماں نے اپنی رسوائی کے خوف سے ان کو پیدایش کے بعد ہی کسی جنگل میں پھینک دیا- نوری نام ایک نورباف اپنی بی بی کے ساتھ کسی گاؤں میں دعوت کھانے جاتا تھا - جنگل میں معصوم بچّہ کو پڑا پایا - اس کے بلکنے اور تڑپنے پر رحم کھا کر اُٹھا لیا - اور اولاد بنا کر پالا پوسا ٭

کبیر کو لڑکپن ہی سے مذہبی خیالات سے اُنس تھا- پرورش کرنے والے باپ نے جوانی میں ان کی شادی کر دی تھی - لیکن کبیر کو بی بی سے کوئی گہرا لگاؤ نہ تھا - وہ بنارس کے متبرک شہر میں گلی کوچوں کا گشت لگاتے پھرتے تھے - دل بیتاب تھا اور یہ لَو لگی ہوئی تھی کہ کوئی کامل رہنما ملے - اسی حالت میں ایک روز گھر کو واپس آنے کی بھی سُدھ نہ رہی - رات زیادہ ہو گئی تھی - آخر دریاے گنگا کے کنارے ایک پختہ گھاٹ کی سیڑھیوں پر لیٹ رہے اور سو گئے - نور کے تڑکے مشہور واعظ اور مصلح عابد رامانند گنگا میں اشنان کرنے آئے - اُجالا پوری طرح پھیلا نہ تھا- اندھیرے میں رامانند کا پاؤں کبیر کے سینے پر پڑا- اور وہ آدمی کا جسم اپنے قدم سے کچلتے دیکھ کر جھجک گئے - زبان سے انفعال کی حالت میں "رام رام" کی صدا نکل گئی - اور کبیر اس آواز سے بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھے - پھر اُنھوں نے کہا ع جس کی ہوس تھی آج اُسے میں

نے پا لیا + اور رامانند کے قدموں سے لپٹ گئے +
رامانند نے دیکھا کہ جوان ہونہار ہے اور پہلو میں سعید دِل رکھتا ہے خوش ہو کر اس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اور اپنے مٹھ میں لا کر اسی دن باقاعدہ اپنا مرید بنا لیا۔ کبیر نے خدا شناسی اور عرفان کے مدارج طے کرنے شروع کئے اور آخرکار وہ طریقت میں اپنے گروہ سے بھی فوقیت لے گئے۔ غالباً مرشد کی زندگی میں کبیر نے اپنا کوئی خاص طریقہ نہیں بنایا۔ لیکن رامانند کے فوت ہوتے ہی۔ ان کی تعلیم کا امتیاز دنیا میں واضح ہو چلا۔ اور ان کا مذہب ہندوستان کے دوسرے موجودہ مذاہب پر سبقت لے جانے کا نشان ظاہر کرنے لگا +
کبیر نے اپنے مرشد کے بعد زندگی کا باقی حصہ مذہبی وعظ و ہدایت میں صرف کیا۔ چونکہ ان کی تلقین دلکش عام فہم نظم کے پیرایہ میں ہوتی اور گا کر لوگوں کو سنائی جاتی تھی۔ اس واسطے وہ بیحد موثر ثابت ہوئی۔ ان کے کبت اور گیت بڑے شوق سے سُنے جاتے جہاں یہ گانے میں مصروف ہوتے آدمیوں کا ٹھٹھ بندھ جاتا تھا۔ کبیر کسی کو اپنا مذہب اختیار کرنے کی طرف رغبت نہیں دلاتے تھے۔ وہ عام طور سے خدا کی معرفت کے گیت گاتے۔ مذہبی پابندیوں کو بیجا رسم و رواج کہتے۔ اور اُن سے آزاد رہنے کی ہدایت کرتے۔ وہ کسی قوم اور ملت کے پابند نہ تھے۔ نہ کوئی

علم الاصنام یا علم الٰہیات تعلیم کرتے تھے۔ بس ایک باصفا خدا شناس بزرگ تھے۔ اور عشق الٰہی کے سوا ان کی کوئی "ملقین نہ تھی۔ کبیر نے اہل ہند کو یہ سبق پڑھایا کہ اختلاف ملت و مذہب کا مقصد انسانوں میں عداوت و عناد کا پھیلانا ہرگز نہیں۔ اپنی اپنی راہ پر ہر شخص چلتا رہے۔ مگر انسانی براوری اور صلح کُل ہونے کا خیال رکھے ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

کبیر نے بڑی دلیری سے کہا کہ مذہب کوئی ضروری چیز نہیں۔ اگر کوئی امر لازمی اور قابل ماننے کے ہے تو وہ ایک معرفتِ الٰہی ہے اور "قدرت کاملہ کا سچا عشق ان کا طریقہ یہی تھا کہ قدرتی چیزوں کے آئینہ میں قادر مطلق کا جلوہ دیکھو اور اصلی خالق کے گرویدہ ہو۔ وہ کہتے تھے ؎

عالم میں چھا رہا ہے ہر سمت نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا

اخلاق و عادات:۔ ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے انسان کا کھرا کھوٹا ہونا پرکھا جاتا ہے۔ کبیر کی عادت و خصلت کے متعلق یوں تو بکثرت روایتیں ہیں۔ لیکن ایک خاص بات جو تواتر کے ساتھ سب تذکرہ نویسوں نے بیان کی ہے یہ ہے کہ کبیر گداگری کے ذریعے جو کچھ کما کر لاتے وہ مہمان نوازی اور

فقیروں کو کھلانے میں صرف کر ڈالتے تھے۔ اِن کا قیام شہر سے باہر ایک کھو میں رہتا تھا۔ کبیر کی بی بی "لوئی" نہایت حسینہ و جمیلہ عورت تھی اور اپنے پاکیزہ منش شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ ایک دن اتفاق سے بیس سے زیادہ فقیر کبیر کے یہاں مہمان بننے کو آ گئے۔ ان کی یہ حالت کہ گھر میں کچھ نہیں۔ بہت گھبرائے اور حد سے زیادہ پریشان ہوئے۔ بی بی نے اُن کو متردّد دیکھ کر کہا "تم اتنے ہراساں کیوں ہو؟" کبیر نے تردّد کی وجہ بتائی۔ ان کی عفیفہ بیوی نے جواب دیا کہ "تم کہو تو فلاں ساہوکار کے بیٹے سے کچھ روپے لے آؤں"۔ کبیر نے کہا۔ "کیا خوب! اُس سُوم کے بچّے سے کب قرض مل سکتا ہے۔ اس کا باپ بڑا کنجوس ہے۔ وہ کبھی کوڑی نہ دیگا"۔ بی بی نے "مگر وہ مجھ سے اظہار محبّت کیا کرتا ہے۔ اور غالباً میرے کہنے کو ردّ نہ کریگا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کو اس بدنظری کی کچھ سزا بھی دوں۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ سردست اس سے کچھ روپیہ اینٹھ لیا جائے"۔

کبیر نے یہ صلاح مان لی۔ اور کرتے کیا۔ ضرورت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ غرض لوئی گئی۔ اور ساہوکار کے بیٹے کو یہ دم دے کر کہ وہ رات کو اس سے ملیگی روپیہ لے آئی۔ کبیر نے فقیروں کے کھانے پینے کا سامان کیا۔ اور جب ان کی تواضع سے

فارغ ہوئے تو سخت اندھیری اور بارش کی رات میں جبکہ نہایت زور کا مینہ برس رہا تھا۔ بی بی کو کندھے پر چڑھا کر پانی سے بچاتے ساہوکار بچہ کے دروازے پر لے گئے۔

وہاں دروازہ چشم منتظر کی طرح کھلا ہوا تھا۔ ساہوکار کا لڑکا تو مایوس ہو گیا تھا۔ کہ ایسی طوفانی شب میں "لوئی" کیوں آئیگی۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے اپنی محبوبہ کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا اور لوئی کا ایک مُوے بدن بھی پانی سے بھیگا ہوا نہ پایا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگا:۔

"تم اس آفت میں کیونکر آئیں؟ اور پانی میں بھیگی بھی نہیں ہو۔ یہ عجیب بات بلکہ کرامات ہے کہ تمہارے لباس کا کوئی تار تک بھیگا ہوا نہیں۔ اور پیروں میں کیچڑ مٹی نہیں سنی ہے"۔

لوئی نے" یہ کرامت تو نہیں۔ ہاں امر واقع ہے کہ میں پانی اور کیچڑ مٹی سے بالکل محفوظ ہوں۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے شوہر مجھ کو بارش سے بچا۔ اور کندھے پر چڑھا کر یہاں لائے ہیں"۔

ساہوکار کا لڑکا (مبہوت ہو کر) "تم کو تمہارے میاں لائے ہیں! یہ کیا کہتی ہو"؟

لوئی "سچ کہتی ہوں۔ اس میں جھوٹ کیا ہے۔ یقین نہ آئے تو دروازہ کی ڈیوڑھی میں کھڑے ہیں۔ دیکھ لو"۔

ساہوکار کا بیٹا اس بات سے اتنا مُؤثر ہوا کہ اس

نے لوئی کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا "تم آج
سے میری بزرگ ماں ہو۔ ہائے میں کیسا نالائق
ہوں کہ ایسی بیہودہ خواہش میرے دل میں آئی"۔
پھر ڈیوڑھی میں جا کر کبیر کے قدم چومنے اور ان
سے معافی طلب کرنے لگا۔ بلکہ اسی وقت تہِ دل
سے ان کا چیلا بن گیا ؂

کبیر خالق اکبر اور پروردگار عالمیان کی شان
بے نیازی کے بے مثل مظہر تھے۔ وہ کسی خاص مذہب
و ملت کی قید میں مقید نہ تھے۔ ہر مذہب کے آدمیوں
کو ان سے ایکساں فیض پہنچتا تھا۔ ان کے ہندو بھی
اتنے ہی معتقد تھے جتنے کہ مسلمان۔ چنانچہ جس وقت
محبوب حقیقی سے وصال ہوا۔ ہندو مسلمانوں میں باہم
یہ نقیض پیدا ہو گئی کہ ان میں سے ہر ایک لاش
کی تجہیز و تکفین اور اسے اوّل منزل پہنچانے کے
لئے اپنے رسم و رواج سے کام لینا چاہتا تھا۔ مشہور
ہے کہ ایک جانب بنارس کا راجہ ہندوؤں کا بھاری
جتھا لئے ہوئے کبیر کی لاش آگ کی نذر کرنے پر
تلا تھا۔ اور دوسری سمت بزلی خاں مسلمان حاکم اہل اسلام
کے گروہ کثیر کے ساتھ کبیر کی میّت اسلامی طریقے پر
مکفون اور مدفون کرنے پر آمادہ تھا۔ قریب تھا کہ دونو
گروہوں میں تلوار چل جائے لیکن صلح جو اور امن پسند
کبیر کی روحانیت نے یہ جھگڑا بڑی خوبی سے فیصل
کر دیا۔ فریقین میں طے پایا کہ پہلے گرو کی لاش ہی

سے استصواب کیا جائے اور کفن اُتار کر دیکھا جائے۔ اگر ہندو مذہب کی علامت نمایاں ہو تو ہندوؤں کی فتح ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی کامیابی۔ بہرحال کفن اُتارا گیا اور اوپر کی چادر ہٹاتے ہی لاش کی جگہ پھولوں کا ایک ڈھیر نظر آیا۔ سب آدمی اس بات کے معاینہ سے حیران رہ گئے۔ اور اب راجہ بنارس نے آدھے پھول لے کر دریائے گنگا کے کنارے نذر آتش کر کے راکھ پر ایک مٹھ بنوا دیا۔ یہ مٹھ "کبیر چورا" کہلاتا اور ان کے پنتھ کے ہندو درویشوں کی زیارت گاہ ہے ۔

دوسرے آدھے پھول بجلی خاں نے لے لئے۔ اور ان کو کبیر کی وفات مقام مگھر[1] میں سپرد کر کے اس پر قبر بنوا دی۔ یہ قبہ مسلمانوں کی جائے زیارت بنا ہے ۔

کبیر کے پہلے ہندوستان میں کوئی بزرگ دو بالکل مختلف العقیدہ جماعتوں کے ایسے مسلّم ولی نہیں ہوئے ہیں۔ کبیر کے حال پر عرفی شیرازی کا یہ شعر بالکل چسپاں ہے ؎

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس مردن
مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

---

[1] مگھر گورکھپور سے چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے اور ان دنوں وہاں ریلوے اسٹیشن بھی بنا ہے۔ کبیر کا مقبرہ ٹرین پر سے صاف نظر آتا ہے ۔ مؤلف

کبیر کی تعلیمات میں سے چند اخلاقی مقولے حسب ذیل ہیں :-

(۱) تسبیح کا ایک ایک دانہ گنتے رہ کر عمر بسر کردی لیکن دل کا غرور دُور نہ ہوا - لہذا تسبیح کی دانہ شماری سے تو یہی بہتر ہے کہ آدمی دل کو صاف کرے +

(۲) منوں چیتھڑے لاد کر ہردوار کی جاترا بے سود ہے جب عشق الٰہی کے چراغ سے کاشانۂ دل منوّر نہ کیا - اور بیت اللہ میں سجدہ کرنا لا حاصل ہے جبکہ دل سے کھوٹ کپٹ دُور اور اُس کو خدا کی سچی محبت کی روشنی سے پُرنور نہ بنایا - ایسی جاترا - اور اس طرح کا حج فضول و نا مقبول ہے - ساری گلستاں بوستاں پڑھ کر سعدی کا مدعا نہ سمجھے تو یہ علم وفضل خاک بھی نافع نہیں +

(۳) مجھے محبوب حقیقی کے کلام سے وہ عشق ہے کہ اس کے سوا اور کسی طرح میری تسکین ممکن نہیں - مچھلی کو سونے کے برتن میں رکھکر آب حیات پلانا بھی اس کی موت کو نہ روکیگا - خدا کو وہی پا سکتا ہے جس کے دل میں اس کے عشق نے گھر کیا ہے +



بابا نانک

نام و نسب اور ولادت:۔ نانک نام۔ اور کالو کھتری کے بیٹے تھے۔ نانک کے والد تلونڈی نامی گاؤں میں رہتے اور حساب کتاب لکھنے کا کام کرتے تھے۔ نانک اسی موضع میں پیدا ہوئے۔ باپ کو فرزند نرینہ کی ولادت نے مسرت سے مالا مال کیا۔ اور اس کے دل میں نور دیدہ کے آیندہ اقبال و عظمت کی توقع کا چراغ روشن ہوا۔

تربیت و تعلیم:۔ کالو جیسا کہ اوپر لکھا گیا قوم کھتری کے فرد تھے۔ بہی کھاتا لکھنا۔ اور تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اولاد کو بھی اسی ڈھب کا بنانے لگے۔ جب نانک کی عمر پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو ان کو فارسی زبان اور معمولی حساب کتاب سکھایا۔ ذہن اور حافظہ قدرت کی طرف سے اچھا ملا تھا۔ نانک نے بہت جلد ابتدائی تعلیم کا مرحلہ طے کر لیا اور لکھنے پڑھنے میں ہوشیار ہو گئے۔ لیکن نانک کا دل دُنیا کے دھندوں میں نہ لگتا تھا۔ کالو کی مرضی یہ تھی کہ لختِ جگر کو بنج بیوپار کے کام میں ڈالے۔ ایک دن ان کو چالیس روپے دے کر ایک جاٹ کے ساتھ کیا اور حکم دیا کہ فلاں گاؤں میں جا کر اس قیمت سے مال خرید لاؤ۔ راستہ میں نانک کو کچھ فقیر ملے۔ ان کو بھوکا اور

محتاج دیکھ کر نانک نے کچھ روپیہ انہیں دینا چاہا۔ مگر فقیر کہنے لگے۔ بابا ہم روپے لے کر کیا کریں۔ بھوکے ہیں کچھ کھلا دے۔ یہ سن کر نانک شہر گئے۔ چالیس روپے کا آٹا خریدا اور لا کے روٹیاں پکوائیں۔ پھر درویشوں کو کھلا کر گھر لوٹ آئے۔ آنے کو تو گھر آ گئے مگر باپ کی خفگی کے ڈر سے مکان کے پاس ایک درخت پر چڑھ کر چھپ کے بیٹھ رہے۔ باپ کو معلوم ہوا وہ ڈھونڈھتا ہوا آیا اور گھر لے گیا۔ دریافت کیا کہ روپیہ کیا کئے اور کیا مال خریدا؟ نانک نے جو بات سچ تھی صاف کہ دی اور پھر کہا "آپ نے روپیہ اس لئے دیا تھا کہ نفع کے کام میں لگاؤں۔ میں نے اسے آخرت کے ہمیشہ رہنے والے فائدے میں لگا دیا۔ اور ثواب کما لیا" کالو بیٹے کی یہ تقریر سن کر آگ ہو گیا۔ اس کو کیا خبر تھی کہ یہ لڑکا موحّد کامل اور سر آمدِ درویشاں ہوگا۔ دنیا میں خواب غفلت کے متوالوں کو بیدار بنائیگا۔ اور سب کو جہانِ باقی کے نفع کا راستہ دکھائیگا۔ بیٹے کی گوشمالی کا ارادہ کیا۔ اور اسے تنبیہ کے لئے مارنے پر تیّار ہوا۔ مگر اتفاق سے اسی وقت ایک مسلمان زمیندار وہاں آ گیا اور چونکہ وہ کسی قدر نانک کے حالات سے آگاہ تھا لہذا کالو کو اس کے مارنے پیٹنے سے مانع آیا +

کالو نے آزما دیکھا کہ بیٹا دنیا کے کار و بار کا اہل نہیں تو اس کو بڑا رنج ہوا۔ اکثر اس کو گھڑکتا

جھڑکتا رہتا۔ اور اُس کی صورت سے بیزار تھا۔ لیکن ماں کی ماتتا نانک کو باپ کے غصّہ سے بچاتی رہی۔ جب کالو نے بیٹے کی گُلّ اپنے حسب مرضی سیدھی ہوتی نہ دیکھی تو مجبور ہو کر نانک کو ریاست کپورتھلہ کے علاقہ میں بمقام سلطان پور بھیج دیا۔ یہاں نانک کی بہن بیاہی تھی۔ اور اس کا بہنوئی نواب دولت خاں لودھی کی سرکار میں ملازم تھا وہ نانک کو بھی نواب کے دربار میں لے گیا اور ان کو مودھی کی خدمت دلوا دی۔ نانک کو اب اپنی طبعی فیاضی دکھانے کا اچھّا موقع ملا۔ سدا برت بٹنے لگا اور دان پُن کا سلسلہ جاری ہوا۔ نانک کی شاہ خرچیوں کا شہرہ ہوا۔ حاسدوں نے نواب کے کان بھرے کہ مودھی غبن کرتا ہے۔ ورنہ اتنا خرچ کہاں سے کر سکتا ہے۔ حساب کتاب کی جانچ ہوئی تو نانک بری الذمہ نکلے۔ بلکہ انہی کا کچھ روپیہ نواب پر فاضل گرا۔ نانک کی سچی سخاوت اُن کے آڑے آ گئی اور خدا نے ان کے دشمنوں کے مُنہ میں خاک بھر دی +

جس وقت نانک نوّاب کے یہاں مودھی تھے۔ اسی وقت بٹالہ کے علاقہ میں ایک کھتری کے یہاں ان کی شادی بھی ہو گئی۔ اگرچہ ان کو دُنیاداری کے جھگڑوں میں پڑنا منظور نہ تھا۔ لیکن وہ کسی طرح گزر کرتے رہے۔ اسی حالت میں دو بیٹے سری چند اور لکھمی داس پیدا ہو گئے +

ریاضت اور ترک دنیا:۔ بابا نانک کے دل پر دنیا کی بے ثباتی کچھ ایسی نقش ہو گئی تھی کہ وہ اس عالم کے مزخرفات پر کبھی توجہ ہی نہ کرتے تھے زیادہ تر سیر و سیاحت میں رہتے اور اس پردہ میں دنیا کی لذتوں سے الگ ہو کر خدا کی یاد اور نفس کشی کرتے تھے۔ ان کے عقیدے کی بنیاد توحید اور صلح کل کے اصول پر تھی۔ ان کی باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ دل سے نکلتیں اور دل ہی میں گھر بنا لیتیں۔ ہر درجہ اور عمر کے آدمی ان کی گفتگو سے محظوظ اور مسرور ہوا کرتے اور ہر ایک مذہب کے آدمی اُن کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ بابا نانک نے اسی حال میں درویشانہ ریاضتیں بھی کیں۔ دریائے بیاس میں تین دن تک پانی کے اندر شبانہ روز کھڑے دھیان گیان میں مصروف رہے۔ پھر ایک درخت کے زیر سایہ بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کی۔ اور یوں ہی ہوتے ہوتے گھر بار کنبہ اور قبیلہ سے الگ ہو بیٹھے +

بابا نانک کے خُسر نے یہ رنگ دیکھا تو اس کو کمال صدمہ ہوا۔ وہ نواب کے دربار میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا کہ آپ نانک کو سمجھائیں۔ اور فرائض دُنیاوی کی بجا آوری پر اسے آمادہ بنائیں۔ نواب صاحب کے آدمیوں کو بھی بابا نانک نے ٹال دیا۔ اور وہ ایسے دُھن کے پکے ہو گئے تھے کہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اس زہد و ریاضت نے بابا نانک کو

روشن ضمیر بنا دیا تھا ۔ وہ ایک روز نوّاب دولت خاں کے پاس آئے تھے ۔ نواب انہیں مسجد میں اپنے ساتھ لے گیا ۔ اس نے نماز کی نیت باندھی ۔ بابا صاحب الگ بیٹھے رہے ۔ سلام پھیر کر نواب نے پوچھا "بابا نانک ! آپ عبادتِ الٰہی میں شریک کیوں نہیں ہوئے ؟

بابا نانک ۔" تم تو قندھار میں گھوڑے مول لیتے تھے میں نماز کس کے ساتھ پڑھتا "

نوّاب نے اعتراف کر لیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں ۔ اور اسی طرح بابا صاحب نے ایک دن قاضی صاحب کو بھی معقول کر دیا ۔

بابا نانک نے اب گھر بار کو بالکل تج دیا ۔ ان کے بال بچے ان کے باپ کے گھر جا رہے ۔ نانک نے شہر بہ شہر پھرنا شروع کیا ۔ خدا کو یاد کیا کرتے ۔ آنکھیں بند اور دل کا دروازہ کھولے رکھتے ۔ اس حالت میں اُن کے دو رفیق تھے ۔ ایک کا نام بالا ۔ اور یہ ہندو تھا ۔ اور بچپن کا قدیم دوست ۔ اور دوسرا مردانہ مراثی ۔ مسلمان تھا ۔ مردانہ بابا نانک کو مراقبہ اور یادِ الٰہی کے وقت معرفت کے گیت گا کر سُناتا اور ان کے جذبہ شوق میں تحریک پیدا کیا کرتا تھا ۔ اس نے بڑی ہمّت دکھائی اور سخت سے سخت تکلیفوں میں مبتلا ہونے کے باوجود کبھی رفاقت نہ چھوڑی ۔

بابا نانک نے اسی سیر و سفر کے دوران میں چند روز ایمن آباد میں بسر کئے جس ویرانے میں

ان کا قیام ہوا تھا - وہاں اردگرد کے پتھروں کو
چن کر ایک ہموار سطح بنا لی تھی - سکھ روڑی اس
جگہ کا نام ہے - بہت سے آدمی ان کی صفائے باطن
اور خدا پرستی کے معتقد ہو گئے - انہی دنوں بابر بادشاہ
ہندوستان میں آیا تھا - اس کے لشکر نے ایمن آباد کو
لوٹ لیا - بابا نانک اور ان کے مرید بیگار میں پکڑے
گئے - مگر ان کے موحدانہ کلام نے بابر کے سپاہیوں
کو اپنا فریفتہ بنا لیا اور ان کو دربار میں پہنچایا گیا -
بابر نے درویش باصفا سمجھ کر تعظیم و تکریم کی اور
دُعائے خیر حاصل کی - ان کی باتوں سے خوش ہوا -
محفل سرور میں دَورِ جام چلتا تھا - ان کی تواضع بھی
کی گئی - لیکن نانک نے انکار کیا اور بہت لطیف
پیرایہ میں انہوں نے کہا "اس کا نشہ تو تھوڑی
دیر میں اُتر جاتا ہے - میں نے وہ نشہ پیا ہے
جو ہمیشہ سرور میں رکھتا اور خمار کی زحمت نہیں دیتا -
مجھ کو اس سے معاف رکھیئے" بادشاہ کو یہ لطیفہ
بہت پسند آیا - اور بابا صاحب سے معافی مانگی -
بابا صاحب نے اس کو دُعا دی کہ تیری سات
پیڑھیاں ملک ہند پر حکومت کرینگی *

ایک دفعہ آپ پھرتے پھراتے ہردوار کے میلہ میں
جا پہنچے - چند برہمنوں کو دریائے گنگا میں مشرق
کی طرف مُنہ کر کے درختوں کو پانی دیتے دیکھا -
یہ ایک مذہبی رسم تھی - اور اس طرح وہ خیال کرتے

تھے۔ کہ بتروں کو پانی پہنچتا ہے۔ نانک نے مغرب کی طرف رُخ کر کے یوں ہی پانی اُچھالنا شروع کیا۔ برہمن ان کو نادان فقیر سمجھے۔ دریافت کیا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ نانک نے کہا "کرتار پور میں میرے کھیت ہیں ان کو پانی دیتا ہوں"۔ برہمن ہنس کر کہنے لگے "کیا خوب! سینکڑوں کوس پر پانی کیسے پہنچ سکتا ہے؟ نانک نے اس موقع پر یہ عجیب نصیحت کی کہ "اگر اتنی دُور بھی پانی نہ جا سکیگا تو تم کس اُمید پر اس دُنیا میں چار چُلّو پانی چھڑک کر عالم عقبےٰ میں اپنے پتروں کو سیراب کر رہے ہو"۔ پھر چند دوہے معرفت الٰہی کے سُنائے جن کو سُن کر تمام حاضرین ان کے قدم چومنے لگے ❖

کہا جاتا ہے کہ بابا نانک مکہ شریف کو بھی گئے تھے۔ انہوں نے ملک عرب کی سیر کی تھی۔ چنانچہ حرم کعبہ میں بیت اللہ کی طرف پیر پھیلا کر سوئے ہوئے تھے کہ وہاں کے آدمی ان سے اُلجھنے لگے۔ انہوں نے خفگی کا باعث دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا "عقل سے خالی شخص! تو خدا کے گھر کی طرف پاؤں کر کے سوتا ہے"۔ نانک نے جواب دیا "میرے خیال میں تو کوئی سمت ایسی نہیں جو خدا کا گھر نہ ہو۔ اگر تم کوئی ایسا رخ جانتے ہو جس طرف خدا نہیں تو میرے پاؤں اسی جانب کر دو"۔ لوگ یہ باریک نکتہ سن کر خاموش ہو گئے اور اپنا سا مُنہ لے کر چل دئے ❖

بابا نانک نے اپنے ایک چیلے کو جس کا نام لہنا تھا اور قوم کا کھتری اپنا جانشین بنایا۔ بی بی صاحبہ خفا ہوئیں کہ اولاد کو چھوڑ کر یہ مرتبہ غیر کو کیوں دیتے ہو۔ بابا نانک نے کہا "اس لئے کہ بیٹے میرے فرمانبردار نہیں"۔

بی بی صاحبہ بولیں "نہیں! وہ تمہاری اطاعت کرینگے"۔

فرش پر ایک ادھ موا چوہا پڑا تھا۔ بابا نانک نے بیٹوں کو حکم دیا کہ اس کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔ مگر کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ آخر لہنا سے کہا اور اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ بابا نانک نے کہا کہ یہ ہے میرا اصلی فرزند۔ اور لہنا کو بہت سی دعائیں دیں۔ غرض ان کی جانشینی لہنا کو ملی اور اولادِ خاص اس شرف سے محروم رہی۔

بابا نانک کے سیر و سفر کی مدت حیات کے ساتھ ہی ختم ہوئی۔ آخری وقت میں ضلع گورداسپور کے ایک مقام پر ٹھیر کر وہاں ایک دھرم سالہ بنوایا۔ اور کرتار پور اس کا نام رکھا۔ اسی جگہ جم گئے۔ بال بچوں کو بھی یہیں طلب کر لیا۔ اور چیلوں کو جا بجا سے جمع کیا۔ پھر ان کو چند روز تک وعظ و پند کرتے رہے۔ اسی اثنا میں موت کا پیام آ گیا۔ اور ستر برس کی عمر میں دارِ ناپائدار سے عالمِ آخرت کی طرف کوچ کیا۔ موحدانہ خیالات اور

صلح کل تعلیم کے باعث ہر مذہب و ملت کے آدمی ان کے ایکساں معتقد تھے ۔ ہندو مسلمان دونو ان سے برابر کی محبت کرتے تھے ۔ وفات کے بعد لاش پر جھگڑا ہوا ۔ ہندو آگ میں پھونکنے اور مسلمان کفن و دفن کا سر انجام کرنے کے لیئے تیار ہوئے ۔ جانبین میں لڑائی ہوئی ۔ خونریزی کی نوبت آئی ۔ مگر جب لاش پر سے چادر ہٹائی گئی تو وہاں کچھ بھی نہ دیکھا ۔ لاچار ہوکر چادر کو آدھا بانٹ کر لیا ۔ ہندوؤں نے اپنا نصف حصہ نذر آتش کیا ۔ اور مسلمانوں نے آدھی چادر کو سپرد خاک ۔ لیکن گردش زمانہ نے اس بزرگ ولی کا نشان مزار بھی محو کر ڈالا ۔ بابا نانک کی سمادھ اور ان کا اسلامی مقبرہ دونو دریاے راوی کو اپنی قدمبوسی کا شرف دیتے تھے ۔ مگر اس چاپلوس دشمن یعنی دریاے راوی نے اس شعر کا مفہوم سچ کر دکھایا کہ ؎

بر تواضع ہاے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست
پاے بوس سیل از پا افگند دیوار را

دریا میں طغیانی آئی اور دونو عمارتوں کو بہا کر لے گئی ۔ رہے نام اللہ کا ؞

گرو نانک کی تعلیم و تلقین کا صاف و شفاف مطلع ان کے بعد جلد ہی مکدر ہوگیا ۔ اور ان کے چیلوں کا فرقہ جو سکھ کہلاتا تھا درویشی کو ترک کر کے سپہگری اور فاتحانہ زندگی پر لٹو ہوا ۔ یہاں تک کہ اس گروہ

نے بتدریج زور پکڑ کر ملک پنجاب پر اپنا تسلط جمایا۔ اور سالہا سال حکومت و جہانبانی کا مزا لوٹا۔ بابا نانک کی ولادت ۱۴۶۹ء میں اور وفات ۱۵۳۹ء میں ہوئی +



فرانسس بیکن

ولادت :- فرانسس بیکن ۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء کو شہر لندن کے محلہ اسٹرینڈ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ "سر نکولس بیکن" پہلے لارڈ کیپر تھا اور پھر چینسلر بھی بنا دیا گیا۔ ملکہ الزبتھ کے عہد میں تقریباً بیس سال سر نکولس بیکن ان خدمات کو بخوبی انجام دیتا رہا۔ ملکہ کے مزاج میں اس کو رسوخ حاصل تھا۔ کیونکہ وہ ایک نہایت دیانتدار اور فہمیدہ وزیر تھا۔ اور اس میں بڑی خوبی یہ تھی کہ دولت و مرتبہ نے اس کے مزاج میں کوئی بڑا تغیر نہیں پیدا کیا تھا۔ "سر نکولس بیکن" کی دوسری بی بی "این" اس کے دو بیٹوں کی ماں بنی ایک "اینتھونی" اور دوسرا "فرانسس" جو آخر میں "لارڈ فرانسس بیکن" کے نام سے نامدار اور علم و دولت کی دنیا کا ایک سر برآوردہ فرد ہوا +

بقول کسے کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" فرانسس میں لڑکپن ہی سے اعلےٰ دماغی جوہر کے

آثار نمایاں تھے۔ ملکہ الزبتھ نہایت بیدار مغز خاتون اور فرمانروائی کا خاص ملکہ رکھتی تھی۔ وہ اکثر اوقات اس سے باتیں کیا کرتی اور اس کی حاضر جوابی سے مسرور ہوتی۔ ملکہ نے ایک مرتبہ فرانسس سے دریافت فرمایا کہ "تمہاری کتنی عمر ہے"؟

فرانسس نے ادب کے ساتھ جواب دیا "حضور عالیہ۔ یہ غلام آپ کی تخت نشینی سے دو سال قبل پیدا ہوا ہے"۔ ملکہ اس کی تیزی طبع کا رنگ ملاحظہ کر کے اکثر اسے "میرا چھوٹا لارڈ کیپر" کہہ کر بلایا کرتی تھیں۔

ابتدائی تعلیم پانے کے بعد فرانسس بیکن بارہ سال کی عمر میں کیمبرج کے ٹرینٹی کالج کے طلبہ میں شامل اور ڈاکٹر "وائٹ گفٹ" کے سپرد ہوا۔ ڈاکٹر مذکور اخیر میں کنٹربری کے لاٹ پادری ہو گئے تھے۔ فرانسس بیکن چار سال کی قلیل مدت میں اس زمانہ کے علم معقول کی خواندگی مکمل کر چکا۔ اور اس کی حیرت انگیز ذہانت دنیا پر اس پیرایہ میں ظاہر ہوئی کہ اس نے حکیم ارسطاطالیس کے اجتہادات اور قدیم فلسفہ کے نظام میں غلطیاں نکال کر تجویز کیا کہ اس وقت سے انیس سو برس پیشتر جس علمی عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی اب اس کو منہدم کر کے نئی بنیاد پر جدید عمارت بنانے کی ضرورت ہے۔ اور اس نئی عمارت کی تعمیر میں مصالحہ بھی نیا ہونا چاہیئے۔

فرانسس بیکن کے زمانہ میں مشائی حکما کا فلسفہ نہایت زور شور سے رائج تھا۔ بیکن نے اس کو منسوخ کرکے اپنا نیا فلسفہ ایجاد کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خیال اس کے دل میں خود بخود نہ آیا ہو۔ بلکہ اس نے اپنے نامور ہمنام "فرائر بیکن" کی تصانیف پڑھکر ایسی رائے قائم کی ہو۔ کیونکہ ان دونو کے اصول بہت متشابہ اور مشکل سے توارد یا اتفاق کہلا سکتے ہیں۔ جن کی نظر علوم فلسفہ پر حاوی ہے وہ فرانسس بیکن کی کتاب" نووم آرگینم" اور" فرائر بیکن" کی تصنیف"اوپس میگنم" کے مسائل اور خیالات میں عجیب قسم کی یکسانیت پاتے ہیں۔ چنانچہ "ڈاکٹر ٹیلر" کا قول ہے کہ اگر" روجر بیکن" کی تصانیف بھی اسی آسانی سے حاصل ہو سکتیں جس سہولت سے" فرانسس بیکن" کی کتابیں میسر آتی ہیں۔ تو اس میں شک نہ تھا کہ نئے فلسفہ کا موجد پیدا کرنے کے باب میں آکسفورڈ کیمبرج کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

گو کچھ بھی ہو لیکن فرانسس بیکن کی لیاقت مسلم تھی۔ اُس کا یہ کام کہ اُس نے مدّتوں کے طریقۂ تعلیم کی بیڑیاں توڑ دیں۔ دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے تعصب کا مقابلہ کیا۔ اور تمام یورپ کے علما کو یقین دلا دیا کہ اس وقت سے پہلے انہوں نے جتنی محنت کی ہے سب بے سود تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی اور اس کے واسطے غیر معمولی اخلاقی طاقت اور ذہانت درکار تھی۔ فلسفہ کی تاریخ میں فرانسس بیکن کی کامیابی

ایک اہم اور بے نظیر شے ہے۔ اس کو اس کا اخلاقی اعجاز کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا۔ کیونکہ اس نے قدیم فلسفہ کو معدوم ہوتے اور جدید فلسفہ کو ترقی کرتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور اس کے بعد آنے والی نسل نے یورپ میں نئے فلسفہ ہی کا دور دورہ مشاہدہ کیا ؛

بیکن۔ یونیورسٹی سے چھوٹ کر دستور زمانہ کے موافق سیاحت پر روانہ ہوا۔ وہ برٹش سفیر" سرامیس پالٹ" کے ہمراہ فرانس کے دار الملک" پیرس" کو گیا۔ اور سفیر کو اپنے حال پر اس قدر مہربان بنا لیا کہ سفیر نے اس کو ایک اہم سیاسی راز کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے ملکہ الزبتھ کی خدمت میں ارسال کیا۔ بیکن اس خدمت کو بڑی عمدگی اور کامیابی سے انجام دیکر پھر فرانس پہنچا۔ اور یورپ کی سیاحت سے اپنے معلومات میں اضافہ کرنے لگا۔ طبیعت غور پسند اور نتیجہ اخذ کرنے کی شائق تو تھی ہی۔ دوران سیاحت میں ہر ملک و قوم کے رسم و رواج۔ اخلاق و معاشرت و نظام حکومت اور بادشاہوں کے اطوار و عادات پر غائر نظر ڈالتا۔ اور ان کی نسبت اپنی خاص رائے قائم کرتا رہتا۔ ابھی اس کی زندگی کا اُنیسواں ہی سال تھا کہ اُس نے ایک کتاب" حالات یورپ" نامی لکھ کر شایع کی۔ اور دنیا میں اپنی قوت فیصلہ کی پختگی کا ڈنکا بجا دیا ؛

لارڈ کیپر فرانسس بیکن کو اپنی اور اولاد سے بہت

زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس نے ایک بڑی مقدار دولت کی اس غرض سے جمع کی تھی کہ اس کا عالم اور باکمال نور نظر "فرانسس" اپنی زندگی آرام و بے فکری کے ساتھ بسر کر کے علمی مشاغل میں مصروف رہے۔ لیکن فرانسس کی بد قسمتی سے لارڈ کیپر بغیر کوئی وصیت نامہ لکھے ہوئے فوت ہو گیا۔ اور اس کو پدری ترکہ میں بہت قلیل جائداد اور دولت ہاتھ آئی۔ فرانسس اپنے سامان معاش کے بارہ میں گورنمنٹ کی مدد حاصل نہ کر سکا۔ اگرچہ خاندانی حقوق اس کو مستحق بناتے تھے۔ لیکن شومی طالع دیکھئے کہ اس کا خالو" ولیم سسل لارڈ برلے" تک جو وزیر اعظم تھا فرانسس کا حامی اور دستگیر نہ ہوا۔ بلکہ وہ اپنے بیٹے "رابرٹ" کو عروج دلانے کے درپے تھا۔ اور جانتا تھا کہ "بیکن" کے سرکاری خدمات پر آنے سے رابرٹ کا رنگ پھیکا پڑ جائیگا۔ "فرانسس بیکن" جب ہر طرف سے کوشش کر کے مایوس ہو چکا تو اس نے قانون کا پیشہ اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ اور جلد کامیاب وکیل بن گیا۔ موکل اور حکام سب اس کے اخلاق کی مدح کرتے اور اس کو عزیز رکھتے تھے اور قانون دانی کے لحاظ سے بھی وہ یکتائے روزگار تھا۔

سنہ ۱۵۹۰ء میں فرانسس بیکن کو شاہی کونسلی کا عہدہ ملا۔ یہ اعزازی منصب تھا۔ کوئی تنخواہ نہ تھی۔ آمدنی کا ذریعہ پیدا کرنے کی غرض سے اس کو اپنے

ذی رسوخ، عزیزوں کی خوشامد کرنی پڑی ۔ تا کہ سخت محنت سے نجات ملے ۔" لارڈ برلے" کا بھی دل اب اس کی حالت پر پسیجا اور اسے سٹار چیمبر کی رجسٹراری دلا دی ۔ فرانسس بیکن بیرسٹری کے ساتھ ساتھ اپنے فلسفی مشاغل بھی نباہ رہا تھا ۔ وہ فلاسفۂ مشائین کی تعلیم کو محو کرنے کا خیال پیش نظر رکھتا تھا ۔ اور اس کوشش سے کبھی غافل نہیں ہوا ۔ شاہی کونسل بنتے ہی اس نے اپنی بڑی ضخیم تصنیف کا مسودہ شائع کرنا چاہا ۔ مگر یہ مضمون ضائع ہو گیا ۔ اور اچھا ہوا کہ وہ شائع نہ ہو سکا ۔ کیونکہ اس میں کوئی بات نہیں نکلتی تھی ۔

سنہ ۱۵۹۳ء میں بیکن مڈل سکس کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر مقرر ہوا اور تقریر کرنے میں بہت جلد کامیابی حاصل کر لی ۔ یہاں اس کو اس کوشش میں بھی ایک حد تک کامیابی ہوئی کہ وہ گورنمنٹ اور عوام دونو کو اپنی روش سے راضی رکھ سکے ۔ مگر ایک بار حب وطن کے جوش میں اس نے گورنمنٹ کے خلاف تقریر کر کے ملکہ اور تمام وزرا کو اپنی جانب سے برہم بنا دیا ۔ چنانچہ اخیر میں اس کو بعاجزی معافی طلب کرنے بنی اور پھر کبھی ایسی جرأت نہ کی ۔

بیکن اپنے ذی اقتدار عزیزوں کی طرف سے بارہ برس خوشامد و خدمت کر کے مایوس ہو گیا ۔ اس نے یقین کر لیا کہ ان لوگوں سے اس کو کبھی کوئی فائدہ نہ پہنچیگا ۔

وہ اب کوئی اور یار و مددگار تلاش کرنے لگا۔ اُس وقت ملکہ الزبتھ کے دربار میں "رابرٹ ڈیویر و ارل آف اسکس" ایک نوجوان شریف۔ رئیس۔ شجاع۔ خوش خلق۔ تربیت یافتہ۔ اور نہایت من چلا آدمی روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس کے سامنے تمام وزرا اور ارکان دولت پست ہو گئے تھے۔ ملکہ کے مزاج میں "ارل آف اسکس" کا دخل اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ جو چاہتا اس سے منوا لیتا۔ "ارل آف اسکس" میں ایک بے نظیر خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ماتحت اور دست نگر لوگوں سے حد درجہ کا شریفانہ سلوک کیا کرتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ان کے دلوں میں اپنی شکر گزاری اور محبت کا نقش جما دے۔ بیکن کے علمی اوصاف پر اس کی توجہ ہوئی۔ دونو میں گہری دوستی ہو گئی۔ "ارل آف اسکس" نے بیکن کو خوشحال اور فارغ البال بنانے کی حد سے بڑھ کر کوشش کی۔ اس کے کام کو اپنا ہی کام سمجھا۔ لیکن ؎

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

والی مثل ہوئی۔ ۱۵۹۴ء میں اٹرنی جنرل کا عہدہ خالی ہوا۔ بیکن کو نہ مل سکا ڈیڑھ برس تک ارل اس کے واسطے پوری کوشش کرتا رہا۔ مگر پھر بھی ناکامی ہی ہوئی۔ تو اسکس نے بیکن کو ایک قطعہ اراضی بطور جاگیر کے نذر کر دیا۔ یہ اراضی مقام ٹوئکنہم میں واقع۔ اور اس کی سالانہ آمدنی دو ہزار پونڈ تھی۔ اس

جاگیر نے بیکن کو تھوڑی سی تسکین دلا دی اور اب وہ فکر معاش کے بوجھ سے کچھ ہلکا ہو گیا ۔

۱۵۹۷ء کے آغاز میں بیکن کی ایک چھوٹی سی کتاب "مضامین" کی شائع ہوئی ۔ وہ بعد میں اس کتاب کے اندر اور بھی اضافہ کرتا رہا ۔ یہ کتاب عام طور سے مقبول ہوئی ۔ چند ماہ میں طبع اوّل کے نسخے ختم ہو گئے اور دوبارہ چھاپنے کی ضرورت پڑی ۔ اس کا ترجمہ اطالی ۔ فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں بھی ہو گیا ۔ اس نے مصنّف کے علم و کمال کا شہرہ قائم کرایا ۔ لیکن شہرت کی ترقی ہوئی تو آمدنی پہلے سے بھی گھٹ گئی ۔ بیکن کی پریشاں حالی کا اندازہ صرف اسی ایک واقعہ سے کرنا چاہیئے کہ ایک مرتبہ ایک سُنار نے اس کو تین سو پونڈ نہ ادا کرنے کے معاوضہ میں گرفتار کرا دیا ۔

"لارڈ اسکس" بیکن کی بہتری میں ہمیشہ کوشاں رہا ۔ وہ اپنی غیبت میں اپنے دوستوں کو ہدایت کر جاتا کہ بیکن کا خیال رکھنا ۔ سپین کے سفر پر جاتے وقت بھی ایسا ہی کیا ۔ اور اس سفر سے جب وہ فتحمندی اور کامیابی حاصل کر کے واپس آیا تو ملک میں رسوخ و ناموری پائی ۔ "لارڈ اسکس" کی یہ عزّت اس کے حاسدوں سے نہ دیکھی گئی ۔ وہ اس کو ذلیل اور تباہ کرنے کے پیچھے پڑ گئے ۔ لارڈ اسکس کا غرور اور بھی اُس کی ذلّت کا موجب ہوا ۔ پہلے سے زیادہ غرور ترقّیِ مناصب کے بعد بڑھا ۔ اور دشمنوں کی

دشمنی بھی اس وجہ سے ترقی کر گئی ٭
اس زمانہ میں بیکن کو شادی کا شوق چرّایا۔ ایک دولتمند مگر سخت مزاج اور وہمی بیوہ سے عقد کا پیام دیا۔ مگر لیڈی صاحبہ نے بیکن کی درخواست رد کر دی۔ اور اس کے رقیب "سر ایڈورڈ کوک" سے شادی کر کے اُس کی بُری گت بنائی۔ اگرچہ اس ناکامی سے بیکن کو صدمہ ہوا۔ لیکن رقیب کی دُرگت بنتے دیکھ کر وہ اپنے اس آفت سے بچ جانے اور دشمن کی مُصیبت پر خوش ہو سکتا تھا ٭
"لارڈ اسکس" کی ترقی انتہا کو پہنچ چُکی تھی۔ اور اس کا انجام زوال ہونا لازمی تھا۔ دربار میں جتنے ارکان دولت تھے اس کی بد مزاجی کے شاکی تھے۔ یہ شکایت بُرا رنگ لائی۔ آخر اس کا اقتدار گھٹنے لگا۔ اس آفت سے بچنے اور پھر اپنا اثر بڑھانے کے لئے لارڈ نے بیکن کو اپنا مشیر اور ہمدرد بنایا۔ بیکن نے اس کو آئرلینڈ کی گورنری منظور کرنے سے منع کیا۔ مگر وہ وہاں چلا گیا۔ مہم سر نہ ہو سکی اور مزید غلطی اس سے یہ ہوئی کہ ملکہ کی عنایتوں کے اعتماد پر وہ آئرلینڈ سے بلا اجازت واپس چلا آیا۔ دربار میں پہنچا۔ تو زرد روئی ہوئی اور سب عہدے چھن گئے۔ گھر میں نظر بند کر کے بٹھا دیا گیا۔ بیکن نے پہلے بڑی کوشش کی کہ لارڈ اسکس کی ملکہ الزبتھ سے سفارش اور صفائی کرا دے۔ مگر ملکہ کی شاہی بدمزاجی اور لارڈ

کی مغرورانہ تمکنت نے ایک بات بھی بننے نہ دی۔ آخرکار بیکن یہ دیکھ کر کہ لارڈ کی بربادی کا وقت آگیا ہے۔ اپنے مربّی اور سچّے دوست سے پھر گیا۔ اور اس کے خلاف سرکاری وکیل کی حیثیت سے اس کو سزا دلانے کا پیروکار بن گیا ٭

لارڈ اسکس زمانے کی اس نیرنگی سے اتنا دل شکستہ ہوا کہ اس نے علانیہ بغاوت کر دی۔ اور اب اس کا جرم قابل سزائے "قتل ہو گیا۔ یہ سزا بیکن ہی نے اسے دلوائی۔ اور ایسی زبردست بحث کے بعد کہ مجرم کو معافی ملنے کی کوئی صورت ہی باقی نہ رکھی۔ مگر لارڈ اسکس کی شرافت پر آفرین ہے کہ وہ بیکن کی تقریر سن کر صرف اتنا کہہ کے خاموش ہو گیا کہ "وہ یہ انتہا درجہ کا ظلم اور بے وفائی ہے" آہ ایسے نازک وقت میں جس کی تلخی موت کی تلخی سے بھی بڑھ کر تھی۔ وہ اپنے احسان فراموش دوست کو صاف طور سے احسان فراموش اور محسن کُش نہ کہہ سکا۔ اور یہ اعلےٰ درجہ کی شرافت کا ثبوت ہے ٭

لارڈ اسکس کو پھانسی مل گئی۔ بیکن نے اس کو بچانے کی ذرا بھی سعی نہ کی۔ عوام اس بات پر ناراض ہوئے۔ اور گورنمنٹ نے ان کا غصّہ دھیما کرنے کے لئے مقدمہ کی کارروائی کا جائز اور حق ہونا ثابت کرنا چاہا۔ اور یہ کام بھی بیکن ہی کو سپرد ہوا۔ کیونکہ اس کی اعلےٰ انشا پردازی اور زور قلم سے ملکہ بخوبی

واقف تھی - افسوس ہے کہ بیکن نے کمال سنگدلی سے اپنے محسن کی جان لینے کے علاوہ اس کا نام بھی دُنیا سے مٹانا چاہا - مگر اس کی یہ کمینگی دُنیا پر چھپی نہ رہی - ہر شخص اس کو لعنت و ملامت کرتا تھا - کئی بار وہ قتل ہونے سے بچا - اس نے ایک رسالہ گورنمنٹ کی طرف سے لارڈ اسکس کے واجب القتل مجرم ہونے کے ثبوت میں لکھا - اور گو پُر زور دلائل کے ساتھ یہ امر ثابت کر دکھایا کہ اس کا قتل حق بجانب تھا - پھر بھی جیسے الفاظ اس نے اپنے ایک سچے سرپرست اور محسن کی نسبت لکھے وہ شاید کسی رحم دل دشمن کے قلم سے بھی نہ نکلتے - اور اس کے دامن سے یہ کمینگی کا دھبہ کبھی نہ چھوٹ سکیگا *

ملکہ الزبتھ کی زندگی تک اس کام کی وجہ سے لوگوں کو بیکن کے ساتھ اظہار ناراضی کرنے کا موقع نہ ملا - مگر شاہ جیمس اوّل کے تخت نشین ہوتے ہی صورت معاملات دگرگوں ہو گئی - شاہ موصوف زمانۂ ولیعہدی میں لارڈ اسکس کا ہوا خواہ اور اس پر مہربان تھا - حصول تخت و تاج کے بعد اس نے "اسکس" کے وارثوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کیا - اور جن لوگوں نے مصیبت کے زمانہ میں اسکس کا ساتھ دیا تھا اُن پر بھی عنایت شاہانہ مبذول کی - لوگوں کو اسکس کا صحیح قصہ لکھنے کی آزادی ملی - اور بیکن پر پھٹکار پڑنے لگی - بیکن نے کئی معذرت نامے بھی

شائع کیے۔ مگر بے سود۔ لوگ اُن کو بُرا بھلا کہنے سے باز نہ رہے ❖

شاہ جیمس اوّل میں جہاں عیوب تھے وہیں ایک یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ خود عالم اور علم دوست تھا۔ بیکن کی علمی قابلیت اس کی نگاہِ قدردانی سے محروم نہ رہی اور اس کو اس عہد میں اچھی ترقی نصیب ہوئی۔ بیکن نے ایک مالدار سوداگر کی حسین بیٹی سے عقد کرنا چاہا۔ اور سر کا خطاب حاصل کرنے کے لئے اپنے خالہ زاد بھائی "رابرٹ سسل" کی خوشامد کرنے لگا۔ چنانچہ خطاب ملتے ہی سر فرانسس بیکن اپنی مہر جمال محبوبہ کو بیاہ لایا۔ شاہ جیمس اوّل کی شاہانہ عنایتوں نے بیکن کو ۱۶۰۴ء میں شاہی کونسل بنا دیا۔ اس عہدہ کی تنخواہ ۴۰ پونڈ سالانہ مقرر ہوئی۔ اور ۶۰ پونڈ پنشن ملنے لگی۔ ۱۶۰۶ء میں وہ سالیسٹر جنرل اور ۱۶۱۲ء میں اٹرنی جنرل ہو گیا۔ پارلیمنٹ میں بھی شہرت حاصل کرتا رہا۔ اور خاص کر انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ کے متحد کرنے میں اس کی کوشش بارآور ہوئی اور یہ بات بادشاہ وقت کو دل سے منظور تھی ❖

بیکن پارلیمنٹ میں اپنے فرائض پوری سرگرمی کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود علم و فلسفہ کی خدمت کے لئے بھی ضرور وقت نکالتا تھا۔ اس زمانہ میں اس نے ایک کتاب "اڈوانسمنٹ آف لرننگ" (ترقی علم) کے نام سے شائع کرائی۔ اس میں مصنّف نے اپنے

زمانہ کی علمی دُنیا کا مبلغ علم جانچنا چاہا ہے۔ ادراک کی وسیع مملکت کے مفتوح اور غیر مفتوح علاقوں کی تشریح کی ہے۔ اور اور غیر معلوم مقامات کی جستجو کی سمتیں واضح کی ہیں۔ آخر میں نئی ایجادوں کا سلسلہ قائم کرنے کا طریقہ اور اس کی تدبیریں بتائی ہیں۔ اور دکھایا ہے کہ جو علم اب تک حاصل ہو چکا ہے۔ اس کو مکمل بنانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ پہلے یہ کتاب انگریزی زبان ہی میں چھپی۔ بعد میں مصنف نے چاہا کہ تمام یورپ اس سے نفع اُٹھائے اور کیمبرج کے استاد ڈاکٹر "پلیفیر" کو اس کا لاطینی میں ترجمہ کرنے کی ترغیب دی مگر ڈاکٹر صاحب پرانے خیال کے بزرگ اور محض سیدھے سادے پڑھے لکھے شخص تھے۔ ترجمہ میں وہ زبان کی عمدگی کا تو لحاظ کرتے رہے لیکن مصنف کے زور قلم کی کچھ پروا نہ کی۔ بیکن نمونہ کے چند صفحے دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ اور پھر اس نے ۱۶۲۳ء میں خود ہی اس کا ترجمہ لاطینی میں کیا جو شائع ہو گیا ہے ٭

۱۶۰۹ء میں بیکن نے اپنی کتاب "ویزڈم آف دی اینشنٹس" (قدما کی عقل) شائع کی۔ اس سے مصنف کی قوتِ متخیلہ کی بلند پروازی اور تصوّر کی رسائی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کتاب میں بیکن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم یونانی دیوتاؤں کے قصّے استعارہ کے طور پر مفید اخلاقی۔ طبعی اور سیاسی

نصائح پر مشتمل ہیں - اور اگرچہ بیکن کی اس نئی اُپج سے اتفاق تو کوئی نہ کرسکا مگر خوش سب ہو گئے +

بیکن اسی عرصہ میں انگلستان کے قوانین کو بھی ترتیب دیتا تھا - پھر اس سخت پُر محنت کام کے ساتھ ہی اپنی سب سے بڑی تصنیف کو بھی آہستہ آہستہ مکمّل کر رہا تھا +

سنہ ۱۶۱۳ء میں بیکن کا خالو اور بڑا سخت دشمن ولیم سسل ارل آف سالسبری مر گیا - اور اس کی جگہ پر "رابرٹ کار" ارل آف سامرسٹ کے خطاب سے مشرف ہو کر مامور کیا گیا - ان دنوں شاہ جیمس اوّل کے دربار میں ایک اور نو عمر امیر "جارج ولیر" ترقی اور رسوخ کی منزلیں آہستہ آہستہ طے کر رہا تھا - کیونکہ بادشاہ کی نظر عنایت اس پر بہت زیادہ تھی - بیکن پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ دربار میں "ولیر" کی آیندہ ترقی سب پر بازی لے جائیگی - چنانچہ اور لوگ "ارل آف سامرسٹ" کی خوشامد خوری کرتے رہے اور بیکن نے "ولیر" سے ربط بڑھایا - آخرکار جب ولیر نے سامرسٹ کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لی اور ڈیوک آف بکنگھم کا خطاب پایا تو اس کی مدد سے بیکن بھی سنہ ۱۶۱۶ء میں پریوی کونسل کے اندر داخل ہو گیا +

"ولیر" خوشامد پسند تھا اور بیکن غرضمند - بیکن کی نظر لارڈ چینسلر کے منصب پر لگی تھی اور وہ اس کے حصول کے لئے ہر طرح کی ذلّت اپنے اوپر گوارا کر

رہا تھا - جب "لارد چینسلر اگرٹن" کی موت کا وقت نزدیک آیا بیکن نے ولیر کی دربارداری اور بڑھا دی۔ اور طرح طرح کی سازشیں کیں - حتےٰ کہ ۱۶۱۷ء میں "لارڈ بریکلی" کے مرتے ہی بیکن کو وہ منحوس کامیابی حاصل ہو گئی جس کے واسطے وہ اپنے ضمیر کا خون کر چکا تھا - اور نہیں جانتا تھا کہ بہت سے فوائد اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کا نہ حاصل ہونا ہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے - اور ان کے حصول میں شامت کا راز مخفی ہوا کرتا ہے - الغرض بیکن اب لارڈ کیپر ہو گیا - اور ۱۶۱۹ء میں دربار انگلستان کا چینسلر بن کر پہلے "بیرن ویرولم" اور پھر "وائی کونٹ سینٹ البنس" کے خطابات سے مفتخر و ممتاز ہوا ؀

۷ مئی ۱۶۱۷ء کو پارلیمنٹ کھلنے کا پہلا دن تھا۔ آج بیکن بڑے جلوس سے "وسٹ منسٹر ہال" میں پہنچا - اور اپنی عدالت میں آکر اس نے ایک بڑی طویل تقریر کی جس میں اپنے فرائض منصبی بخوبی پورے کرنے کا ثبوت دے دیا - اور اس ساعت سعید میں جس کو گروہِ عوام اور خود وہ بھی بیحد مبارک سمجھتا تھا - بیکن نے شریف علمی مشاغل پر محبت بھری نگاہ ڈالی - کیونکہ اب گویا وہ اُن سے جُدا ہو رہا تھا - مگر اس نے یہ کہا کہ تعطیلوں اور فرصت کے ایام میں اس کا کام علمی مشغلے ہونگے جن کی طرف وہ قدرتاً مائل ہے ؀

بیکن، جتنے عرصے تک سلطنت کی مُہر پر قابض رہا۔ اُس زمانہ میں اندر اور باہر عام بد نظمی پھیلی رہی۔ انگلستان کی خارجی حکمت عملی پر تمام یورپ ہنستا تھا۔ اندرونی حالت ایسی ابتر تھی کہ رعایا ٹکس کی بھرمار سے تنگ آ گئی تھی۔ ہر طریقہ سے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اور یہ ظلم صرف اس لئے ہوتا تھا کہ ڈیوک آف بکنگھم اور اس کے متوسلین اور عزیزوں کی جیبیں بھری جائیں۔ بیکن انصاف کیا خاک کرتا جبکہ اس کے اکثر فیصلے ڈیوک آف بکنگھم کی ہدایت کے موافق لکھے جاتے تھے۔ پھر ایک شخص جو دوسروں کی خاطر سے خلاف دیانت کام کرنے کو عیب نہ جانے وہ اپنے لئے فائدہ اُٹھانے کا کوئی موقع کیوں خالی جانے دیتا۔ بیکن نے رشوتیں لیکر ایک لاکھ پونڈ کے قریب ناجائز ذریعہ سے حاصل کئے۔ شاہ جیمس اوّل کے زمانے کی پہلی اور دوسری پارلیمنٹوں کے مابین جو عرصہ گزرا اس وقت انگلستان کی حکومت مطلق العنان شخصی حکومت رہی۔ لارڈ کیپر کا ستارہ اس دور میں خوب عروج پر تھا۔ اعلےٰ منصب نے اس کے علم و کمال کو اور چمکا دیا تھا۔ اہل مقدمات لٹتے تھے مگر ان کی فریاد کون سُنتا۔ مجبوراً دل ہی دل میں کوس کوس کے چُپ ہو رہتے تھے ٭

سنہ ۱۶۲۰ء میں بیکن نے اپنی سب سے بڑی اور اہم تصنیف کتاب ”نووم ارگینم“ شایع کی۔ یہی کتاب

ہے جس نے بیکن کو قدیم فلسفہ کا ناسخ اور جدید فلسفہ کا موجد قرار دیا۔ بیکن نے اس کتاب کی تالیف و تصنیف پر بارہ سال محنت کی۔ اس میں اس نے استقرائی منطق کے اصول ظاہر کئے ہیں اور بتایا ہے کہ نتیجہ ہمیشہ ایسے واقعات سے نکالنا چاہئے۔ جو ثابت اور واضح ہوں۔ قیاسی اور خیالی باتوں کے ذریعے کوئی رائے قائم کرنا ٹھیک نہیں۔ بیکن جس کام میں مصروف تھا وہ اس کتاب کے اشاعت پانے ہی تکمیل کو پہنچ گیا۔ قدیم نظام فلسفہ کا شاندار ایوان بیکن کے دماغ کاوی کی ضربوں سے گر کر خاک میں مل گیا۔ اور نئے فلسفہ کی مستحکم تعمیر کی دیواریں نیو سے ایک نمایاں بلندی تک بن کر تیار ہو گئیں ٭

اب بیکن کی علمی شہرت اور دُنیاوی زندگی کی کامیابی یعنی دولت و ثروت پایۂ کمال پر پہنچ گئی تھی۔ علم و کمال تو دولتِ لازوال ہے۔ لیکن دنیاوی عروج میں تکملہ کے بعد تنزّل ہونا قدرتی امر تھا۔ یورپ بھر میں اس کی کتاب "نووم آرگینم" کی تعریف ہو رہی ہے۔ دُنیاوی اعزاز میں اس کو وائیکونٹ سینٹ البنس" کا خطاب ملا ہے۔ خطاب کی سند پر شہزادہ ویلز ولیعہد سلطنت کی گواہی ہے۔ اور خلعت ملنے کی رسم بڑی دھوم سے عمل میں لائی گئی ہے۔ مگر اس ترقی کے تنزّل میں بدلنے کا وقت بھی سر پر کھڑا ہے اور ان رسوم کے چند ہی ہفتہ بعد لارڈ بیکن کو معلوم

ہو جاتا ہے کہ جن چیزوں کے حصول میں اس نے اپنی ایمانداری اور دیانت کے دامن پر دھبّا لگایا - آزادی کی پُر امن سرکار سے الگ ہوا - دوستی اور احسانمندی کا مقدّس رشتہ توڑا - اور درباری سازشوں کی ذلت آمیز کارروائی میں آلودہ بنا - وہ سب محض بے حقیقت اور وبال جان چیزیں تھیں +

شاہ جیمس اوّل کی سادہ لوحی اس کی لیاقت اور علمی قابلیت سے دُور ہونے کی جگہ اور بڑھ گئی تھی - خود غرض درباریوں نے اسے دھوکا دیکر یہ خیال دلا دیا کہ وہ کسی پوشیدہ غیبی قوّت کی مدد سے تاج و تخت انگلستان پر قابض ہے اور اس کے حکم سے سرتابی گویا فرمان ایزدی کی مخالفت ہے - بادشاہ کا دماغ چل گیا - وہ رعایا کو غلام اور پارلیمنٹ کو اپنی مخالف قوّت تصوّر کرنے لگا - اسے خیال ہوا کہ اپنی ذات سے سلطنت کا انتظام کرے - پارلیمنٹ کو الگ رکھ دے - ڈیوک آف بکنگھم کی مدد سے خلاف قانون ٹکس جاری کر دئے - ڈیوک کی ماں اپنے بیٹے پر حاوی اور بڑی چالباز عورت تھی - دربار شاہی رشوت خواروں اور غاصبوں کا مجمع بن گیا تھا - رعایا مفلس ہوتی جاتی تھی - بادشاہ کا خزانہ خالی تھا - ظالم وزیر و مشیر روپیہ خود لوٹ کھاتے - اور بدنامی شاہ کے سر ڈالتے جاتے - پارلیمنٹ چھ برس تک خزانہ کے افلاس کا کچھ بندوبست نہ کر سکی تو بمجبوری اس

کو برخاست کیا گیا اور نئی پارلیمنٹ جمع ہوئی۔ اس پارلیمنٹ نے خزانہ کے لئے روپیہ کا انتظام کیا اور ساتھ ہی اس افلاس اور رعایا کی بربادی کے اسباب پر بھی غور کرنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ درباری امرا و وزرا خوب خیانتیں کرتے ہیں اور ظلم سے ملک کو لوٹے کھاتے ہیں۔ بہت سے نامور ارکانِ سلطنت جرم خیانت میں آلودہ پائے گئے اور بیکن بھی رشوت ستانی اور بے ایمانی میں مبتلا نکلا۔ پارلیمنٹ کی کمیٹی تحقیقات نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ چینسلر صاحب پر بے ایمانی کا الزام ثابت ہوتا ہے۔ اور شاہ نے ہاؤس آف کامنس میں کہلا بھیجا کہ "ہم کو افسوس ہے کہ اتنے بڑے عالی مرتبہ شخص سے ایسی خطائیں سرزد ہوں" یعنی ہم مجرم کو قانون کے پنجہ سے بچانا نہیں چاہتے ؛

دار العوام نے اسی دن دار الامرا سے مشورہ لے کر لارڈ بیکن پر فرد قرار داد جرم لگا دی۔ بیکن جلسہ میں موجود نہ تھا۔ گھر پر اسے خبر ملی۔ بادشاہ کے حکم سے ڈیوک آف بکنگھم اس کے پاس آیا تو اسے بیحد مغموم اور بد حواس پایا۔ جرائم کی تعداد ۲۳ تک پہنچ چکی تھی۔ اور تحقیقات زور سے ہو رہی تھی کہ بادشاہ نے تین ہفتہ کے لئے پارلیمنٹ بند کر دی۔ بیکن اس فرصت کو غنیمت جانکر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور عفو تقصیر کا طالب ہوا۔ بادشاہ نے انکار کر دیا۔

اور کہا کہ تم جرموں کا اقبال کر لو تو اپنے امکان بھر میں تمہاری سزا گھٹانے میں کوشش کرونگا ٭

پارلیمنٹ کے پھر کھلتے ہی تحقیقات شروع ہو گئی۔ بیکن نے تحریری اقبال نامہ جرائم کا بھیج دیا۔ اس کے دوسرے دن "وسٹ منسٹر ہال" میں حکم سنایا گیا۔ بیکن سخت علالت کے باعث حاضری سے معاف رکھا گیا۔ حکم کیا تھا۔ نہایت سخت سزا۔ چالیس ہزار پونڈ جرمانہ۔ اور قید جس کی میعاد کا تقرر بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ پارلیمنٹ کی ممبری اور دیگر سرکاری عہدوں سے قطعاً علیحدگی اور پھر آیندہ عمر بھر کبھی دربار کے پاس نہ پھٹکنے کی قدغن۔ لیکن یہ سزا فوراً ہی گھٹا دی گئی۔ قید خانے میں جانا تو پڑا مگر دوسرے ہی دن رہائی کا حکم آ گیا۔ اور کچھ دن بعد شاہی حکم سے جرمانہ بھی معاف ہو گیا۔ اور ۱۶۲۴ء میں پوری طرح عفو تقصیر ہو کر پھر پارلیمنٹ میں طلبی ہوئی۔ لیکن شرم دامنگیر تھی۔ بیکن نے حاضری کی جرأت نہ کی۔ گورنمنٹ کی طرف سے ۱۲ سو پونڈ سالانہ پنشن بھی مقرر ہو گئی۔ تا کہ بقیہ زندگی آرام سے بسر کر سکے ٭

اب پھر لارڈ بیکن علمی مشاغل پر متوجہ ہوا۔ معلوم نہیں پہلے کس منحوس گھڑی میں اس نے یہ شغل چھوڑا تھا۔ دوبارہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہونے کا پہلا نتیجہ ایک تاریخ ہنری ہفتم کے عہد کی تھی بیکن نے بادشاہ کی فرمایش سے یہ کتاب لکھی۔

اور اس میں شک نہیں کہ بڑی قابلیت سے لکھی۔
ہنری جیسے پُر از عیوب بادشاہ کی تاریخ لکھنا اور اس
کے عیوب پر پردہ ڈال سکنا مشکل کام تھا۔ بیکن نے
بڑی محنت سے یہ کوشش کی کہ وہ اپنے ممدوح
کی خرابیاں پوشیدہ کرے لیکن تاویلیں اور بناوٹی دلیلیں
کبھی صداقت کو چھپا نہیں سکتی ہیں۔ اور نہ ان سے
کام چلا ہے۔ دوسری تصنیف اخلاقی مضامین کا مجموعہ
تھا۔ یہ پہلی کتاب سے بڑا تھا۔ اور بیکن نے اپنی
اخیر عمر میں اس کو مزید اضافہ کے ساتھ دو مرتبہ شائع
کیا۔ ایک بار انگریزی میں اور دو بارہ لاطینی زبان میں۔
بیکن کا کمال انشا پردازی یہ تھا کہ اس کے قلم سے
خشک مضامین بھی دلچسپ ہو کر نکلتے تھے ؛

لارڈ بیکن دولت کی طرف سے ہمیشہ لاپروا رہا۔
رشوت میں جو کچھ کماتا سب نوکر چاکر کھا جاتے تھے۔
خانہ نشینی کے بعد آمدنی صرف ڈھائی ہزار پونڈ رہ گئی
اور خرچ بدستور سابق۔ اس لئے تنگی سے بسر ہوتی
تھی۔ علاقہ مکفول و قرض کے بار میں دبا ہوا تھا۔
پنشن وقت پر نہیں ملتی تھی۔ ۱۶۲۵ء میں جیمس اوّل
فوت ہو گیا۔ اور چارلس اوّل تخت نشین ہوا۔ بکنگھم
اس پر بھی قابو یافتہ تھا۔ چارلس اول میں ذاتی لیاقت
خاک نہ تھی۔ وہ کسی فلسفی کی قدر کہاں سے کرتا۔
بیکن نے نئے بادشاہ سے امداد کی درخواست کی۔ مگر اس
کو جواب نہ ملا۔ مصائب اور ذلتوں نے نڈھال کر دیا تھا۔

سن کی زیادتی - قرض - اور رنج و غم نے اس کو بالکل
توڑ مروڑ ڈالا اور بیکن بیمار پڑ گیا - آب و ہوا بدلنے
کی غرض سے ہائی گیٹ کو اپنے دوست ڈیوک آف
ارنڈل کے یہاں جا رہا تھا - راستہ میں یہ خیال سوجھا
کہ حیوانی جسم کے برف کے ذریعے سڑنے سے محفوظ
رہنے کا تجربہ کرے - ابتدائی موسم بہار کا زمانہ تھا -
اور نہایت سرد دن - چاروں جانب برف کے ڈھیر
لگے تھے - سرد ہوا تیز تیز چلتی اور جگر میں سرایت
کرتی تھی - بہادر فلسفی نے برف کے اندر ایک غریب
کسان کا جھونپڑا دیکھ کر گاڑی رکوا دی - اتر کر برف
میں چلتا ہوا جھونپڑے تک گیا اور ایک مرغی خرید کر
اس کا پیٹ چاک کر ڈالا - پھر اس میں برف بھرنے
لگا - ابھی یہ کام ختم نہیں ہوا تھا کہ سردی نے بے قابو
بنا دیا اور ایسی طبیعت بگڑی کہ ڈیوک کے گھر تک
بمشکل پہنچا - جہاں صرف ایک ہفتہ کی بیماری کے
بعد یہ فلسفہ کا تیسرا معلم اور حکمت مادیہ کا موجد
۹ر اپریل ۱۶۲۶ء کو ۶۶ برس کی عمر میں دنیا سے
چل بسا - افسوس!

بیکن جس نے ذوق تجربہ میں ایک علمی مسئلہ
کی تحقیقات پر جان قربان کر دی سچا علمی شہید ہے -
وہ سینٹ میکائیل کے گرجہ واقع سینٹ البنس میں
اپنی ماں کے پہلو میں دفن کیا گیا - سر طامس مینٹیز
اس کے سکرٹری نے ایک سادہ سنگ مرمر کا کتبہ بطور

یادگار اس کی قبر پر لگا دیا ہے جو آج تک اس بے مثل فیلسوف کا نشان بتاتا ہے۔ بیکن کی بی بی اس کی وفات سے بیس سال قبل مر چکی تھی۔ اس نے کوئی اولاد اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ بیکن نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے جو آخری خط اس دنیا میں لکھا تھا۔ اس میں وہ بیان کرتا ہے۔ کہ "برف والا تجربہ بہت ٹھیک اترا" اور ہم بھی اس امر سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بیکن کی جان کامیابی کی مسرت سے ہمکنار ہو کر قالب سے جدا ہوئی ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ بیکن جیسا کامیاب فیلسوف بیرسٹر اور رئیس مرا تو اس حالت میں کہ کفن کے لئے ٹکا پاس نہ تھا۔ اس کی وجہ یقیناً اس کی فیاضی اور دولت سے بے مثل نفرت تھی۔

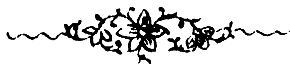
بیکن کے مختصر حالات آپ نے پڑھ لئے ہیں۔ اس کی خوبیوں اور عیوب پر آپ کی نظر محیط ہو چکی ہے۔ جب ایک طرف اس کے روشن علمی کارنامے اسے مکمل انسان کے لباس میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ تو دوسری جانب انسانی کمزوریاں اس کی بد اخلاق و کمینہ خصلت بھی دکھا رہی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہم اس کے علم و کمال سے فائدہ اٹھاتے اور اٹھا سکتے ہیں۔ اور اس کی اخلاقی کمزوریاں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ علاوہ بریں اس کے علم و فضل سے نفع اٹھانے والوں کی تعداد زیادہ اور اس کی

بدی کے ضرر رسیدہ بیحد قلیل ہیں - پھر وہ برائیاں اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو چکی ہیں - اور اس کی دماغی قابلیت سے فیض پانے کا دروازہ ابد الآباد تک کھلا ہوا رہیگا - اس لئے ہم بیکن کو برا نہیں کہہ سکتے اور بہرحال اس کے علمی اعمال کی تعریف کرنا ہمارا فرض ہے ×

بیکن کہتا ہے کہ جب تک تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر کسی بات کو نہ کسا جاے اُس وقت تک وہ صحیح نہیں ہوتی اور اُس کا جاننا علم نہیں کہا جا سکتا - اور کسی شئے کا پورا اور پکا یقین حاصل کئے بغیر اس سے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں - یہ ضروری ہے کہ ہر چیز کے متعلق واقعات کی اچھی طرح جانچ اور تشریح کر لی جاے اور اُس کو علمی طور پر آزما لیا جاے کہ وہ کس طرح پر عمل یا اثر کیا کرتی ہے - مثلاً گرمی اور حرارت کا اندازہ کرنا اور اس کے اثر اور عمل کا پتا لگانا ہو تو آفتاب اور آگ کی گرمی کو چند معمولی تجربوں کے بعد ہی باطمینان مان لینا درست نہیں بلکہ ہر طرح سے ان کا آزمانا شرط ہے - یعنی آفتاب کی شعاعوں کو دونو طرح پر جانچا جاے - براہ راست آفتاب سے آنے والی شعاعوں کا الگ اور دوسری چیز میں منعکس ہو کر آنے والی کرنوں کا جداگانہ تجربہ کیا جاے - اور اسی طریقے پر بجلی - ٹوٹنے والے ستاروں - آتش فشاں پہاڑوں اور تمام دوسری قسم کی حرارتوں کا الگ الگ تجربہ کرنا ضروری ہے ایسے ہی

ٹھوس چیزوں کی گرمی ۔ گرم چشموں کی حرارت ۔ رقیق کھولتی ہوئی چیزوں اور بھاپ کی گرمی ۔ حرارت قائم رکھنے اور اس کو خارج نہ ہونے دینے والے اجسام کی گرمی جیسے کہ اُون اور سمور وغیرہ ۔ اور اُن چیزوں کی حرارت جن میں رگڑ سے گرمی پیدا ہوتی ہے ۔ اور حرارت سے پیدا کی گئی تر گھاس وغیرہ اور دیگر حرارتوں کے مخرج کا تجربہ مکمّل کر لینے کے بعد اور ان کے اسباب پر کامل واقفیت بہم پہنچا کر تم حرارت کی تعریف ۔ اس کی قسمیں اور اس کی ماہیت و خاصیت کا بیان کرو اور شوق سے اس کے متعلق قواعد بناؤ *

اگرچہ کوپرنیکس ۔ ٹائیکو براہی اور دیگر فیلسوفوں اور ماہران علم طبیعیات نے بھی یہی رائے پیش کی تھی جو بیکن نے ظاہر کی ۔ لیکن وہ لوگ عملی پہلو پر اس قدر زور نہیں دے سکے ۔ بیکن ہی وہ شخص تھا جس نے عملی سائنس کو ترقّی دی اور اس کے اصول منضبط کئے ۔ لہذا بیکن کو جدید سائنس و طبیعیات کا بانی کہنا بالکل حق بجانب ہے *



آئزک نیوٹن

یہ نامور فیلسوف "کشش مرکز ثقل" کے مسئلہ کا موجد اور علم ریاضیات میں بہت بڑا ماہر تھا ۔

انگلستان کے ضلع لنگو شائر میں شہر گرینتھم کے قریب ایک موضع ووستھورپ نامی ہے۔ یہیں ۱۶۴۲ء میں آئزک نیوٹن پیدا ہوا۔ وہ ہوش سنبھالنے کی عمر میں اسکول میں داخل ہوا لیکن اس کی تندرستی اس قدر نازک تھی کہ اچھی طرح لکھنے پڑھنے میں محنت نہیں کر سکتا تھا۔ ابتدائی تعلیم کا دور کچھ اسی طرح کی لاپروائی میں گزر گیا اور اب وہ علوم و فنون کے مطالعہ اور درس کی حد میں داخل ہوا تو علم کا شوق خود بخود دل میں گھر کر گیا۔ اب تو آئزک نیوٹن سے بڑھ کر محنتی اور شائق کوئی طالب علم نہ رہا۔ وہ جماعت میں تمام ساتھیوں سے بڑھا رہتا اور چھٹی کے وقت جبکہ دوسرے طلبہ کھیلتے کودتے رہتے تھے۔ نیوٹن چھوٹی کلیں بنایا کرتا اور اسی کو اپنی تفریح کا مشغلہ سمجھتا۔ اسی زمانہ میں نیوٹن نے کئی عجیب و غریب کھلونے تیار کئے ایک گھڑی بنائی جو پانی کے ذریعے سے چلتی تھی۔ ایک کل تیار کی جس کو چوہا گردش دے کر حرکت میں لایا کرتا تھا۔ ایک گاڑی اس قسم کی تیار کی جس پر ایک آدمی سوار ہو کر اسے بائیسکل کی طرح پیروں سے چلاتا ✣

پندرہ سال کی عمر میں نیوٹن کی والدہ نے اس کو مدرسہ سے اٹھا کر کاشتکاری کے کام پر لگایا۔ مگر جس کو علم کا مذاق ہو وہ کب اس کے حصول سے باز رہ سکتا ہے۔ نیوٹن کھیتی باڑی کے کام سے فرصت

پا کر برابر کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اس کی یہ حالت کہیں اس کے ماموں نے دیکھی اور وہ سمجھا کہ یہ بچہ ہونہار ہے۔ مبادا خلاف طبیعت کام میں پھنسے رہنے سے اس کا جوش حصول علم ٹھنڈا پڑ جاتے تو یہ کسی طرف کا نہ ہوگا۔ لہذا اس نے اپنی بہن یعنی نیوٹن کی ماں کو سمجھا بجھا کر آئزک نیوٹن کو دوبارہ مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ آئزک نیوٹن کچھ ہی عرصہ میں علم ریاضی کا ایک مشہور عالم ہو گیا۔ اور ۱۶۶۷ء میں وہ کیمبرج کے ٹرینٹی کالج کا فیلو مقرر ہوا۔

۱۶۶۶ء سے آئزک نیوٹن کی توجہ ریاضی کے بعض باریک مسائل پر ہو چکی تھی اور وہ ہمہ تن ان کے دریافت کرنے میں کوشش کرتا تھا۔ وہ فلکشنز (Fluxions) یا ڈفرنشل کالکلس (Differential Calculus) یعنی کلیات و جزئیات کے حساب کا طریقہ معلوم کرنے اور روشنی۔ رنگ اور کشش مرکز ثقل کے انکشاف میں سرگرم تھا۔ جبکہ وہ اسی سال ایک دن علم ریاضی کا مطالعہ کر رہا تھا یکایک اس کے دل میں خیال آیا کہ چاند زمین کے گرد اور دیگر سیارے آفتاب کے گرد ہمیشہ کیوں گردش کرتے رہتے ہیں؟ قدرتی قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر چیز کی حرکت خط مستقیم میں ہو۔ اگر ہم ایک پتھر لے کر پختہ فرش یا مسطح

میز پر لڑھکا دیں تو جس وقت تک ہوا یا خود فرش اور میز کی نا موزوں سطح اس کو نہ روکے وہ برابر خط مستقیم میں حرکت کرتا اور لڑھکتا چلا جائیگا - پس کیا وجہ ہے کہ اجرام فلکی دَوری حرکت کرتے یعنی لگاتار اپنے دائروں ہی کے اندر چلتے رہتے ہیں ؟

آئزک نیوٹن اسی طرح سوچ میں تھا اور ابھی اس نے کوئی رائے اس مسئلہ پر قائم نہیں کی تھی کہ کیمبرج میں وبا نمودار ہوئی اور وہ اپنے وطن کو چلا گیا - گھر پر جاکر اس کا زیادہ وقت اپنے مزرعہ اور باغ کی دیکھ بھال میں صرف ہونے لگا اور اس حالت میں بھی اس کو جس بات کی دُھن لگی تھی وہ ہر وقت اس کے دماغ میں بسی رہتی - آئزک خواہ کسی کام میں مصروف ہوتا لیکن اس کا دماغ فکر سے نچلا نہ بیٹھتا - آخر ایک دن اسی غور و خوض کے عالم میں وہ ایک باغ میں جا بیٹھا - آئزک اپنے خیال میں ڈوبا تھا کہ یکایک کسی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا - یہ آواز کیسی تھی ؟ اس کے قریب ہی سیب کے درخت سے ایک پختہ سیب ٹوٹ کر زمین پر گرا تھا اور اس کی صدا نے آئزک کو اپنی جانب مائل کر لیا - آئزک کا دماغ معاً چونک پڑا اور اس کے دل میں خیال آیا کہ " سیب شاخ سے ٹوٹ کر زمین پر کیوں گرا ؟ " اس نے تھوڑے سے غور کے بعد خود ہی یہ جواب بھی دیا - کہ " زمین

کی کشش سیب کو اپنی طرف کھینچ لائی ہے*
اس وقت جو بات آئزک نیوٹن نے معلوم کی، یہ کوئی نئی بات نہ تھی ممکن ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو یہ خیال آیا ہو اور ضرور آیا ہوگا۔ مگر جو فائدہ اس تصوّر سے آئزک نیوٹن نے اخذ کیا وہ اوروں کو نہیں سوجھا تھا۔ نیوٹن نے اس تصور پر عقل دوڑانا شروع کیا اور بہت غور و خوض کے بعد وہ یہ راے قائم کر سکا کہ اگر زمین کی کشش سے پھل زمین پر گرا ہے تو یقیناً ماہتاب کو بھی زمین ہی کی کشش اپنی طرف کھینچتی ہوگی اور ایسے ہی زمین اور دیگر آسمانی اجرام اور کشش مرکز ثقل ہی کے سبب آفتاب کے گرد گھومتے رہتے ہیں *

یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر تم ایک گیند ڈورے میں باندھ کر اپنے گرد پھراؤ تو جب تک ڈورے کو ڈھیلا نہ چھوڑوگے وہ گیند برابر تمہارے گرد گھومتی رہیگی۔ اور جونہی ڈورا ڈھیلا ہوا بس وہ ایک طرف سیدھی چلی جائیگی۔ اسی اصول پر قوتِ کشش ثقل آسمانی اجرام کو آفتاب کے گرد روکے ہوئے گردش دے رہی ہے *

یہ خیال قائم کرنے کے بعد نیوٹن کی توجہ اِس طرف مائل ہوئی کہ اس علمی نظریہ کو عملی جامہ بھی پہنائیے۔ وہ زمین اور چاند کا بُعد دریافت کرنے

ہیں مصروف ہوا۔ لیکن ناکام رہا۔ آخر اسے پتا ملا کہ فرانس کے فیلسوف پکارٹ نے زمین سے ماہتاب کا فاصلہ اور زمین کی جسامت دریافت کر لی ہے۔ نیوٹن نے اُس کا حساب معلوم کیا اور پھر خود جانچ کر اس کی صحت آزما لی یعنی اس پر ثابت ہو گیا کہ واقعی چاند کی حرکت زمین کی کشش کے مطابق ہے ❖

کششِ مرکزِ ثقل کیا چیز ہے؟ یہ وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے چیز ہر دوسری چیز کو اپنی جانب کھینچتی رہتی ہے۔ زمین پر جتنی چیزیں ہیں ان کے اپنی اپنی جگہ پر قائم اور رُکی رہنے کا راز یہی کشش ثقل ہے۔ یہ نہ ہو تو وہ گر کر لڑھکتی پھریں اور انسان زمین سے اُڑ کر خلا میں پرواز کرنے لگے ❖

اجرام فلکی میں سے ہر ایک دوسرے جرم کو اپنی طرف جذب کرتا رہتا ہے اور چونکہ وہ خلا میں نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کرتے رہتے ہیں اس واسطے ایک دوسرے پر نہیں گرتے اور نہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ بلکہ بڑے اجرام کی کشش کے باعث چھوٹے اجرام ان کے گرد گھومتے اور چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ اور آفتاب جو تمام اجرام سے ۷۰ گُنا بڑا ہے وہ سب کو اپنے گرد دَور میں رکھتا ہے۔ اور اِسی وجہ سے وہ نیّرِ اعظم کہلاتا ہے اور اس کا یہ نظام نظامِ شمسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ❖

آئزک نیوٹن نے بڑی دماغ سوزی کر کے

کشش ثقل کا حساب تیار کیا اور یہ بتایا کہ کیونکر چھوٹے اجرام آفتاب کے گرد ایک مقررہ فاصلے ہی پر گھومتے اور کشش کے ذریعے اس سے رل نہیں جاتے ہیں - اس کے علاوہ اس نے پتا چلایا کہ آفتاب و ماہتاب کی قوت کشش ہی سمندروں میں جوار بھاٹا لاتی ہے - زمین بالکل گول یا مدوّر نہیں بلکہ وہ قطبین پر چپٹی اور خط استوا پر اُبھری ہوئی ہے - تقویم منطقۃ البروج یعنی موسم بہار و موسم خزاں کا اعتدال کب واقع ہوتا - اور جاڑے اور گرمی کی فصلوں میں کب دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں *



فہرست کتب مولفۂ مولوی عبداللہ خاں

راقم کی تصنیف کی ہوئی کتابیں طالب علموں اور عام شائقین کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتۂ تعلیم پنجاب نے سلسلۂ حساب کی کتابوں اور نیز گلدستۂ مضامین کو بموجب سرکار نمبر ۲/۲۰۲ مورخہ ۶ فروری سنہ ۱۹۱۱ء ٹیکسٹ بک مقرر کیا ہے۔ کل کتابیں نئی سکیم کے مطابق ہیں جو آج کل رائج ہے۔ ہر ایک کتاب کا نام اور اس کی مختصر کیفیت ذیل میں درج ہے جن صاحبوں کو ازراہ قدردانی منگانی ہوں ایک کارڈ بھیج کر بذریعہ وی پی پارسل خواہ راقم سے یا تاجران کتب سے جن کے نام نامی اس اشتہار کے آخر میں درج ہیں منگالیں۔ زیادہ کتابوں کی خریداری پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ جس کا فیصلہ بذریعہ تحریر ہو سکتا ہے۔ گلدستۂ مضامین حصہ دوم بھی داخل فہرست سررشتۂ تعلیم ہے +

نوٹ۔ کتابوں کا آرڈر دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ بعض کتابیں صرف ورنیکلر سکولوں کے لئے ہیں اور بعض صرف اینگلو ورنیکلر سکولوں کے لئے اور بعض دونو کے لئے یکساں ہیں۔ سلسلہ حساب نمبر ۱ سے ۴ تک ورنیکلر اور اینگلو ورنیکلر سکولوں کے لئے یکساں ہیں۔ نمبر ۵ دونو قسم کے سکولوں کے لئے یکساں ہے۔ لیکن ورنیکلر سکولوں کے لئے ایک ضمیمہ علاوہ کتاب کے صرف ایک آنہ (۱) قیمت پر دیا جاتا ہے۔ نمبر ۶ اور ۷ ورنیکلر اور اینگلو ورنیکلر سکولوں کے لئے جدا جدا ہیں +

راقم

عبداللہ خاں
سابق سیکنڈ ماسٹر سنٹرل ماڈل سکول (بیرون موچی دروازہ) لاہور

حساب کی کتابیں اردو میں

۱- سلسلۂ حساب نمبر ۱- پہلی جماعت کے لئے:- تصویروں اور مختلف قسم کی شکلوں کے ذریعے ایک سے ۱۰۰ تک گنتی سکھانے کی بے نظیر کتاب ۱۰×۱۰ کے پہاڑے۔ پانچ تک عددوں کی جمع و تفریق بھی درج ہے۔ حصہ ۲ مضمون ...

۲- سلسلۂ حساب نمبر ۲ - دوسری جماعت کے لئے۔ قواعد ...

(۱) گنتی ۱۰۰۰۰۰ تک ۔ سادی جمع و تفریق ۔ پہاڑے ۱۶ × ۱۶ ۔ چھوٹی ضرب و تقسیم سادہ جس میں مضروب فیہ یا مقسوم علیہ ۱۶ سے زیادہ نہ ہو ¼ و ½ و ¾ ۱ و ½ ۱ کا تصوّر شکلوں اور اعداد مقرون کے ذریعے ۔ قیمت ۳ر محصول ار

۳ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۳ ۔ تیسری جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- لمبی ضرب و تقسیم سادہ ۔ کسوری پہاڑے ¼ ۱ × ۲۰ و ½ ۱ × ۲۰ مع مشقی سوالات ۔ دیسی نقدی کے پیمانے ۔ تحویل ۔ جمع و تفریق مرکب ۔ قیمت ۴ر محصول ار

۴ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۴ ۔ چوتھی جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- ضرب و تقسیم مرکب ۔ وزن لمبائی اور وقت وغیرہ کے پیمانے ۔ تحویل ۔ اجزائے ضربی اعداد مفرد و مرکب ۔ عاد اعظم و ذو اضعاف اقل ۔ کسور عام کے قاعدے (کسور ملتف و مسلسل کے سوا) کسوری پہاڑے ½ ۲ × ۲۰ و ½ ۳ × ۲۰ و ¾ × ۲۰ مع مشقی سوالات ۔ مہاجنی ہندسے (صرف ورنیکلر سکولوں کے لئے) قیمت ۵ر محصول ار

۵ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۵ ۔ پانچویں جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- اکائی کے قاعدے سے سوالوں کے حل کرنے کا طریق ۔ تجارت مفرد ۔ سود مفرد ۔ مسطحات پھیلاوٹ ۔ قیمت ۵ر محصول ار

ضمیمہ { صرف ورنیکلر سکولوں کے لئے ۔ قاعدے :- دیسی طریقہ حساب ۔ حساب بہی کھاتہ ۔ قیمت ار

۶ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۶ ۔ ورنیکلر مڈل سکولوں کی پہلی جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- تجارت مرکب ۔ کسور ملتف و مسلسل ۔ کسور اعشاریہ ۔ سود کے سوالوں میں اصل زر شرح اور مدت دریافت کرنا ۔ قیمت ۸ر محصول ار

۷ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۶ ۔ اینگلو ورنیکلر مڈل سکولوں کی پہلی جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- کسور ملتف و مسلسل ۔ تول ماپ وغیرہ کے انگریزی پیمانے میٹرک پیمانے ۔ کسور اعشاریہ ۔ اوسط ۔ فیصدی ۔ سود کے سوالوں میں اصل زر شرح اور مدت دریافت کرنا ۔ قیمت ۵ر محصول ار

۸ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۷ ۔ ورنیکلر مڈل سکولوں کی دوسری جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- اوسط ۔ فیصدی ۔ وقت اور کام ۔ نفع نقصان ۔ تناسب تقسیم بہ اجزائے متناسب ۔ جذر ۔ قیمت ۵ر محصول ار

۹ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۷ ۔ اینگلو ورنیکلر مڈل سکولوں کی دوسری جماعت کے لئے ۔ قاعدے :- حرفی حساب ۔ حرفوں کی قیمت ہندسوں میں ۔ مساوات درجۂ اول جس میں صرف صحیح عدد ہوں بشمول عبارتی سوالوں کے ۔ تجارت مرکب کام اور وقت ۔ نفع نقصان ۔ (الف + ب)۲ کی توضیح شکلوں کے ذریعے ۔ تقسیم بہ اجزائے متناسب ۔ قیمت ۵ر محصول ار

۱۰ ۔ سلسلۂ حساب نمبر ۸ ۔ ورنیکلر مڈل سکولوں کی تیسری جماعت

کے لئے - قاعدے :- مجسمات - قیمت نقد و ہتی کاٹا - سود مرکب - پچھلے قاعدوں کی مشق - قیمت ۶ ر محصول ا ر +

۱۱- حساب کا پہلا حصہ - اس حصے میں چاروں ابتدائی قاعدے مفرد و مرکب نئی طرز پر لکھے ہیں - قیمت ۴ ر محصول ا ر +

۱۲- حساب کے چیدہ سوالات مع حل - حساب کے مشکل سے مشکل سوالوں کو ایسے آسان طریق سے حل کر کے دکھایا ہے کہ جس شخص کو معمولی حساب بھی آتا ہو وہ اس کتاب کو پڑھکر پورا محاسب بن سکتا ہے - اردو میں ایسی کتاب اس فن میں اب تک نہیں لکھی گئی - قیمت ۵ ر محصول ا ر +

نوٹ - مذکورہ بالا کتابیں پٹواریوں کا امتحان دینے والوں کے لئے بھی نہایت مفید ہیں +

حساب کی کتابیں انگریزی میں

۱۳- اکسرسائزز ان ارتھمیٹک - یہ کتاب انگلو ورنیکلر ڈل - انٹرنس - ایف اے - ٹریننگ کالج اور امیدواران امتحان مقابلہ واکسٹرا اسسٹنٹی ورڑکی کالج کے لئے از حد مفید ہے - قیمت ۸ ر محصول ا ر +

۱۴- اکسرسائزز ان منسوریشن - یہ کتاب امیدواران امتحان ڈل انٹرنس ورڑکی کالج کے لئے نہایت مفید ہے - قیمت ۶ ر محصول ا ر +

۱۵- ڈیفنیشنز آف ارتھمیٹک - یہ کتاب ڈل و انٹرنس کے لئے مفید ہے - قیمت ۲ ر محصول ا ر +

۱۶- فارمولی ان منسوریشن - یہ کتاب بھی ڈل اور انٹرنس کے طلبا کے لئے نہایت مفید ہے - مساحت کے تمام قاعدوں کو ایک جگہ نہایت مختصر طریق سے جمع کیا ہے - قیمت ا ر +

اُردو کی کتابیں

۱۷- گلدستہ مضامین حصہ اول - اپر پرائمری کی پانچویں جماعت کے لئے - بچوں کو تہذیب اور اخلاق سکھلانے اور ان کی عام معلومات بڑھانے کے لئے بے مثل کتاب - قیمت ۴ ر محصول ا ر +

۱۸- گلدستہ مضامین حصہ دوم - ڈل سکول کے طلبا کے لئے بینظیر کتاب - طلبا کو مضمون نویسی سکھانے - ان کی عام لیاقت بڑھانے اور ان کے دلوں میں اخلاقی جوہر پیدا کرنے کے لئے بہترین کتاب - قیمت ۶ ر محصول ا ر +

۱۹- گلدستہ مضامین حصہ سوم - انٹرنس کے طلبا کے لئے نایاب

اور چیدہ چیدہ مضامین کا مجموعہ - قیمت ۶ر محصول ۱ر

۲۰ - حکایات عجیب { بچوں کے لئے نہایت دلچسپ کہانیاں اور قصے - اس کتاب کو پڑھکر خود بخود ہنسی آتی ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام کتاب میں کوئی لفظ یا فقرہ ایسا نہیں جو خلاف تہذیب ہو قیمت ۸ر محصول ار

۲۱ - فرہنگ حکایات عجیب بزبان انگریزی { حکایات عجیب کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کے لئے نہایت مفید فرہنگ قیمت ۲ر محصول

۲۲ - فرہنگ حکایات عجیب بزبان فارسی { حکایات عجیب کا ترجمہ فارسی میں کرنے کے لئے نہایت مفید فرہنگ - قیمت ۱۰ر محصول ۰ر

۲۳ - عجیب و غریب لطیفے حصۂ اوّل { کتاب اسم با مسمیٰ ہے - خوبی دیکھنے پر منحصر ہے - قیمت ۱۰ر محصول ر

۲۴ - عجیب و غریب لطیفے حصۂ دوم { اس کتاب میں علما و فضلا اور شعرا وغیرہ کے چٹکلے اور لطیفے درج ہیں - تفریح طبع کا نایاب نسخہ ہے - قیمت ۲ر محصول ۰ر

۲۵ - کاروان { الف لیلہ کی طرز کے نہایت دلچسپ اور دلاویز قصے جو کسی زمانے میں عربی زبان میں لکھے گئے تھے اور اب پہلی مرتبہ اردو میں شائع کئے جاتے ہیں - قیمت ۶ر محصول ار

۲۶ - شیخ اسکندریہ اور اسکے غلام { یہ کتاب بھی مثل کاروان کے ہے - قیمت ۵ر محصول ار

۲۷ - ایران اور ایرانی { اس کتاب میں ایران اور وہاں کے باشندوں کے نہایت دلچسپ حالات درج ہیں مع تصاویر و نقشۂ ایران مجلد قیمت فی جلد ۱۰ر

۲۸ - مشاہیر عالم (حصۂ اوّل طبقۂ حکما) { اس کتاب میں دُنیا کے مشہور و معروف اشخاص کے نہایت دلچسپ حالات درج ہیں - قیمت ۱۲ر

۲۹ - حکایات شیریں حصۂ اوّل { دوسری جماعت کے طلبا کے لئے دلچسپ کہانیاں - قیمت ۳ر محصول ر

۳۰ - حکایات شیریں حصۂ دوم { تیسری جماعت کے طلبا کے لئے دلچسپ کہانیاں قیمت ۴ر محصول ۰ر

۳۱ - حکایات شیریں حصۂ سوم { چوتھی جماعت کے طلبا کے لئے دلچسپ کہانیاں - قیمت ۴ر محصول ر

۳۲ - حکایات شیریں حصہ چہارم { پانچویں جماعت کے طلبا کے لئے دلچسپ کہانیاں - قیمت ۴ر [illegible]

ایجنٹ جن کے پاس سے مذکورۂ بالا کتاب

لاہور - مولوی عبداللہ خاں سابق سیکنڈ ماسٹر سنٹرل
ماڈل سکول و منیجر برکت ایجنسی موچی دروازہ لاہور
حاجی چراغ الدین سراج الدین - شیخ غلام علی اینڈ سنز
لالہ عطر چند کپور اینڈ سنز - لالہ رام لال سوری -
جے - ایس سنت سنگھ اینڈ سنز +
امرتسر - لالہ دیو یداس اینڈ سنز بازار مائی سیواں +
دلی - ماسٹر گردھاری لال بازار چرخہ والا -
منیجر امپیریل بک ڈپو کرشن لال نرائن داس -
کارونیشن بک ڈپو +
ہوشیارپور - لالہ ہیرالعل اینڈ سنز +
جالندھر - پالا مل بھولا بازار شیخاں -
روپا مل و لال چند نواں شہر +
گجرات - الٰہی بخش رحیم بخش +
سیالکوٹ - منشی نواب الدین منشی بہادر چند +
پشاور - دیوان وزیر سنگھ اینڈ سنز - چھجو سنگھ
جیون سنگھ - رام سرن اینڈ برادرز - حاجی محمد
عبدالرحمٰن حضرو پشاور +
لدھیانہ - بھولا رام چند - شیخ اللہ بخش الٰہی بخش +
لائل پور - رنبیر دیو راجا رام +
منٹگمری - جگن ناتھ اینڈ سنز عالیشان
بک ڈپو کمالیہ +
ملتان - کاظم علی غلام اصغر +

فیروز پور - لالا
ہنسراج +
پٹیالہ سٹیٹ - ،
انبالہ - لالہ نند
راولپنڈی -
پنڈت بھاگ مل ا
میانوالی - رو
بیگھراج محران
گوجرانوالہ - پنڈت
ڈیرہ غازیخاں -
ڈیرہ اسمٰعیلخاں
جہلم - لھوترا برادرز
جموں - جے رام د
گورداسپور - لالہ جیبھومل
حیدرآباد دکن - سید
محمد میراں - احمد حسین جعفر
مدراس - بی رمیا اینڈ
میرٹھ - کدار ناتھ اینڈ سنز
آگرہ - گگر برادرز +
کوئٹہ - مفتی سمیع اللہ +
سورت - کرسن داس نرائن ،
بھڑوچ - ماسٹر گوردھن داس +

ری ۱۹۱۱ء

اقتباس

سرکلر نمبر (۲)

نمبر سلسلہ ۰۲ ۷

نریبل جے سی گاڈلے صاحب بہادر ایم اے

ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب

ز صاحبان انسپکٹنگ آفیسرز (افسران معائنہ) و ہیڈ ماسٹران
رکاری و امدادی و ریگگنائزڈ غیر امدادی مدرسہ پنجاب

ن

ب مؤلفہ مولوی عبداللہ خاں سابق سیکنڈ ماسٹر سنٹرل ماڈل
بلکہ مدارس سرکاری و امدادی و ریکگنائزڈ غیر امدادی مدارس
الٹرنیٹو (بالمقابل) ٹکسٹ بک مقرر کیا جاتا ہے یعنی
ہاں چاہیں وہ خواہ ان کتابوں کو پڑھائیں یا ان کتابوں
سے پڑھائی جاتی ہیں :-

نئہ مضامین حصۂ اول - ساتویں اور آٹھویں کتاب کی جگہ

رشتۂ مضامین حصۂ دوم - (سرکلر نمبر ۵ نمبر سلسلہ ۰۷)

سلسلۂ حساب نمبر الغایت ۸ - مروجہ کتب حساب داخل فہرست کی جگہ

خط آنریبل جے سی گاڈلے صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب